وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

مصری

اہرام اور نجات عالم

کا

خدائی انتظام

یا

حقیقت معرفت

(شیعی نقطۂ نظر سے)

از نتائج فکر و سعی اذل الکونین

خاکپائے سید الثقلین عبد اللہ سید حسین

بن سید محمد حسین الموسوی الانبالوی

*

مطبوعہ اثنا عشری برقی پریس گلی تلسی جامع دہلی

نوٹ

اس تصنیف میں تمام سنین کتاب مستطاب "تاریخ محمدی" مؤلفہ مولوی سید بہادر علی شاہ صاحب مرحوم مغفور سے ماخوذ ہیں۔ ان سنین کی تصدیق توریت و دیگر کتب تواریخ سے ہوتی ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے بجائے خود اس رسالہ (تاریخ محمدی) کو توریت سے اخذ کیا۔ من یشاء فلیرجع الیہا۔

دنیائے قدیم کی مدت کے سوا باقی کل سنین کے لئے ہمارا ماخذ از ولادت حضرت نوح علیہ السلام تا ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام تاریخ عرب۔ نسب نامہ رسول۔ حیات القلوب جلد اول ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں پیر اینڈ پیجز مصنفہ پادری ایڈگر مارٹن۔ کتاب مقدس۔ قرآن مجید احادیث۔ کتب تواریخ تصنیفات جناب قبلہ مولوی مظہر حسن صاحب مدظلہ۔ تفسیر مکاشفہ پادری سی ٹی رسل۔ انجیل برنباس۔ ہادی التواریخ۔ ینابیع المسیحیت۔ رسالہ عصمت آدمؑ۔ تصدیق الاسلام۔ تاریخ گبن وغیرہ سے اکثر امداد لی گئی ہے۔

راقم

عاصی سید حسین موسوی غفرلہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میں نے اس رسالہ شریفہ کو اول سے آخر تک دیکھا۔ اور جہاں جہاں مناسب معلوم ہوا کچھ خفیف سا رد و بدل بھی کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مؤلف محامد نصاب جناب سید حسین صاحب انبالوی نے اس کی تالیف میں نہایت ہی عرق ریزی اور دماغ سوزی کی ہے۔ اور منارہ مصری سے نہ صرف تاریخ حضرات انبیاء علیہم السلام بلکہ تاریخ حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام اس خوبی سے استنباط کی ہے کہ اس کا پڑھنے والا اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسیحی پادریوں نے تو اس منارہ سے صرف حضرت مسیح علیہ السلام تک ہی سلسلہ ثابت کیا تھا لیکن ہمارے نوجوان اور باہمت مؤلف نے انہی اصول کی بنا پر اس سے نبوت خاتم انبیاء اور امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ثابت کر کے صداقت اسلام کی ایک جیتی جاگتی تصویر دنیا کے سامنے رکھ دی ہے۔ غالباً میرا یہ کہنا مبالغہ سے بری ہوگا کہ یہ اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہے جو اردو زبان میں لکھی گئی۔ اور مؤلف ممدوح اس تقدم پر مستحق مبارکباد ہیں۔ اگرچہ میں اعداد و شمار مندرجہ کی جانچ نہیں کر سکا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس کی صحت میں بہت کم کلام کی گنجائش ہوگی۔ اس لئے میں نے جناب ممدوح کو یہ رائے دی کہ وہ اسے شائع کر کے پبلک میں پیش کریں۔ تاکہ مبصرین اس پر نگاہ غائر ڈالیں۔ اور اگر کوئی غلطی نکل سکے تو اسے دیکھا جائے۔ لطف یہ ہے کہ اگرچہ اصل مضمون علوم ہندسہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت ہی خشک ہے لیکن سید صاحب نے اس خشک مضمون کو ایسا سرسبز کر دیا ہے کہ چاروں طرف سبزہ زار نظر آتا ہے گل دیا میں کھلے ہوئے ہیں اور مشام ایمان کو معطر کر رہے ہیں خداوند عالم آپ کو جزائے خیر دے اور ہمارے دیگر نئے تعلیم یافتہ حضرات کو بھی توفیق دے۔ کہ وہ اپنی انگریزی دانی سے دین مبین کی خدمت کر سکیں۔ میں صرف اہل اسلام سے بلکہ دیگر مذاہب کا بھی پرزور سفارش کروں گا۔ کہ وہ ایک دفعہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

۳ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۷ھ
۱۴ جنوری سنہ ۱۹۳۹ء

مرزا احمد علی
محلہ شیعہ۔ لاہور

دوران ملازمت میں میرے ایک اینگلو انڈین دوست نے پادری ایڈگر مارٹن کی مؤلفہ کتاب پیرامڈ میسجز مطالعہ کے لئے دی۔ مؤلف ممدوح کی محنت قابل صد آفرین ہوتی۔ اگر وہ اپنے نتائج کے اخذ کرنے میں پیدائش کی ابتدا زمانۂ خلقت انسانی سے شروع کرتے اور قدم بقدم آگے چلکر انتہائے پیدائش پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جا پہونچتے۔ موجودہ صورت پیدائش اندھیرے میں اندھے کی لاٹھی سے زائد اور کچھ نہیں۔

دوئم کسی مدمقابل یا مخالف کی اس کی ناکامیابی پر ہجو کرنا اس کی قومیت اس کے نسلی اور ملکی عیوب پر معترض ہونا۔ مؤلف ممدوح کی شان سے بعید تھا۔ مسلم ہے کہ مامون نے مینار مذکور میں خزانے کی غرض سے نقب لگایا۔ ناکامیاب رہا۔ کیا اس عرب کی ناکامیابی اس کو وحشی، جاہل، بے علم ثابت کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کا اونٹ کا گوشت کھانا یا اونٹنی کا دودھ پینا قابل اعتراض نہیں۔ البتہ ایک قاعدے کو تسلیم کرتے ہوئے ایک قانون کے پابند ہوتے ہوئے اور ایک مقدس تحریر کو احکامات الٰہی مانتے ہوئے اس کے احکامات سے روگردانی کرنا ایک بڑا عیب ہے جس سے زیادہ اور کوئی عیب نہیں ہو سکتا تعجب بالائے تعجب تو یہ ہے کہ وہ معترض اور عیب جو ایک عیسائی پادری ہو۔ کتاب مقدس کی مخالفت کرنیوالا اور ایک عالم مسلمان بادشاہ پر نکتہ چینی کرے۔ یا للعجب

صرف یہی دو وجوہ ایسی تھیں جو ایک غیور مسلمان کو پادری صاحب کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتی مامون عباسی میرا یا میرے آبا و اجداد کا دوست نہیں۔ اگرچہ میرے جسم میں وہی خون جاری و ساری ہے جو مامون کے کے جسم میں جاری تھا وہ اگر اسطرف توجہ کرتا تو ایک مینار سے علمی آثار کے اخذ کرنے میں عاجز نہ ہوتا۔ اور پھر ایسے وقت جبکہ علوم کا خزانہ اس کے گھر میں موجود تھا۔

علوم کی روشنی اس عرب میں جو مامون کا وطن تھا۔ صدیوں سے درجۂ کمال کو پہونچی ہوئی تھی جسوقت یورپ والے خواب غفلت میں سرشار اور ساغر جہالت میں مدہوش تھے اسوقت یہی عرب تھے جو علمبردار علم بنکر اہل یورپ کو وہ کچھ پڑھا گئے۔ جو اسوقت اہل یورپ کو میدان عمل میں سب سے آگے کئے ہوئے ہے۔

مامون کا عرب ہونا اس کے لئے صد فخر کا باعث ہے یہ عرب اس نسل سے پیدا ہو جو پسر موعود ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوئی۔ بنی اسرائیل اس کے بنی اعمام تھے نسلی حیثیت سے مامون عیسیٰ علیہ السلام کا مدمقابل تھا اگر نبوت سے قطع نظر کر لیا جائے

اندریں صورت ہر اس شخص پر جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیکا مدعی ہو ہر ایک ایسے شخص کا احترام فرض عین ہے جو آنحضرت کا ہمجدی ہو۔ اس کے لئے اسمٰعیل بھی پسر ابراہیم ہے۔ اور اسحٰق بھی۔ وعدۂ الٰہی دونوں کے لئے کتاب مقدس میں موجود ہے۔

اونٹ کا گوشت کہانے یا اونٹنی کا دودھ پینے سے انسانی دماغ خراب نہیں ہوتا یہ صفت گدہی کے دودہ اور گوشت میں ہوتی ہے

علوم کا سرچشمہ شام اور ان کی مسوح اولاد ہوا کی۔ دیگر اولاد سام بھی کم و بیش ذائقہ علوم سے بہرہ مند ہوئی یہی برکت اس موجودہ تالیف کی مؤید ہے۔ شاہ بلوطا ور زوفا کے پجاری علوم مقدس کو کیا جانیں۔ اور حقیقت معرفت سے کب آگاہی حاصل کر سکتے ہیں

ثانیاً ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ مقدمات پیمائش میں اپنی جانب سے انتہائی جد و جہد کی گئی کہ نتائج درست نکلیں۔ لیکن آخر انسان۔ انسان ہی ہے۔ غلطی ہونا تعجب خیز نہیں۔ اگر کسی مقام پر غلطی نظر آئے تصحیح سے قلم نہ روکیں۔ اور مطلع فرما کر باعث صد شکریہ ہوں۔

آخراً ملتمس ہوں۔ نہ مجھے علمیت کا دعویٰ ہے نہ تحقیق کا۔ البتہ توسل ان حضرات سے ہے۔ جو راسخون فی العلم ہیں۔ جو مرکز تحقیق ما کان و ما یکون قرار پائے۔ اس لئے اپنی یہ ناچیز پہلی کوشش ارباب نظر کی خدمت میں پیش کر کے ملتمس ہوں کہ اس مضمون کی کمی کا پورا کرنا اس ہیچمدان کی طاقت سے باہر ہے۔ امید کہ زمانہ حال کے نباض جوان توجہ فرما کر اس کمی کو پورا کر کے عند اللہ و عند الناس ماجور و مشکور ہونے کی سعی فرمائیں۔

احقر کونین۔ انبالوی

سید حسین بن سید محمد حسین الموسوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ الطیبین و الطاہرین

اما بعد: علمائے یورپ کی طباعی وجدت پسندی کی حد نہیں منطقی وفلسفی۔ ریاضی وہیئت۔ اقلیدس ومساحت وغیرہ وغیرہ علوم کی کامیابی نے ایسا مست وسرشار کیا کہ اب راز قدرت کے انکشافات پر تل گئے۔ اور اپنی فہم کے مطابق راز قدرت کے پردہ اٹھانے کے مدعی بن بیٹھے۔ اہرام مصر یعنی وہ سنگلاخ عمارتیں جن کی تعمیر کا یا بنانے اور بنوانے والوں کا انکو علم تک نہیں۔ اسپر اپنی گمند قیاس پھینکی کبھی آتشکدہ نمرود ہی بنا دیا کبھی غلہ یوسف کا کھتہ۔ ستارہ گھر بیت الشمس والقمر (ایت وسوم کا مندر) یا اسپر بھی ترقی کی تو آثار نبوت کہڈالا۔ اپنی کوشش میں دکامیابی پر اتر آئے۔ دوسروں میں عیب نکالنے شروع کئے۔ اور آثار نبوت کی گردن میں پھانسی ڈال کر پھندے کے بندر کیطرح ناچ نچائے۔ اقلیدس ومساحت منطق وفلسفہ اپنی خیالی تعلیم پر قربان کرڈالے۔ دوراز کار تاویلوں سے انوکھی اور نئی چالوں سے عجیب وغریب استدلالوں سے اپنے اقانیم ثلاثہ کا وجود بیچارے اہرام مصر کے میناروں میں جڑے ہوئے دکھلانے لگے۔ علم ہندسہ کسی ایک قوم یا ایک ملک کی ملکیت نہیں ہے علوم کسی خاص ملت کی میراث نہیں۔ بچھڑنا معلوم ہیا اترانا اور دوسروں کے منہ آنا کیسا۔

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ مہذب اقوام میں ہونے کا دعویٰ اور استادوں سے سوء ادب۔ اسلام سے پیشتر یورپ عیسائیت سے خالی نہ تھا۔ اناجیل عنقا نہ تھیں۔ حکومت بھی اپنی ہی ہمخیال تھی۔ اور اگر ہمخیال نہ بھی ہو تو بھی غیر نہ تھی۔ علمائے ملت کا قحط نہ تھا۔ مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریین نے سکھلانے سے دریغ نہیں کیا۔ ان کی تعلیم دنیا سے غائب نہیں ہوئی۔ باوجود اسقدر موافقت اسباب کل یوروپ تاریکی ضلالت اور جہالت ہی میں رہا۔ نہ تعلیم پھیلی۔ نہ علم کی روشنی چمکی۔ مسلمانوں کا اسپین پر قبضہ کرنا تھا کہ علوم کے سرچشمے سرزمین ہسپانیہ میں پھوٹ نکلے۔ اور تمام یوروپ میں بہ نکلے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ منطقیہ وفلسفیہ ہیئت ونجوم۔ ریاضی و اقلیدس ومساحت۔ تاریخ وجغرافیہ سیمیا وریمیا وکیمیا دمع کاری کیمسٹری۔ ریسرچ) طب وجراحت۔ غرضیکہ وہ کون سا علم تھا جس میں شیر شتر پینے والے عرب قبول اسلام کے بعد ید طولیٰ نہ رکھتے تھے۔ ہاں وہ کونسا علم تھا۔ جو اہل یوروپ سے اہل عرب نے دریغ رکھا۔ اور اپنے شاگردوں کو نہ سکھایا۔ استاد اپنے شاگرد سے کبھی کم درجہ نہیں ہو سکتا۔ ان شاگردوں کی اولاد آج کس منہ سے اپنے بزرگوں کے استادوں پر زبان طعن دراز کرسکتی ہے۔ تاریخ عالم بآہنگ دہل پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ اہل عرب علمبردار علوم تھے جسطرف رخ کیا علوم کے دریا بہا گئے۔ جو ملک ان کے زیر نگیں ہوئے۔ دار العلوم بنگئے۔ حقانیت اسلام کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا۔ کہ اس کے پیرو علوم کے جانشین ہو کر چمکے۔ وہی اہل عرب جو اسلام سے پیشتر جہالت وتاریکی میں ضرب المثل تھے۔

اسلام لاتے ہی کچھ سے کچھ بنگئے۔ کایا پلٹ گئی۔ مشعل علم ہاتھ میں لی۔ اور تمام دنیا سے تاریکی وضلالت وجہالت مٹانے پر مستعد ہوگئے۔ فلسفۂ یونان کے اغلاط مٹائے۔ وحدانیت کے سبق پڑھائے۔ تثلیث کے مسئلہ پر تبصرے کئے اور وہ جواہر ریزے بکھیرے کہ دنیا اون کی سخاوت کی معتقد ہوگئی ان کے فضل وکمال کا لوہا مان گئی اور ان کے علوم سے بہرہ ور ہوئی۔ مصر ویونان کے علوم کے فانوس اس الہی نور کی روشنی میں بے رونق ہوگئے۔ فقط دو صدیوں کے قلیل عرصے میں چین سے لیکر ہسپانیہ تک انہی کے دارالعلوم کی ضیا باری تھی۔ تمام یوروپ انکے مکتب سے کسب علوم کو فخر سمجھتا تھا۔ آج ہٹ دھرمی سے جو چاہیں کہہ اُٹھیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ سعادتمند اولاد اپنے بزرگوں اور ان کے استادوں کے حضور سر تسلیم خم کرتی ہے۔ سپوت اپنے محسن کو ہمیشہ عزت وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ناخلف سے کسی قسم کی توقع نہیں ہو سکتی۔

مامون عباسی سنہ ۱۹۸ھ میں سریر حکومت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے شغف علمیہ سے کتب تواریخ لبریز ہیں۔ حکومت کا قیام اسباب ظاہریہ پر مبنی ہوتا ہے۔ نہ ایسی کوئی سلطنت دنیاوی اسوقت تک ہوئی جو مال سے مستغنی ہو۔ ضرورت ملکیہ کے لئے اخراجات اور اخراجات کے لئے مال و دولت دنیاوی انتہا ضروری۔ اگر ضرورت نے اسکو نقب زنی مینار مصر وحصول خزانہ پر مجبور کیا تو تعجب خیز نہیں۔ اس قسم کے افعال سے کوئی زمانہ حتیٰ کہ زمانہ حال بھی خالی نہیں پھر اسپر اعتراض چہ معنی۔

مامون عباسی اس زمانہ کی رپورٹ کے مطابق اس خزانہ کے حصول میں کوشاں ہوا جو اس میں نہ تھا۔ اہل یوروپ نے زمانۂ حال میں کونسی کسر حصول خزانہ میں اٹھا رکھی۔ مامون نے ایک خاص رپورٹ کے مطابق اس طریقہ پر نقب لگائی کہ مینار بھی قائم رہے۔ اوپر جانے کا راستہ ملے۔ اور خزانہ قبضہ میں لائے۔ لیکن ہاورڈ (Howard) نے جو نقب اسی مینار کے بالائی حصہ میں لگائی اس کا مقصد بھی بجز حصول دولت اور کچھ نہیں تھا۔ اگر مامون شتر خوری کے باعث اس قابل نہ تھا کہ خزانۂ مینار کی کلید حاصل کرے اور خزانہ پر متصرف ہو تو ہاورڈ کے بارہ میں اور نیز دیگر علماء و محققین یوروپ کی نسبت کیا کہنا پڑے گا۔؟ جو درجہ علوم کا مامون اور اسکے زمانہ کے علماء و فضلاء کا تھا اس کا عشر عشیر بھی یوروپ اسوقت دکھلا نہیں سکتا۔

علم ہندسہ اس میں شک نہیں قابل اعتبار اور بھروسہ کی چیز ہے۔ لیکن پیرامڈ میسیجز کے مصنف اڈگر مارٹن کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ جو نتائج تاریخی پیمائش سے انہوں نے پیدا کئے اور تاریخ سے ان کی مطابقت کی وہ بالکل درست ہی ہے۔ یا ان ہندسوں کے ہیر پھیر سے دیگر نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔

علم تاریخ تسلسل واقعات کا لفظی خاکہ ہے۔ اگر اس کا گراف بنائیں تو ضرورت ہے کہ ابتدا و انتہا مقرر کرنے کے بعد ایک مقررہ قاعدے اور نصاب کے مطابق نصاب تیار ہوگا۔ یہ نہیں کہ جس طرف سے مطلب حل ہوتا دیکھا۔ اسی طرف جھک گئے۔ اور ترتیب واقعات کے مطابق گراف سے روگردانی کی۔ اس کی ترتیب کو مسخ کر دیا۔

اس واقعہ سے قطع نظر کرکے سب سے پیشتر یہ ظاہر کرنا مصنف موصوف کے لئے فرض تھا کہ تاریخ تعمیر عمارت پر روشنی ڈالتے۔ اور پھر بنانے والے کا نام و دیگر کمالات کا تذکرہ کرتے۔ بعد ازاں اس کے کمال علمیہ کی تدقیق و تحقیق میں سرگرم ہوتے۔ نہ بنانے والے کا پتہ۔ نہ زمانۂ تعمیر کا علم۔ اور ماسپر یہ لن ترانیاں۔ یا للعجب

۲۔ (دوئم) آجتک جسقدر بھی پیمایش اہرام مصر کی گئیں۔ ایک دوسرے سے مختلف ہر ایک محقق اپنے اعداد کی صحت کا مدعی لیکن ایک مقررہ پیمانہ سے دو نقطوں کے درمیان پیمائش کے اعداد میں فرق کے کیا معنی۔ ایک غیر شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہو کہ اپنے حصول مطلب کے لئے اصل پیمایش بدل ڈالی۔ کیا زمانہ حال کی تحقیقات کی انتہا محض اختلاف ہی ہے جب تک صاحب موصوف اپنے ہی گھر میں تمام پیمائشوں کی صحت کا فیصلہ باہمی نہ کرلیں۔ اپنے اعداد پر دعوی صحت پیش نہیں کر سکتے تعمیر کنندہ مینار کا مقصد بنا کیا تھا۔ اور عمارت مذکور کی مختلف پیمائشوں کے اعداد اس نے کس قدر رکھے۔ اسوقت کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس نے اس معمہ کے حل کرنے کے لئے کیا کلید مقرر کی۔ اب ہم جو کچھ بھی اس کے اعداد سے برآمد کریں گے۔ ہمارا قیاس ہوگا نہ کہ بنانیوالے کا مقصد۔ ممکن ہو ہمارا قیاس درست ہو لیکن قیاس کا غلط ہونا اغلب ہے۔ اس صورت میں ہماری سعی لاحاصل ہوگی۔

۳۔ (سوئم) تعمیر عمارت کے متعلق مصنف مذکور کی زرین رائے یہ ہے کہ بنانیوالے یقطان بن عبر کے بارہ پسر تھے۔ زمانۂ حال تک (بموجب تاریخ توریت) طوفان نوح کو چار ہزار دو سو بیاسی سال کے قریب ہوئے اور یقطان بن عبر تک بموجب بیان توریت تمام دنیائے معلومہ کی آبادی اسقدر نہیں ہو سکتی کہ اس تعمیر کے کام کو انجام دیتی۔ ورنہ اس مذہب کی بنیاد ہل جائیگی۔ جس کا ماخذ کتاب مذکور ہے۔ توریت کہتی ہے۔ دنیا کی کل نسلیں شام، حام، یافث کی اولاد ہیں۔ دوئم یہ بتلاتی ہے کہ کشتی نوحؑ میں صرف اسی مرد و زن تھے۔ اصحاب نوح سے اولاد نہیں ہوئی۔ لہذا ابن یقطان کے زمانہ میں تین شخصوں (شام، حام، یافث) سے کل اس قدر کام کرنیوالے پیدا ہوتے جو اس عمارت کو بناتے۔

اسی کنبہ کی دوسری مثال موجود ہے۔ بنی یعقوب داخلۂ مصر کے وقت تعداد میں ایک سو تیس تھے۔ اور جب چار سو تیس برس کے بعد وہاں سے نکلے تو چھ لاکھ مرد و زن تھے یعنی ایک سو بیس سال میں ایک نفر کے تقریبا پانچہزار بن گئے۔ اس میں وہ اعداد بھی آگئے۔ جو فرعون مصر کی عنایات سے قتل ہوئے لہذا دو سو برس میں تین نفر یا حد چھ مرد و عورت سے زیادہ سے زیادہ اٹھارہ ہزار مرد و عورت اور بچے ہو سکتے ہیں۔

مینار مذکور کی تعمیر میں بیس ہزار نفر کام کرتے رہے۔ جن کا ہر تیسرے مہینہ تبادلہ ہوتا رہا۔ تعمیر سو سال جاری رہی۔ پس ایک سال میں کم ازکم چالیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ اسی ہزار نفوس نے کام کیا۔ لیکن یہ چالیس ہزار یا اسی ہزار نفوس کہاں سے آئے جبکہ آبادی کل اٹھارہ ہزار ہے۔ پادری صاحب نے تاحال نہیں بتایا۔

۴۔ طوفان سے پیشتر دنیا علوم و فنون میں یدطولی رکھتی تھی۔ بلکہ دنیائے موجودہ اکثر امور میں دنیائے قدیم کے

مقابلہ میں پست ہے۔

بنائے عمارت مینار کے وقت دنیائے قدیم کی کل موجودات خراب وہلاک ہوجاتی ہیں حضرت نوح علیہ السلام اوران کے بیٹوں کے سوائے دنیا کی آبادی غائب کے برابر ہے۔ تعمیر مینار میں اس قدر علمی مسائل استعمال ہوئے ہیں جو شمار نہیں ہوسکتے۔ اگر موجودہ دنیا میں تعمیر مینار کے وقت وہ علوم رائج تھے تو ضرور ہے کہ اس کا عالم بھی دنیا میں موجود رہا ہو۔ ورنہ پھر ایجادات کا سہرا نیوٹن کے سر باندھنا کیا معنی۔ اقلیدس کے روبرو زانوئے ادب تہ کرنے کی وجہ۔

۵۔ مصنف موصوف کا یہ خیال ہوگا کہ اعداد سے کسی تاریخ کا نکالنا صرف ان کا ہی کام ہے۔ دوسرا شخص اس دل ودماغ کا پیدا ہونا ممکن نہیں جو اس خلجان میں پڑے۔ لیکن ان کو حیرت ہوگی کہ وہی اعداد جس سے ان کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ ترتیب منظم کے ساتھ ان کے دعوے کو غلط ثابت کرتی ہیں اور بتلاتی ہیں کہ ان کا مسیح "راز نجات عالم نہیں۔ بلکہ اس راز نجات عالم کا ہراول اور پیشرو ہے اور وہ آمد راز نجات عالم کی منادی کرتا ہوا۔ اپنے عہد کو پورا کر گیا۔

توریت کی ظاہری تعلیم کے بموجب یہودی اور عیسائی حضرات کے نزدیک اس زمین پر انسانی آبادی کا آغاز صرف (تقریباً) ۱۳۰۸ ۵ سال سے ہوا جو محققین کے نزدیک بالکل غلط ہے۔ پادری صاحب موصوف نے اس غلطی کی تصحیح میں کیا کوشش فرمائی۔ اور بصورت غلطی تعلیم توریت کیونکر قابل اعتبار سمجھی۔ اوران کے اعداد کی صحت کی کیا سبیل نکالی۔ مسیح کی تار و پود کا وجود توریت کی صحت پر منحصر ہے جسکو وہ اپنی کتاب میں مستند اور قابل اعتبار تحریر فرماتے ہیں۔ توریت غلط ہوئی۔ تو تمام پیشگوئیاں جو مسیح علیہ السلام کے لئے ثابت کی جاتی ہیں۔ پایۂ اعتبار سے ساقط ہوں گی

(۷) بموجب توریت پیدائش نوح علیہ السلام تک ۱۰۵۶ آدمی سال ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کتاب موصوف سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا ایک دن ہزار سالہ تھا۔ توریت کے بموجب سال کے ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔ لہذا ۱۰۵۶ سال آدمی ہمارے زمانے کے ۳,۸۰,۱۶,۰۰۰ سال کے برابر ہوگا۔ اب صاحب موصوف اپنے سنین میں ۱۰۵۶ سال کی کمی پوری کریں۔ اور بتلائیں۔ ساتواں ہزار سال کب شروع ہوا (حساب مذکورہ کے مطابق پیدائش نوح علیہ السلام سے اسوقت تک صرف ۴۸۸۲ سال ہوئے) یا وہ غلطی توریت تحریر فرمائیں جس کے باعث ۱۰۰۰ سال سے زیادہ کا فرق حسابات میں آیا۔ حساب سنین آدمی کی تفصیل اس طرح پر ہے۔

۱ سال آدمی بحساب ۱۰۰۰ سال فی یوم = ۳۶۰ × ۱۰۰ = ۳۶۰۰۰ سال ∴ ۱۰۵۶ سال آدمی = ۱۰۵۶ × ۳۶۰۰۰ = ۳۸۰۱۶۰۰۰ سال۔

(۸) پادری صاحب موصوف نے اپنی قیاسی تاریخ بائبل قائم کر کے اس کے مطابق پیمائش مینار سے اعداد اخذ کرنے میں اپنی مطلب براری کا خیال رکھا۔ اور یہ نہ سوچا کہ مصری تاریخ ۲۵۰۰۰ سال سے زائد پرانی

....۹۰ سال چینی تقریباً ...... ۷۰ سال ہندی تقریباً ...... ۷، ۱۵ سال سے آبادی کا پتہ دے رہے ہیں اور
نام بنام شاہان گذشتہ کی تاریخ تحریر کرتے ہیں۔ باوجود ان شہادتوں کے وہ اپنی غلط تاریخ کو حق سمجھتے
اور اسقدر اقوام دنیا کو دروغگو خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ زمانۂ موجودہ میں محققین کی یہ رائے ہے کہ انسانی آبادی
اس زمین پر تقریباً ...... ۵ سال سے ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ نسلیں اس قدیم آبادی سے کوئی
تعلق نہیں رکھتیں۔ بلکہ اپنی خلقت میں ان سے علیحدہ ہیں لیکن تاریخ اقوام ایران و چین و مصر سے ثابت ہے۔
اقوام حال کے ہم جنس ان ملکوں میں ... ۲ سال سے مدتوں پیشتر حکمران تھے۔ ان کے شجرۂ انساب سے ان کا وجود
ثابت ہے۔ پھر ایسا کوئی قاعدہ یا اصول نہیں جس کی بنا پر ان کی ہستی سے انکار کیا جائے۔ اور ان کی تواریخ کو
طومار اغلاط سمجھا جائے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ایک کے مقابلہ میں دو یا تین ایسی شہادتیں موجود ہوں جو دیگر قرائن
سے درست معلوم ہوتی ہوں۔ ان پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس منفرد شہادت کی اچھی طرح تنقید کیجائے
جو تمام دیگر شہادتوں کے مخالف ہو۔ محض ہٹ دہرمی سے اپنے اعتقاد کو واقعات پر ترجیح دینا اور دوسروں
کو اس کے سچ سمجھنے پر مصر ہونا انصاف کا خون کرنا ہے۔ البتہ دھوکا دینے کے لئے ایسی جد و جہد ممکن ہو درست
ہو۔ لیکن دھوکا دینے والا کبھی سچا نہیں ہو سکتا۔

(۹) مختلف ممالک میں رسم و رواج و مشاہدات کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً توریت کے مطابق زمانے
کی اکائی ۳۶۰ سال ہے جسکو ۳۶۰ دن سے ظاہر کیا جاتا ہے یعنی ایک دن سے ایک سال مراد ہے جو زمین
کی قطبینی گردش سے ماخوذ ہے ان قطبینی ممالک میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ پھر ایک سال کو
چاند کی گردش سے مطابق کر کے دیکھا تو چاند کے بارہ دورہ اس عرصہ میں ہوئے۔ لہذا بارہ مہینہ کا سال اور ۳۰
دن کا مہینہ قرار دیا۔ اس طرح اکائی ۳۶۰ پر آمد کی۔ اور ۳۶۰ دن کا سال، ۳۶۰ سال کا زمانہ ہوا۔ اہل ہند
نے بھی سال اور مہینہ اسی طرح قائم کئے۔ لیکن زمانے کی تخریج میں انھوں نے معلوم کیا کہ چاند کے حساب سے
موسموں میں تغیر ہوتا ہے۔ اس لئے سورج کی گردش پر غور کیا۔ اس کی ایک دور کی مدت کو بارہ پر تقسیم کر کے
اسکو زمانے کی اکائی قرار دیا۔ اور اکائی ۴۳۲۰ قائم کی۔ اس کے بعد اس مرکز شمس پر غور کیا جس کے گرد سورج
گھومتا ہے۔ تو ظاہر ہوا اس کا دور سورج سے ۱۰۰ گنا زیادہ مدت لیتا ہے اس طرح اس نظام کے زمانے
کی اکائی ....۴۳۲ سال قرار پائی۔ لیکن بیضوی اشکال میں مرکزی فاصلہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے کم
از کم فاصلہ نقطہ (Perihelion) اور مرکز (Center) کے درمیان ....۴۳۲ قائم کر کے دوسرا زمانہ اس سے دوچند
تیسرا پہلے سے سہ چند اور چوتھا پہلے سے چوگنا اور ہر ایک مدت کو ایک یگ کا نام دیکر چوگی کی مدت جمع کی تو
.......۴۳۲ سال ہوئی۔

لیکن مشاہدے سے ثابت ہوا کہ یہ مرکز شمس دوسرے مرکز کے گرد گھومتا ہے جو مرکز المراکز ہے۔ اور
کل مدت دور اس معلوم مدت سے ہزار گنا ہے۔ اور بعد از تحقیق اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرکز المراکز ۴۳۲

سال کے ۷۱ گنا زمانے کو طے کرنے کے بعد رجعت کرتا ہے۔ پھر ۲۰۰۰۰،۸۸،۴ سال کے عرصہ تک رجعت میں رہکر دوری حرکت میں آجاتا ہے۔ اس خاصیت سیارگان کو بکری اور مارگی کہا جاتا ہے۔ اور پورے دور میں ۱۴ مرتبہ رجعت ہوتی ہے۔ ابتک اس مرکز المراکز نے سات مرتبہ رجعت کی۔ اور ساتویں مرتبہ سیدھا چلنا شروع کیا جس کے ۷۱ زمانے ختم کر کے اٹھائیسویں زمانے کی آخری منزل کے ۱۰۳۰۵ سال طے کر چکا ہے۔

لیکن یہ تحقیقات متعلق بہ نجوم ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مرکز المراکز کے موجود ہونے کے وقت دیگر سب سیارے موجود تھے۔ بلکہ علم ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیارجات اس مرکز المراکز کی حرکت دوری کے باعث اس کے اجزا کے تفتت (ٹوٹنے اور علیحدہ ہونے) سے وجود میں آئے۔ ہمارا نظام خود نہ نظام اولی ہے نہ ثانیہ بلکہ تیسرے (یا چوتھے) درجہ کا نظام ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ علمائے نجوم زمانۂ حال نے ایسے ایسے دو نظام معلوم کئے ہیں جو مدار سیارگان شمالی و جنوبی ہیں۔ اور یہی مرکز المراکز قطب کہلاتے ہیں تحقیقات زمانہ موجودہ ان ہر دو اجرام فلکی کی نسبت بتلاتی ہے کہ وہ خود کسی دوسرے مرکز کے گرد دور لگاتے ہیں۔ اندریں صورت ہمارا نظام چوتھے درجہ کا نظام ہے

توریت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سورج چاند چوتھے دن بنے۔ ہماری زمین بھی سورج کا ایک جزو ہے۔ یہ بھی چوتھے دن کی موجودات میں ہے۔

لیکن یہ زمین وجود میں آتے ہی مخلوقات کی بود و باش کے قابل نہ تھی۔ خود زمانۂ حال کی تحقیق سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرصہ دراز تک سیارے اس قابل نہیں ہوتے کہ ان پر آبادی ہو سکے۔

توریت کے مطابق پانچواں دن (یا بقول ہنود پانچویں منونتر میں) پرند۔ چرند۔ نباتات وغیرہ تری و خشکی کے حیوانات پیدا ہوئے۔ لیکن انسان وہ حضرت انسان جو اس تمام موجودات ارضی سے مستفید ہونیوالا تھا چھٹے دن پیدا ہوا۔

اہل ہنود نے مرکز المراکز (یا برہما) کے بکری اور مارگی ہونے کی مدت ۳۰،۶۷،۲۰،۰۰۰ سال کو منونتر کہا۔ توریت نے اسکو ایک دن سے تعبیر کیا۔ لہذا انسان جو چھٹے دن پیدا ہوا اسکو ولادت نوح علیہ السلام تک ۳۰،۸۰،۱۰،۶،۰۰۰ سال ہوئے۔ اور اس طرح حساب کرنے سے انسان کی خلقت چھٹے منونتر کے بارہویں چترجگی کے دواپر میں ہوئی ہوگی۔ یہ مدت اتنی ہو کہ اس میں آبادی تمام روئے زمین پر پھیل جائے اور ترقی کے زینے طے کرتی ہوئی اس منزل تک پہونچے جس میں ایسی سنگلاخ عمارت کی بنا ڈالی۔ یا استقدر علم نجوم کی تحقیقات میں بال کی کھال نکالی۔ اور تجربات و مشاہدات کی بنا پر علم جوتش کی تصحیح و تجدید کی۔

✻

اس میں کلام نہیں کہ عمارت بینار کسی قدیم نبی کی سرپرستی میں تیار ہوئی۔ اس میں علامات و نشانات علم الانبیا ودیعت رکھے گئے ہیں۔ لیکن ان رموز نبوت کا سمجھنے والا نبی ہی ہو سکتا ہے۔ یا وہ جو قائم مقام نبی ہو۔ عوام الناس

ہیں اس کے سمجھنے کی قابلیت کہاں۔ اس پانچ ہزار سال کے عرصہ میں جو طوفان نوح علیہ السلام سے اسوقت تک گذرا بہت سے صحف انبیا تحریر ہوئے اور تی زمانہ بھی موجود ہیں۔ لیکن ان کے سمجھنے والے ہزاروں مدعیوں میں کسقدر دعوی صحت کر سکتے ہیں ایک عالم دوسرے کے مخالف ہی یہ لفظی تعلیم کا حال ہی جس کو سب جانتے ہیں پھر ایسی تعلیم کا سمجھنا کیونکر ممکن ہے جو محض رموز سے لبریز ہو۔ اس لئے جو کچھ بھی اس کے متعلق خامہ فرسائی کی جائے وہ محض ہمارا تخیل ہوگا نہ کہ ان رموز کا حل جو میناری تحریر میں ضبط ہیں۔ یہ ثابت ہی قیاس اگر سچ بھی ہو تب بھی عقل کے قابل نہیں ہو سکتا۔ قیاس کا پہلا شکار ابلیس سا عالم باکمال اور عامل بیمثال ہوا جس پر ابد تک لعنت کی بوچھاڑ پڑتی رہے گی۔ اس لئے مامون رشید کے سوال پر جناب امام ضامن ثامن آل محمد صلواۃ اللہ علیہم نے یہ کہکر ٹالدیا کہ یہ خزانہ امام ہے۔ خزانہ امام علم ہے جس کے باعث انسان کو فرشتوں پر فوقیت حاصل ہوئی نہ کہ مال دنیا جسکو ہر کس و ناکس حاصل کر سکتا ہے۔

اندریصورت میناری تعلیم کی حقیقت کا انکشاف اس نفس طاہر سے متعلق ہے جس کے لئے اس کی بنا ہوئی۔ جو دنیائے حال کی بڑھتی ہوئی تعلیمی روشنی کے مقابلے میں اس میناری تعلیم کو اپنے الفاظ میں ادا کریگا حق بھی یہی ہے جب تک کلید رموز معلوم نہو ان کا حل ناممکن ہے۔ پادری صاحب کے اصول کے مطابق ان ہی کے اعداد سے اور ان کے مقررہ و مسلمہ تاریخ کی بنا پر ہر شخص اعداد مرتب کر سکتا ہے۔ اسی تصنیف میں ایک مکمل تعداد نہیں منضبط ہے۔ جو نہ صرف پادری صاحب کے اعداد کو ظاہر کرتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زائد اصلی راہ نجات عالم تک رہبری کرتی ہے۔ چونکہ پادری صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے اعداد کے معتقد ہیں۔ اس لئے اس حد تک صحت اعداد کا مدار ان کے سر اور اس کے بعد کے اعداد کی صحت کے ذمہ دار ہم۔

یہ معلوم ہے کہ انسان اول یعنی ابو البشر آدم علیہ السلام کی خلقت چھٹے روز ہوئی اس لئے ابتدائے آفرینش سے نوح علیہ السلام تک تقریبا ۰۰۰۰۰۰۹۶۰۱ سال گذرے۔ اور انسانی آبادی صرف ۰۰۰۰۰۲۰۱۰۸۳ سال کی ظاہر ہوئی۔ یعنی آفرینش جس کو سمت سرشٹی بھی کہتے ہیں ۱۰۳۰۸۵،۵۸،۹۵،۱ ہے۔

دراصل عبری یا یہودی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا۔ تاریخ عرب سے یہ معلوم ہوا ہی کہ حضرت نوح علیہ السلام و حضرت صالح کے درمیان تقریبا ۵۵۰ سال کا زمانہ ہی حضرت صالح و ہود علیہما السلام کے درمیان ۲۵۰ سال اور ہود و ابراہیم علیہما السلام کے درمیان تقریبا ۲۰۰ سال۔ عمر حضرت صالح علیہ السلام ۲۳۵ سال۔ عمر حضرت ہود علیہ السلام ۴۶۵ سال لہذا کل مدت ۱۹۵۰=۲۰۰×۲۵۰×۵۵۰×۹۵۰ سال سال پیدائش ابراہیم علیہ السلام توریت میں ۱۹۴۸ ہی۔ جو تقریبا اس حساب کے درست ہے۔ وفات ہود علیہ السلام کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ۷۵ سال کے تھے۔

چونکہ متن رسالہ ہذا میں کچھ بیان تاریخ ہند سے متعلق ہے۔ اس لئے پیشتر اس کی تشریح اور مضمون ہذا سے اس کا تعلق نیز ان کی نسل کے آغاز کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے پیشتر ہم مختلف شجرہ انساب ہند و عرب و مغل تحریر کرتے ہیں۔

مقابلہ شجرۂ انساب سے چند امور ظاہر ہوتے ہیں

(۱) ترک خان۔ ہرنیہ کشیپ اور تارخ ایک ہی شخص ہو جس کی اولاد مختلف ممالک میں آباد تھی۔ اور وہ یافث یا بابو کا پسر تھا۔ جاپانی تاتاری منگول (مغل) اور ہندی اقوام اس کو اپنا مورث اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) اس بابو کے بیٹے کی بعض اولاد دیوتا اور بعض دیت کہلاتی ہے۔ نیز دیوتا و دیت جن یا اسر وغیرہ اولاد کشیپ ہیں

(۳) دیت ماتوی اور مہکاسر دیا مہک اسر) ایک ہی شخص ہے۔ اور بالکل مغل دمنگول ہو۔ کیونکہ مغل (منگول) اور بالکل (باشوکول) ایک ہی ہے مغل عربی تلفظ منگول ہو۔ ایرانی تاریخ شاہنامہ میں بھی ان کو اہرمن کہا گیا ہے۔

(۴) میکاسر کا باپ الہلاد اور دیت ماتوی کا النجہ۔ بظاہر الہلاد و النجہ میں مغائرت تلفظی ہے لیکن ذرا غور کرنے سے مختلف ممالک کی آب و ہوا کے تاثر کا پر تو نظر آتا ہے۔ النجہ کو النگہ اور الندہ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن بعض تلفظ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ایک زبان سے مخصوص ہوتے ہیں اور دوسری زبان میں اسکی صورت مسخ ہوجاتی ہے۔ اندریںصورت النجہ یا النجہ (ممکن ہو الندہ ہو) میں کوئی مغائرت نہیں رہتی خصوصاً جبکہ ان کے اب وجد کے اسماء بھی ملتے ہوں۔

(۵) الہلاد ہرنیہ کشیپو کا پسر ہے۔ ہرنیہ یا ہرتا ہرن کرنیوالا ہے۔ اور ہرن کرنا زبردستی پکڑنے کو کہتے ہیں لہذا ہرنیہ یا ہرتا شکاری اور ظالم ہوا۔ کشیپو کے شو یا کے بن یا بو ہوا۔ اسی طرح مغلوں کی (تاتاری) زبان میں حن یا خن شکاری اور سردار کو کہتے ہیں۔ اور تور بادشاہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ لہذا تور کے خان بن یافث اور ہرنیہ کشیپو میں بھی کوئی مغائرت نہیں رہی؛

سوریہ اور کشیپو ایک شخص ہو جو دادا (یافث) ہو۔ اور ہرنیہ کشیپو یافث کا پسر ہے۔ سوریہ کی اولاد دیوتا اور ہرنیہ کی دیت کہلاتی ہے۔ جیساکہ آئندہ بیان سے معلوم ہوگا۔

سوریہ کے پسر یم یمی شجرۂ ہند سے ملتے ہیں ان کو یمونا بھی کہتے ہیں۔ اندر دیو راج، اور بامن دیو ادتی زوجۂ سوریہ، کشیپ کے بطن سے تھے۔ یم یمی اور سری ادو یو شنجھا کے بطن سے (اسکندہ۔ ادھیائے ۸ بھاگوت پران) یمونا کی اولاد کا شجرۂ ہند میں نشان نہیں۔ لیکن شجرۂ عرب میں تارخ کے پسر یومان (یمونا) کے بیٹے کا نام قطر دیا ہوا ہے جو ذوالقرنین (ہرس) بن روح کا دادا تھا۔

شجرہ ہند میں ادتی زوجہ کشیپ دکھلائی گئی ہے۔ جس کے بطن سے بامن دیو پیدا ہوئے جیساکہ بھاگوت پران اسکندہ ۸۔ ادھیائے ۸ اسے پیشتر مذکور ہوا۔ لیکن شجرہ میں سوریہ کے پسر کا نام بامن دیو ہے۔ (وامن دیو یا دیوس منو دیو اوتار مانے جاتے ہیں۔ لہذا بامن دیو ہی دیوس منو یا بوسوان ہے۔ بامنو یا بوسونو میں صرف سوا و سو کا

فرق ہو بمعنی میں کوئی فرق نہیں

اس بیان سے ثابت ہوگا کہ سوریہ۔ ویوس منو۔ وامن دیو اور کشیپ ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ نیز یہ بھی کہ ادتی ہی سنجنا بھی ہے۔

شجرہ میں سوریہ دکشیپ) کے پسروں میں شرادہ دیو کا نام بھی آتا ہے۔ جسکو ستیہ ورت۔ دیوسوت اور ہوتا بھی کہتے ہیں۔ ویوسوایت (سوریہ کا پسر) بموجب شجرہ اکشواکو کا باپ تہا۔ اور بموجب بھاگوت پران اسکند ۹۔ ادہیائے ادہ اکشواکو ویوس منو کا سب سے بڑا بیٹا تہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرادہ دیو منو ہی ویوس منو بھی تہا اندریں صورت کشیپ کو سوریہ۔ ویوسوت۔ ویوس منو۔ بوسوان۔ بامن دیو۔ ہوتا۔ شرادہ دیو (سری اور دیو) بھی کہتے ہیں۔ لیکن دیوسوت (یا دیوسوایت) حام کا پسر ہوا جسکا نام ایت یا اطلس ہو۔ توریت میں حام کے پسر کو کش ظاہر کیا ہے۔ وہ یافث کا داماد تھا۔ اور مدعی نبوت نیموگس یا نی کش کے متعلق عالم مسیحی پادری اسلے نے اپنی کتاب ددبابل میں مفصل کیفیت تحریر فرمائی ہے من یشاء فلیرجع الیھا۔

پس سوریہ کشیپ کا پسر اکشواکو تھا جس کے یک صد پسر ہوئے۔ کل اولاد کا ذکر شجرہ میں نہیں ملتا۔ البتہ ۱۵ بیٹوں کا حال سرسری طور سے بھاگوت پران میں مذکور ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵ اپسر بندھیاچل اور ہمالیہ پہاڑ کے درمیان پورب کیطرف آریہ ورت میں سمندر تک ایک ایک ملک کے راجہ ہوئے۔ اور ۵ بیٹے مغرب میں۔ اور تین بیٹے وسط جنوب اور راجہ کے سنگھاسن پر۔

تاریخ سے گوتم بدھ کے متعلق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اکشواک کی نسل سے تہا۔ اکشواکو کا ایک پسر کپل نے شہر کپل وستو بسایا۔ اور یہی کپل بدھ کا مورث اعلیٰ ہے۔ شجرۂ ہند میں کپلاشو کا نام ملتا ہے لیکن وہ اکشواکو کا پسر نہیں دکھلایا جاتا۔ بلکہ محض اس کی نسل میں۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ شجرہ میں اکشواکو کے بیٹوں کا نام بے ترتیبی سے درج ہوا جس کے باعث آیندہ نسلوں نے بیٹوں کو پوتے اور پروتے یا ان کی اولاد میں شمار کیا۔ جیسا آیندہ ظاہر ہوگا۔

راجہ اکشواکو کا پایہ تخت پٹالا تھا۔ جو وادی سندھ میں تھا۔ لہذا یہ کہنا درست ہوگا کہ اکشواکو پنچال دیش (پنجاب) کا راجہ تھا۔ اس نے بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ بیٹوں کو مفتوحہ ممالک کا گورنر بنا کر بھیجدیا اور تین بیٹے علاقہ مقبوضہ یعنی وسط ہند۔ دکن اور پنجاب میں رہے۔ ستیہ ورت جسکو وراڈ ادھی پتی کہتے ہیں اغلباً جنوبی ہند میں تھا۔

ہندوستان کی قدیم آبادی میں دو قوموں کا پتہ چلتا ہے۔ اول کول۔ دوم دراوڑ۔ لیکن تیسری قوم بھی اس وقت تک علاوہ ان دو اقوام کے اپنی ہستی کا پتہ دیتی ہو۔ وہ بالکل برہنہ اور وحشی قوم ناگا کہلاتی ہے۔ اور بھاگوت پران میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ ستیہ ورت بن اکشواک اسی قوم ناگا کا نواسہ ہے۔ اسکو ترشنکو بھی کہتے ہیں۔ سب سے پیشتر کول وسط ایشیا سے ہندوستان میں آئے۔ ممکن ہو انکی وجہ خانہ

جنگی ہو کیونکہ سوریہ کی اولاد کے دیوتاؤں اور ہرنیہ کشیپو کی نسل کے دیتوں میں جنگ عظیم ہونا بھاگوت پُران سے ثابت ہے راجہ بلی کا پاتال یا سطح مرتفع کے ممالک سے ہند کے میدانوں میں آنا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ کول اہلاد کی اولاد سے تھے۔

وسط ایشیا میں قزاقستان اسوقت موجود ہے۔ اس میں رہنے والے قزاق نسل کے لوگ ہیں تے زلکے" یا سکے شوکے" ایک ہی بات ہے جنوب کے ممالک میں ناگا نسلوں کی خوشحالی کے افسانے سنکر یا آپس کے نزاع سے تنگ آکر یا ہندی خاندانوں کی طلبی پر راجہ اکشواکو نے شمالی دروں سے نکلکر پنجاب پر حملہ کیا۔ اور اسپر قبضہ کر لیا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ شہر پٹالا اپنا پایہ تخت مقرر کر کے اپنے بیٹوں کی زیر کمان فوجیں روانہ کیں۔ اور اسی طرح تمام ہندوستان پر رفتہ رفتہ اسی کا سکہ رواں ہوگیا اصلی وطن راجہ اکشواک قزاقستان معلوم ہوتا ہے۔ اغلباً یہاں کے باشندے راجہ موصوف کی اولاد ہوں۔

کول اور ناگا مغلوب ہوئے۔ ناگا قوم ہندوستان میں آباد تھی۔ ان کا پایہ تخت قنوج تھا۔

اس موقع پر قابیل کا تذکرہ بعید از معنی نہ ہوگا

توریت کے مطابق قابیل اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد جنوب کیطرف نود ھایا (نود) کی زمین میں آبسا۔ اس کا پسر حنوک (عناق) بڑا شہزور اور جبار ہوا۔ جن یا خن شکاری کو کہتے ہیں۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے دھاتوں سے اوزار بنائے اور ان کے ذریعہ سے مخالفوں پر زبردستی اپنی حکومت کا جوا رکھا اسی نے اپنے نام پر شہر بسایا جسکو آجکل قنوج کہتے ہیں۔ خنوک (کھنوک)، یا قنوج تا حال اپنے بسانیوالے کی یاد دلاتا ہے۔ جب کول ہند میں داخل ہوئے تو اولاد قابیل حکمران تھی۔ وہ یا مغلوب ہوگئے یا اور کیسو جبرے قدیم باشندوں میں مل جل گئے۔ لیکن دوبارہ جب شمال سے آندھی اٹھی تو اس پایہ تخت قدیم کو بنیاد سے ہلا گئی۔۔ ہوا خواہ اور شاہی نسل کے لوگوں نے فرار پر قرار پکڑا۔ کول اور ناگا (قابیلی) جسطرف موقع ملا بھاگ گئے۔ ان فراریوں کی اولاد جو ناگا نسل سے تھے۔ ناگا پربت (برہما) میں تا حال موجود ہے۔

یہ دوبارہ حملہ کرنے والے دراوڑ نسل کے مورث اعلیٰ تھے۔ کیونکہ بموجب بھاگوت پُران ستیہ ورت بن اکشواک دراوڑ آدھی پتی (قوم دراوڑ کا مورث اعلیٰ) تھا۔ لیکن ستیہ ورت یا ترشنکو ناگا (قوم) کا نواسہ تھا۔ پس یا تو لڑائی میں قنوجی سردار کی لڑکی قید ہوکر آئی۔ اور پسند ہوکر داخل حرم اکشواک ہوئی۔ یا لڑکی کی شادی براجہ موصوف سے ٹھہرا کر قنوجی سردار نے اپنی جان بچالی۔ اس میں شک نہیں کہ ستیہ ورت دراوڑیا نر اوڑا (زر وڈوا) تھا"۔ اور قدیم زبان کا لفظ ہے۔ جو سرحدی علاقوں میں اب بھی مستعمل ہے قابیل اُدریا آتش پرست تھا۔ اس لئے اس نسل کی لڑکی سے جو لڑکا پیدا ہوا۔ وہ پسر زن آتش پرست کہلایا نر یا ژر و ژو ر بیٹے کو کہتے ہیں۔ پس ستیہ ورت ژر اُوڑ دا تھا۔ اور یہی اس کی اولاد کا نام ہوا۔ ژر اوڑیا

وراوڑ قوم کی یہ ابتدا ہے۔

اگر یہ اکشواکو ستیہ ورت کا پسر ہوتا وہ بھی وراوڑ کہلاتا۔ لیکن وہ اوتی کا پسر تھا۔ کہ نیمی (ننمہ) کا جو ستیہ ورت کی ماں تھی۔ اور اکشواکو کی زوجہ۔

راجہ اکشواکو کی ازدواج کی تعداد معلوم نہیں۔ نہ کل بیٹوں کے نام کا پتہ لگتا ہے۔ یکصد پسر کا ایک بیوی سے ہونا تو مشکل سے باور آسکتا ہے۔ نیمی (وڈوا) کا نام البتہ معلوم ہے۔ اکشواکو کے بیٹوں کا نام حسب ذیل ہے:

نرگا۔ سریاتی۔ وشٹر۔ دہرشٹر۔ کرس۔ نرشینت۔ برشدہر۔ نبھگ۔ کوی۔ سدہومن۔ وکوکش۔ وندھکاوی۔ پروبجی۔ جنک۔ اینا۔ اودابو۔ پرتھو۔ ندورون۔ واسوگیندہ۔ سکیت۔ چندر۔ دیورات۔ یوناشو۔ برہدرت شاوست۔ جہاریہ۔ شاوستی۔ سدہرتی۔ برہداشو۔ دہرشٹ کیتو۔ کولیاشو۔ ہرنیشو۔ ورڈاشو۔ کیپلاشو۔ بھدراشو۔ مرو۔ ہریاشو۔ پرتاپ نکنبھ۔ کرترتھ۔ واہولاشو۔ دیوستھا۔ کرشاشو۔ وشتو۔ سیناجیتو۔ جہادہرت یووناشو۔ کرتارتھو۔ ماندھاتا۔ جہارونا۔ پوروکنس۔ ابرکھ۔ موچکند جگی۔ سورزوما۔ ترسدرسیو۔ ہاریت۔ ہرسوروما۔ ہرشو۔ ترشنگ یاستیہ ورت۔ سردہوج۔ ورن جی۔ تری بندہن۔ ہرشچندر۔ رہتاشو۔ ہرت چھک۔ چمپا انگ۔ واسوادیو۔ بجے۔ بھروک۔ برک۔ باہک۔ سگر اسمنجس۔ انشومان۔ دلیپ۔ بھاگیرتھ۔ سرت۔ نابھ۔ سندھودیپ دایوتایو۔ رتوپورن۔ سردکام۔ سوداس۔ سداس یا کلماش پاد۔ اشمک مولک یا دشرتھ۔ ہرسرام۔ ایڈوڈی۔ وشوسہ۔ کھٹوانگ۔ دردباہو۔ رگھو۔ مہیشری آج۔

یہ صرف ۹۵ نام ہیں۔ ان میں چند نام دوبارہ اور سہ بارہ آئے ہیں۔ اغلباً یہ راوی کی غلطی ہے مثلاً یوناشو دو مرتبہ۔ ہریاشو تین مرتبہ اس طرح کل نام ۹۲ ہوتے ہیں۔ آٹھ بیٹوں کا نام معلوم نہیں۔ اگرچہ شجرۂ انساب میں صرف تین نام پسران اکشواک کے دئے ہوئے ہیں اور بقیہ اسماء اس کے بیٹوں کی اولاد کے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ لیکن واقعات تاریخی بتلاتے ہیں کہ راجہ جنک کی بیٹی سیتا کی شادی دشرتھ کے پسر رام سے ہوئی۔ رامچندرجی اکشواکو سے اٹھاونویں پشت میں ہوتے ہیں۔ اور سیتاجی تمیسویں پشت میں۔ اکشواکو کی نسل میں صرف ایک ہی جنک ہے۔ اس کی بیٹی سیتا نہیں۔ شجرہ میں سیتاجی کا پدر سردھوج ہے۔

یہ شادی اوسی صورت میں درست ہو سکتی ہے جبکہ دشرتھ اور جنک دونوں بھائی ہوں۔ نہ اسوقت کہ دونوں کے درمیان ۲۵ پشت کا فاصلہ ہو۔

اگر رام دشرتھ کا پسر ہے۔ اور سیتا جنک کی بیٹی تو یہ ضرور ہے کہ دونوں اکشواکو کے بیٹوں کی اولاد ہوں۔ علاوہ ازیں شجرہ میں نرگا کے پڑوتے واسو کی پڑوتی اوگھوا تی کی شادی سدرشن سے دکھائی گئی ہے جو رامچندرجی سے ستر ہویں پشت میں ہے۔ یعنی اکشواکو کے بھائی نرگا کی ساتویں پشت اکشواکو کی اکترویں پشت کی زوجہ تھی۔ یہ اور بھی محال عقلی ہے۔

صورت امکان یہی ہو سکتی ہے کہ نرگا اور دشرتھ بھائی ہوں۔

یہی صورت ریوتی دختر ریوت بن انارت بن سریاتی میں پیش آتی ہے۔ جو زوجہ بلدیو بن شیدیو یا باسدیو تھی۔ جو اشکواکو سے ستیسویں پشت میں تھا۔

توریت سے ظاہر ہے کہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کل آٹھ نفوس تھے جن میں سام کی عمر طوفان کے وقت سو سال تھی۔ حام و یافث کو محققین یورپ سام سے بڑا بتلاتے ہیں۔ بلکہ یافث کو حام سے بھی بڑا کہتے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق یہ خیال کرنا بجا ہوگا کہ یافث طوفان کے وقت کم از کم چار سو یا پانچسو سال کا ہوگا۔ اور صاحب عیال بھی بلکہ اس کا پہلوٹھا بھی طوفان کے وقت ۳۰۰ یا چار سو سال کا ہوا۔ اور اس پہلوٹھے کا پہلوٹھا ۲۰۰ سال سے کم عمر نہیں ہوسکتا۔ اگر ترک خان یافث کا پہلوٹھا ہو تو اسکا بڑا بیٹا جسکا نام ہرنیہ کشیپو ہے۔ طوفان کے وقت ۲۰۰ سال سے کم نہیں تھا۔ اور یافث کا داماد کش (ریوسوت یا سوریہ) بھی اسکے لگ بھگ ہی ہوگا۔

شاہنامہ کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ ضحاک مرداس تازی کا پسر تھا۔ اسکو بیوراسپ (دیکھزاری) بھی کہتے تھے۔ ضحاک نے بطلبی سرداران جمشید اور اس کی سلطنت کا خاتمہ کیا جو ۷۰۰ سال حاکم رہا۔ شاہنامہ کے مطابق اس کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

جمشید بن تہمورث بن ہوشنگ بن کیومرث۔

ہوشنگ یا ہوشوناگا بن کے یا کیومرثی تھا۔ ناگا عناق (حنوک) ہے جو قابیل کا پسر ہے۔ اسکا ایک پسر عوبید تھا۔ اور جمشید اسی کی اولاد سے تھا جسکو ہوشنگ یا عو پسر حنوک کہتے تھے۔ یہ حنوک وہی قنوج کا بسانیوالا تھا۔ جس کا نام اس شہر کے نام میں اسوقت تک اپنی قدامت کا پتہ دے رہا ہے۔ عوبید یا دانا عو وہی عوج ہے جو طوفان نوح علیہ السلام میں پایاب اترا۔ ہوشنگ ہی نے جبرًا آتش پرستی کو رواج دیا۔ اور آتشکدہ کی بنیاد قائم کی جشن چارستہ (ہولی) کی بنا ڈالی۔

اکشواکو کی نسبت معلوم ہے کہ وہ تمام ہند کا حاکم تھا۔ اس کا پایۂ تخت پٹالا تھا۔ اور جمشید کی نسبت معلوم ہے کہ وہ کچھ عرصہ کابل میں رہا۔ سپہبد کابل کی لڑکی سے شادی کی۔ اور کیانی دیا فانی نشان سے پہچانا گیا۔ کابل سے فرار ہوکر کشمیر پوشیدہ ہوا۔ اور گرفتار ہوا۔ اندریں صورت السداد و انفیذ کے لئے اکشواکن کا قنوج سے وادی سندھ میں اپنی راجدھانی تبدیل کرنا تخت ضروری تھا۔ یہیں یہ یقین کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا کہ جمشید کا پایۂ تخت قنوج تھا۔ اور فریدوں جس نے پھر ضحاک سے سلطنت چھینی۔ وہ سپہبد کابل کی لڑکی کی اولاد سے تھا۔ اغلبًا موجودہ آفریدی قوم اسی فریدوں کی یادگار ہے جس نے نہ صرف پنجاب فتح کیا بلکہ ترکستان اور کل وسط ایشیا کی اقوام کو جو ضحاک کے اقارب وجدی تھے۔ تہ و بالا کردیا اور اپنی سلطنت کا سکہ تمام ایشیا اور پنجاب میں چلایا۔

٭

بیان بالا سے مہاراجہ اکشواک کا زمانہ چار یا پانچ ہزار سال سے زیادہ نہیں ہوتا یوں اعتقاداً اگر کوئی ایک کو ہزار سمجھے۔ یہ اس کی مرضی۔ لیکن زمانے کی بحث کا مدار واقعات تاریخی پر منحصر ہے۔ اعتقادات کی بنا پر اس کی بحث نہیں ہوتی۔

نیز یہ بھی اسی بیان سے ظاہر ہوگا کہ خاندان "کیا" حام
کی نسل سے اور خاندان "کیان" قابیل کی نسل سے ہے
کیائی اور کیانی نیل جل سے دراوڑ قوم
ظہور میں آئی۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

❖ ❖ ❖

❖

نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم وآله الطیبین والطاهرین

دیباچہ

*

ہر گیاہے کہ از زمیں روید   وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

یہ دنیا بھی عجائبات کا گنجینہ ہے۔ ان پر غور کرنے سے ان کے صانع کے کمال کے جلوے نظر آتے ہیں۔ کہیں سبزہ زار ہے لالہ و گل کی قطار ہے۔ سرو و یاسمین کی بہار ہے تو دوسری جگہ بنجر ریگستان ریت کے ٹیلے یا ببول کے کانٹے اس عالم ہو کے نگہبان۔ ایک جگہ دن ہے۔ ہر طرف نور کی ضیا اور سفیدی کا راج نظر آتا ہے۔ دوسری جگہ رات کی سیاہی نے ہر شئی کو اپنے پردے میں ڈھانکا ہوا ہے۔ جدھر دیکھو وحشت برستی ہے۔ کالی کالی صورتیں بھوت کیطرح نظر پڑتی ہیں۔ الغرض جدھر نظر اٹھایئے مختلف مناظر قدرت نظر آتے ہیں جو اپنے وجود کی کسی صانع کا پتہ دیتے ہیں ایسے ایسے لاانتہا جلوے ہیں جو ایک قدیم لازوال کا سبق دیتے ہیں۔ ذرہ ذرہ اسکی صنعت کا معترف ہے ان مناظر قدرت کا احداث ایک قسم بہ ہستی پر دال ہے اور کسی بخشش دیکھتا ہونیکا مقرر۔ ذات ایسی قادر ذو الجلال ہے جس نے ایک لفظ کن سے اس تمام عالم کو کتم عدم سے خلعت شہود بخشا۔ اور پھر معرض شہود سے عالم وجود کی بنا ڈالی۔ بیشک وہ ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ نہ کوئی اس کا سہیم ہے۔ نہ عدیل۔ ہر ایک بلند اوس کے سامنے پست اور اسکے جاہ و جلال کا مقر۔ عقلیں اس کے ادراک سے قاصر۔ اوہام اس کی کنہ دریافت کرنے سے عاجز۔ زبان اس کی تعریف میں لال۔ یا ھو یا من ھو یا من لا یعلم این ھو وکیف ھو ومتی ھو الا ھو۔ فلك الحمد حمداً محموداً انت اهله حمداً دائماً ابداً۔

اپنی رحمت سے اس نے کل مخلوق کی ہدایت کی۔ تاکہ اس کی ضعیف مخلوق اس کی نافرمانی سے بچی اپنے خالق کو پہچانے اس کے قانون کی متابعت کرے اور اس کے غضب سے محفوظ رہے۔ سبقت رحمته علی غضبه۔ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی۔ اپنی اس رحمت کو اس نے اول خلعت شہود پہنایا اور پھر خلعت وجود سے ممتاز فرما کر اپنی مخلوق کی رہبری کے لئے بھیجا۔ تاکہ ان میں سے جو کوئی اس رحمت کے دامن سے وابستہ ہو وہ ہدایت پائے اور ابدی زندگی کا وارث ہو جس میں نہ سورج کی تپش کا خوف ہو۔ نہ سردی کے کڑاکے کا دھڑکا۔ لا یرون فیها شمساً ولا زمهریراً

ذات واجب الوجود نور کو نورانی کرنے والی ہستی تھی۔ لہٰذا وہ خود نور ہوئی۔ اور اس کی رحمت جو اول مخلوق تھی نورانی قرار پائی۔ دوسری مخلوقات کے لئے ہادی بنی۔ خود رحیم تھا۔ اس لئے اس کی رحمت یعنی اول مخلوق رحمت للعالمین ٹھری۔ آیۂ قرآنی وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ اور حدیث شریف اول ما خلق اللہ نوری اسپر شاہد ہے۔

ہر ایک حادث الوجود کے لئے عالم وجود میں فنا فی الوجود لابد ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ایک حادث وجود کے فاسد ہونے پر دوسرا حادث وجود اس کا قائمقام ہو جیسا کہ باپ کے بعد بیٹا یا بادشاہ کی غیبت میں اس کا نائب علیٰ ہذا القیاس۔ عالم شہود کا عالم وجود لیکن عالم شہود کا اثر قبول کرنے کے لئے مادہ قابلہ کی ضرورت ہے جو عالم وجود میں اس اثر سے متاثر ہو کر عالم شہود کا قائمقام ہو سکے۔ بنابر این ضرورت ہوئی کہ رحمت للعالمین کے عالم وجود میں آنے سے قبل اور عالم شہود کیطرف مراجعت کرنے کے بعد ایسے نفوس قدسی صفات دنیا میں موجود ہوں جو مابین خالق و مخلوق وسیلۂ ثانیہ ہو سکیں۔ اور وسیلۂ اول یعنی رحمۃ للعلمین کا اثر عالم شہود سے اخذ کر سکیں تاکہ مخلوق کی ہدایت کا باعث ہوں چنانچہ کلام پاک میں خداوند عالم اسی گروہ کا ذکر فرماتا ہے۔ وکذالک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علے الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (ترجمہ) اور ایسا ہی ہمنے تمکو امت وسط قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ اور رسول تم پر گواہ بنے گا۔

اندریں صورت یہ گروہ خدا و بندگان خدا کے مابین وسیلۂ ثانیہ ہوا

ہر ایک دربار کا قاعدہ ہے کہ اس میں کچھ مقربین ہوتے ہیں۔ کچھ امرا و وزرا۔ یہ کل سلسلہ جیسا ہوا ہوتا ہے حاکم اپنے لئے اپنی محکوم رعایا سے کچھ ایسے نفوس چھانٹ لیتا ہے جو نفیس ترین ہوتے ہیں۔ پھر ان کو یکے بعد دیگرے خود ہی مقرر کرتا ہے۔ رعایا کو اختیار نہیں ہوتا کہ دربار شاہی کے لئے۔ امرا و وزرا مقرر کرے یا مقربین کا انتخاب کرے۔ لہٰذا احکم الحاکمین نے بھی اپنی رحمت کی نیابت کے لئے کچھ نفوس انتخاب کئے ان کی محبت مودہ اور متابعت کل مخلوق پر فرض کر دی۔ اس نیابت کو مخلوق کے انتخاب پر نہ چھوڑا قرآن پاک اسپر شاہد ہے جیسا کہ خلیفہ اول حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی نسبت متواتر ذکر ہوتا ہے۔ نیز آیۂ محولہ بالا میں ایک گروہ کو مخاطب کر کے کل صنف آدم سے اس گروہ کے وجود پر نص کر دی۔ پھر اس گروہ ما بین سے انتخاب کر کے دو گروہ قرار دیئے۔ ایک کو عالم وجود میں اقربائے قریب گردانا۔ اور دوسرے کو اقربائے بعید۔ ذریۃ بعضہا من بعض جب اقربائے قریبی وجود میں آئے تو فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (ترجمہ) اے محمد تو کہدے کہ میں اس تبلیغ رسالت کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ لیکن اتنا کہ تم میرے عزیزوں سے دلی محبت رکھو۔ پس تمام امت اس مخصوص جماعت سے خارج ہو گئی۔ تاہم معاملہ مبہم ہی رہا کیونکہ ابولہب بھی اقربائے رسول میں شرکت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور غیرت الٰہی ازائد

اپنے انتخاب کو مبہم نہیں چھوڑتی۔ بلکہ ایسا واضح اور صاف بنا دیتی ہے کہ آنکھیں بند کئے بلا خوف و خطر راہ پر چلے۔ کیا ممکن کہ راہ بیراہ ہو جائے۔ لہذا اقربائے رسول کو گنتی کے چند نفوس میں محدود کرنے کے لئے لاینال عھدی الظلمین کی شرط لگا دی۔ اور نیابت رحمۃ للعلمین اقربائے رسول سے ان نفوس میں محدود ہو گئی جو ظالم نہ ہوں۔ بقیہ گروہ اس سے خارج ہو گیا۔

اب اس صفت ظلم کے سمجھنے کی ضرورت ہوئی۔ تاکہ جس میں یہ صفت نہ ہو عہد الٰہی کا حامل سمجھا جائے ورنہ ہزارہا مدعین میں سے کس کو حق پر کہا جائے اور کس کو حق کے خلاف۔

ظالم وہی نہیں ہوتا جو کسی دوسرے نفس کو بلا قصور ستائے۔ بلکہ ظالم وہ ہے جو کسی شے کو اس کے مقام مخصوص سے گھٹائے یا بڑھائے۔ مثلاً زید فاجر و فاسق ہے۔ بکر زاہد و عابد ہے۔ اب اگر عمر یا خالد زید کو زاہد متقی و عبادت گذار بتلائے اور بکر کو اس کے برعکس۔ تو یہ ظلم ہے لیکن اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ زید زاہد و متقی اور بکر فاسق و فاجر بنجائے۔ لہذا عمر یا خالد کا خلاف واقعہ بیان کرنا ظلم تو ضرور ہے لیکن ظلم عظیم نہیں ہاں اگر وہ زید کو ایسے اوصاف سے متصف کرتے جسکو انسان حاصل نہیں کر سکتا بلکہ وہ صرف ذات الٰہی کے شان شایاں ہوں تو یہ ظلم عظیم کہلائیگا۔ کیونکہ اس میں عبودیت سے تجاوز کرکے زید کو معبود کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔ لہذا یہ شرک ہے۔ اور شرک ظلم عظیم ہے۔ پس ہر ایک قسم کا گناہ ایک نوع ظلم ہے یعنی معمولی ظلم ہے یا درمیانی درجہ کا۔ یا عظیم۔ لیکن سب ظلم ہی کہلائینگے

لاینال عھدی الظلمین فرما کر خداوند عالم نے نیابت رحمۃ للعلمین کو ایسے گروہ میں مخصوص کر دیا جو صفت ظلم سے قطعاً بری ہوں۔ پس نائبان رحمۃ للعلمین خلیفہ اول حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خلیفۂ آخر حضرت قائم علیہ السلام تک سلسلۂ معصومین علیہم السلام ہے جسکو کلام پاک میں شجرۂ طیبہ کے لقب سے ممتاز کیا گیا ہے۔ انبیاء کی عصمت تو عقلاً ضروری ہے لیکن ختم نبوت کے بعد اس کا دعویٰ تسلیم کرنا سخت مشکل تھا۔ اس لئے خداوند عالم نے گروہ مخصوص کی عصمت پر خود ہی مہر لگا دی اور ان اقربائے رسول کو اہلبیت رسول میں محدود کر دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔ (ترجمہ) اے اہلبیت رسول خدا ارادہ کرتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دے۔ اور ایسا پاک کرے جو پاک کرنے کا حق ہے۔

اندریں صورت وہ گھرانہ جو نیابت رحمۃ للعلمین کے لئے منتخب ہوا۔ یہ رسول کا گھرانہ تھا۔ اور اسی سے صرف وہ نفوس طیب انتخاب میں آئے جنکو رسول اللہ صلعم نے اپنی کملی میں لیکر اسوقت محدود کر دیا باقی کل موجودہ اقربائے و اہلخانۂ رسول اس گروہ نائبین رحمۃ للعلمین سے خارج ہو گئے۔

یہ عطیۂ الٰہی ہے جسکو جس قابل دیکھا عطا کیا۔ ان اللہ یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ یہ خدا کی منشا پر منحصر ہے جسکو چاہے پیدا کرے۔ اور جسکو چاہے اپنے لئے وقف کر لیوے۔ مخلوق کو یہ

اختیار نہیں ملائکہ وہ منتخب کرے۔ خدا کے لئے کسی کو وقف کر دیں ۔ ؎ رموز مملکت خویش شاہ میداند
پس نیابت رحمۃ للعلمین عہدہ منصوص ہوا شوری مخلوق کو اس میں دخل نہیں ہو سکتا۔ خواہ ملائکہ ہوں
یا انسان ضعیف البنیان۔ خلافت قبل از وجود فی الارض رحمۃ للعلمین ہو یا بعد از انتقال از عالم وجود
ہر دو صورت میں نیابت عالم شہود ہوگی جیسے قبل از وجود تقرر خلیفہ بحکم خدا ہوا اور شوری ملائکہ نا
منظور ہوا اسی طرح بعد انتقال رحمۃ للعلمین از عالم وجود بھی تقرر خلیفہ شوری سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انی
جاعلٌ فی الارض خلیفہ کے ماتحت جسکا انتخاب خدا کرے وہی خلیفہ ہوگا۔ اور لا ینال عہدی الظلمین
کی شرط کو پورا کرے گا

اس لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بتلایا۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب
اللہ و عترتی اھل بیتی فما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی فانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض
(ترجمہ) میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب الہٰی اور اپنی اہل بیت
عترت (ذریت) پس اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ
یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب اس سے یہی تھا کہ قرآن کی تاویل تشریح معانی و
مفہوم منطوق و مطلوب تم کو میری اہل بیت سے لینا چاہئے جنکو یہ علوم حاصل ہیں۔ ان سے دریافت کرو ہدایت
پاؤ گے۔ حکم خدا بھی یہی ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (ترجمہ) اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو ذکر
کے اہل (اہل بیت یا آل محمد) سے دریافت کرو۔ چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
بعد کے معلم اپنے نائب کا نام و نشان بتلایا۔ اور فرمایا۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن اراد العلم
فلیات الی الباب۔ پس جس علم کے رسول مقبول شہر ہیں اس کا دروازہ علیؑ ہیں جو اس شہر میں داخل
ہونا چاہے وہ علیؑ کے پاس آئے۔ دوسرا کوئی دروازہ ایسا نہیں جو اس شہر میں پہونچائے۔ اگر علیؑ
کے سوا کوئی دوسرا دروازہ بھی ہو تو قول رسولؐ (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔ ورنہ اس قول نے علی کے در
کے سوائے اور سب دروازہ بند کر دئے ہیں۔ لہذا علی اول امت وصی یا وسیلہ ثانیہ اولی (بعد از
رحلت رسول اللہ) مابین خالق و مخلوق قرار پائے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام خلیفہ اول و وسیلہ
ثانیہ اولی قبل از ولادت رحمۃ للعلمین قرار پائے۔ یہ ہے خلافت مطلقہ الہیہ جسکو نیابت رحمۃ للعلمین کہتے ہیں
دنیاوی اقتدار یا وجاہت کو اس سے کیا نسبت ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

خیر خدا نے ہدایت خلق میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اپنی مخصوص مخلوق کی نیابت کا پورے زور
و شور سے اعلان کیا۔ ایک طریقہ سے نہیں بلکہ متعدد پہلو سے لیکن یہ حضرت انسان ایک ایسی ہستی نکلی
کہ یہی رٹ لگا رہی ہے "اجی سب کچھ صحیح لیکن مرغ کی ایک ٹانگ ہے" جو خدا کہے درست۔ جو رسول کہے

برحق۔ لیکن خلیفۂ رسول وہی ہوگا جس پر اجماع واقع ہو جائے۔ اللہ! اللہ!! اور دیکھئے۔ بعض نے اس پر بھی ترقی کی۔ اور وجود رحمۃ للعلمین کی منکر ہو گئیں۔ بعض نے ایک قدم اور بڑھایا۔ واجب الوجود کی ہستی سے انکار کر دیا۔ نہ خدا ہوگا نہ شریعت کی پابندی عائد ہوگی۔ غور سے دیکھا جائے۔ تو ایسے منکرین کو مبہوت کرنے کے لئے ہی ہادیان خلق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں سے وقتاً فوقتاً ایسے معجزات اور خرق عادات ظاہر ہوتے ہیں کہ جس سے منکرین کو آخر کار اقرار حقانیت کرتے ہی بنتی ہے۔ یہ معجزات اسوقت تک باقی رہتے ہیں جب تک اوصیائے نبی مذکور باقی ہیں اور اس کے بعد غائب۔ مثلاً ید بیضائے موسیٰؑ عصائے موسیٰؑ۔ احیائے اموات عیسٰے علیہ السلام ان کی امت سے مفقود ہیں۔ اگرچہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں نفوس ان کی متابعت کے مدعی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ بقائے معجزہ وجود فی الارض معجز نما یا وصی معجز نما کو چاہتا ہے۔ نہ وہ موجود ہیں نہ معجزہ ان کی امت میں باقی ہے۔

قرآن شریف من حیث التنزیل وتاویل فصاحت و بلاغت تعلیم و تدوین معجزہ ہے معجزہ اسکو کہتے ہیں جس کے مثل و مانند پر عوام الناس فرداً و اجتماعاً قادر نہ ہوں۔ پس معجزہ صداقت معجز نما پر زبردست علامت اور الٰہی شہادت ہے۔ قرآن بحیثیت معجزہ اپنے دعوئے اعجاز میں اور اپنی بقا میں معجز نما یا وصی معجز نما کا محتاج ہوگا۔ کیونکہ قاعدۂ مقررۂ مستمرہ یہی ہے۔ لیکن وصی رسول وہی ہے جسکو بحکم خدا خود رسول تقرر کرکے اعلان کرے۔ ورنہ وہ رسول کا نمائندہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ان لوگوں کا نمائندہ ہوگا جنھوں نے اسکو چنا پس رسول کا نمائندہ داعی الی الحق ہے۔ بلکہ مجسم حق ہے جیسا کہ فرمان رسول الحق مع علی و علی مع الحق والحق یدور معہ حیثما دار۔ (ترجمہ حق علی کیساتھ اور علی حق کیساتھ ہے بلکہ حق اسیطرف گھومتا ہے جسطرف علی گھومتا ہے) سے ثابت ہوتا ہے۔ بنا بریں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اعجاز قرآن کا حامل۔ اس دنیا میں ذریت رسول سے ضرور موجود رہا۔ اور موجود فی زمانہ ہے۔ ورنہ بصورت دیگر معجزہ قاعدہ مستمرہ کے مطابق عرصہ سے مفقود ہو گیا ہوتا۔

ایک دوسرا معجزہ بھی ہے جس کا ذکر کلام پاک میں ان الفاظ میں موجود ہے۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ جب وقت مقررہ آیا۔ چاند پھٹ گیا۔ تحقیقات زمانۂ حال سے ظاہر ہے کہ چاند زمین کیطرح کا ایک سیارہ ہے جس میں پہاڑ دریا جنگل بیابان حرارت یبوست وغیرہ سب ہی ہونے ضروری ہیں جیسا کہ زمین میں ہیں۔ لیکن جسوقت چاند کے دو ٹکڑے ہوئے حرارت لامحالہ زائل ہو گئی اور برودت اس کی جگہ آ گئی۔ جسکا خاصہ قطع نسل ہے۔ لہذا موجودات قمر سب منجمد ہو گئی ہوں گی۔ اور آثار فنا ہر طرف ظاہر۔ تو زمانۂ حال کی تحقیق کے بموجب چاند میں آبادی نہیں نہ وہ اسباب جو ضامن حیات کا ملہ ہے۔ مثلاً ہوا پانی وغیرہ لیکن آثار اس قسم کے موجود ہیں جن سے ان ذرائع معیشت کا کسی گذشتہ زمانہ میں موجود ہونا پایا جاتا ہے جس سے چاند کے ٹکڑے ہونے کا دعویٰ ثابت ہے۔ ان دو ٹکڑوں کا بعد

از قفل اسقدر عرصہ سے ایک دوسرے کے ساتھ چپاں رہنا اور حرکت دوری کے اثر سے علیحدہ علیحدہ نہ ہونا۔ وجود معجز نما یا وصی معجز نما کی زبردست دلیل ہو۔

ہدایت کے دو طریقہ ہو سکتے ہیں۔ تقریری و تحریری۔ اول الذکر کچھ عرصہ کے لئے کارآمد ہوتی ہے۔ پھر امتداد زمانہ کے باعث نسیان کا شکار ہو جاتی ہو۔ یا قصۂ پارینہ سمجھکر اس کے منطوق ومفہوم میں شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کا اصلیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی روک تھام کے لئے تحریری طریقہ تعلیم کی ضرورت ہوئی کیونکہ اس کا اثر دیرپا اور وسیع ہو۔ لیکن یہ جدت پسند طبائع انسانی بھی خاموش رہنے والی نہیں۔ اختراع کا بازار چمکا۔ اصلی تعلیم و معانی علم کے خلاف عجیب وغریب معانی نئی نئی تاویلیں ہونے لگیں۔ یہانتک کہ اصلی تعلیم عنقا ہو جاتی ہے۔ اور اختراعی تعلیم تخت ہدایت کی مالکہ بنجاتی ہو۔ اور پھر اس کا سکہ ایسا رائج ہوتا ہے کہ اصلی تعلیم کا نشان بھی نہیں رہتا یہی وجہ ہو کہ زمانہ موجودہ میں باوجود کوشش بلیغ اصلی نسخہ جات اسفار انبیا یا اُن اسفار کی مصدقہ نقلیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ اب جو کچھ میسر ہے وہ گذشتہ قصہ کہانیوں ضرب الامثال کہاوتوں کی صورت میں۔ یا ایسے رموز میں جن کو تغیر و تبدل کرنا بے سود سمجھا گیا۔ کیونکہ ان کا سمجھنا خود ہی چیستاں کا ہم معنی تھا۔

بڑی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کے بعد محققین اس امر پر متفق ہوئے ہیں کہ موجودہ رسم الخطوط کسی قدیم طریق تحریر کی ترمیم شدہ شکلیں ہیں۔ مثلاً خط نسخی۔ خط سرود وغیرہ۔ اور یہ قدیم طریقہ تحریر قدیم ترین خط نسخ کے مرہون منت ہیں۔ جس کو فی زمانہ خط تصاویر (ہیروگراف) کہتے ہیں۔ مثلاً مکان سے مکین مراد لینا۔ خوشہ چین سے کاشتکار۔ گھوڑے سوار سے سردار۔ اگر ترکش لگائے ہوئے ہو اور کمان ہاتھ میں لئے ہوئے۔ تو خان" یا سردار فوج زرہ پوش بیل سے پہلوان جنگجو۔ اگر پر پرواز بھی رکھتا ہو تو پہلوانوں کا سردار۔ شیر ستر اد اگر تاج سر پر ہو تو شاہنشاہ۔ شاخ درخت سے اولاد یا نسل۔ غرضیکہ مطلب کو کسی طریقے سے ذہن نشین کرانا مدنظر ..... ہوتا تھا۔ یہ طریقہ کسی خاص زبان کی ملکیت نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک زبان میں اس کا ترجمہ اس کے رواج کے مطابق ہم معنی ہی ہوگا۔ البتہ مترجمین کے مذاق واستعداد کے مطابق کم و بیش تغیر ضرور آجائیگا۔ مثلاً چینی طریقہ تحریر کل علاقہ چین ماچین تبت و تاتار جاپان وجزائر میں رائج ہے لیکن زبان ہر ایک جگہ کی مختلف ہو۔ ایک چینی اپنی زبان میں کسی جاپانی یا تبتی کو خط لکھتا ہے جو چینی زبان سے نا واقف ہو۔ یہ مکتوب الیہ اس خط کو اپنی زبان میں پڑھتا ہے۔ اور چینی کاتب کا مطلب حل ہو جاتا ہے۔ زمانہ کی رفتار اور بعد ممالک جدت پسند طبائع اختراعات پسند انسان اپنی سہولیت کی تجویزیں سوچتا رہتا ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ مختلف ممالک میں علما نے پرانے خط نسخ میں ترمیمیں شروع کیں۔ جو اپنی نوعیت میں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ زمانہ

گذرتا گیا۔ اور یہ شکلیں بھی بدلتی گئیں۔ یہاں تک کہ زمانہ موجودہ کے رسم الخط وجود میں آ گئے۔ اس طرح سے فاصلہ کے ساتھ زبان اور رسم الخط بدلتے بدلتے اتنی زبانیں اور رسم الخط دنیا میں پھیل گئے۔ اور پھیلتے جاتے ہیں۔ بابل قدیم کے برآمد شدہ کتبے اس بیان کے موید ہیں

اہرام مصر خصوصاً مینار اعظم کی نسبت بھی یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی اسی ابتدائی قسم کی طرز تحریر میں کسی قدیم زمانے کی نبی کی پیشگوئی ہے۔ یہ خیال یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے جبکہ ہم امام ضامن ثامن حضرت علیؑ ابن موسیٰ الرضا علیہم وعلی آبائہم الآف التحیۃ والثنا کے اس ارشاد پر غور کرتے ہیں۔ جو آنحضرت نے بجواب مامون عباسی فرمایا تھا۔ کہ "یہ مینار خزانہ امام ہے"۔ خزانہ امام دولت دنیاوی نہیں ہوتی بلکہ علم ان کی دولت ہے۔ جو میراث انبیا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ یہ مینار کسی قدیم زمانہ کے نبی یا وصی نبی کی یادگار ہے بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ اب صرف یہ معلوم کرنا رہ گیا کہ آخر یہ کس نبی کی یادگار ہو سکتی ہے؟ روایات اس امر کی موید ہیں کہ تحریر کی ابتدا حضرت اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ آنحضرت طوفان سے پیشتر کی دنیا کے آخری نبی ہیں۔ اگر ہم حضرت نوح علیہ السلام کو دنیائے موجودہ میں شمار کریں۔ اس وقت ہر ایک فن اپنے انتہائی عروج پر تھا۔ لہذا آثار نبوت کو اس طریق سے آیندہ کے لئے یادگار رکھنا مدنظر تھا کہ جدت پسند انسان کی دست برد سے محفوظ رہے۔ اور ایک خاص مدت تک محفوظ رہکر اپنے وقت مقررہ پر رفتہ رفتہ آثار و علوم گذشتہ مخلوقات الٰہی پر منکشف کرے۔ راز نجات عالم یعنی نبوت آخری کا ثبوت اپنی غیر محو ہونیوالی تحریر میں پیش کرے اور شہادت دے کہ ستارہ جو ذبیح کی نسل سے اس قدر عرصہ ابتدائے ولادت آدم ثانی علیہ السلام سے (۲۲۷ ۳۴ برس) گذر جانے پر ظاہر ہوگا۔ نہ کہ وہ جو اسی ابتدا سے ۱۹۳۴ برس گذر جانے پر اپنا زمانہ ختم کرتا ہے۔ نیز یہ ظاہر کرنا کہ الفاظ ستارے خمسہ متحیرہ کا ایک وقت میں ہونا مراد ہے ورس کی ابتدا بھی حضرت ادریس علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اور علم نجوم بھی۔ نجوم کے لئے علم مساحت و علم ہندسہ و علم الاشکال ضروری ہے مینار مذکور میں کل علمی نکات موجود ہیں۔ آثار و علامات علوم ایک خاص طرز تحریر میں روشن نظر آتے ہیں۔ لہذا انکو آنحضرت علیہ السلام سے منسوب سمجھنا قرین عقل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مینار آنحضرت کے آثار و نبوت اپنے سینہ میں لئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ کلام امام علیہ السلام سے اس کا پیشگوئی ہونا ہویدا ہے۔

اہرام مصر سے صرف وہ مینار جزع مراد لئے جاتے ہیں۔ ان کے اندر ذیل کے خاکہ کیطرح راستے اور مکان بنے ہوئے ہیں۔ اگر راستہ سے سلسلہ اور مکان سے گھرانہ یا خانوادہ مراد لیا جائے جیساکہ اصول تحریر تصاویری ہے تو اس سے یہ امر ذہن نشین ہو جائیگا کہ سلسلہ ہدایت ایک گھرانہ میں محدود تھا ایک خاص زمانہ میں اس گھرانہ کے دو شخص ہوئے۔ اور دونوں ہی منصب ہدایت پر فائز

ہوئے۔ اب وہی سلسلہ ہدایت اس گھرانہ کی دونوں شاخوں میں جاری ہوا۔ ایک سلسلۂ شاخ کی ہدایت کا وجود صرف اس امر پر مامور رہا کہ مخلوق الہی کو صراط مستقیم سے گذرنے نہ دے اور حتی الوسع سطح کے ہمراہ رکھے۔ انکو اصطلاح میں کمال نفس کہتے ہیں۔ دوسری شاخ اس امر پر مامور ہوئی کہ مخلوق الہی کی درجۂ کمال نفس سے ترقی کرکے معراج نفس کے مدارج عالیہ پر فائز ہونے پر رہبری کرے مینار دوم میں محض سلسلۂ ہدایت کی اصل و فروع اور فروعات کی ہدایت کی غایت دکھلانی مقصود تھی۔ اور مینار اول میں ان کی تعلیمی و تبلیغی زندگی کا زمانہ دکھلانا مدنظر تھا۔ پس یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ مینار دوم مینار اول کے خاکے کی کلید ہو۔
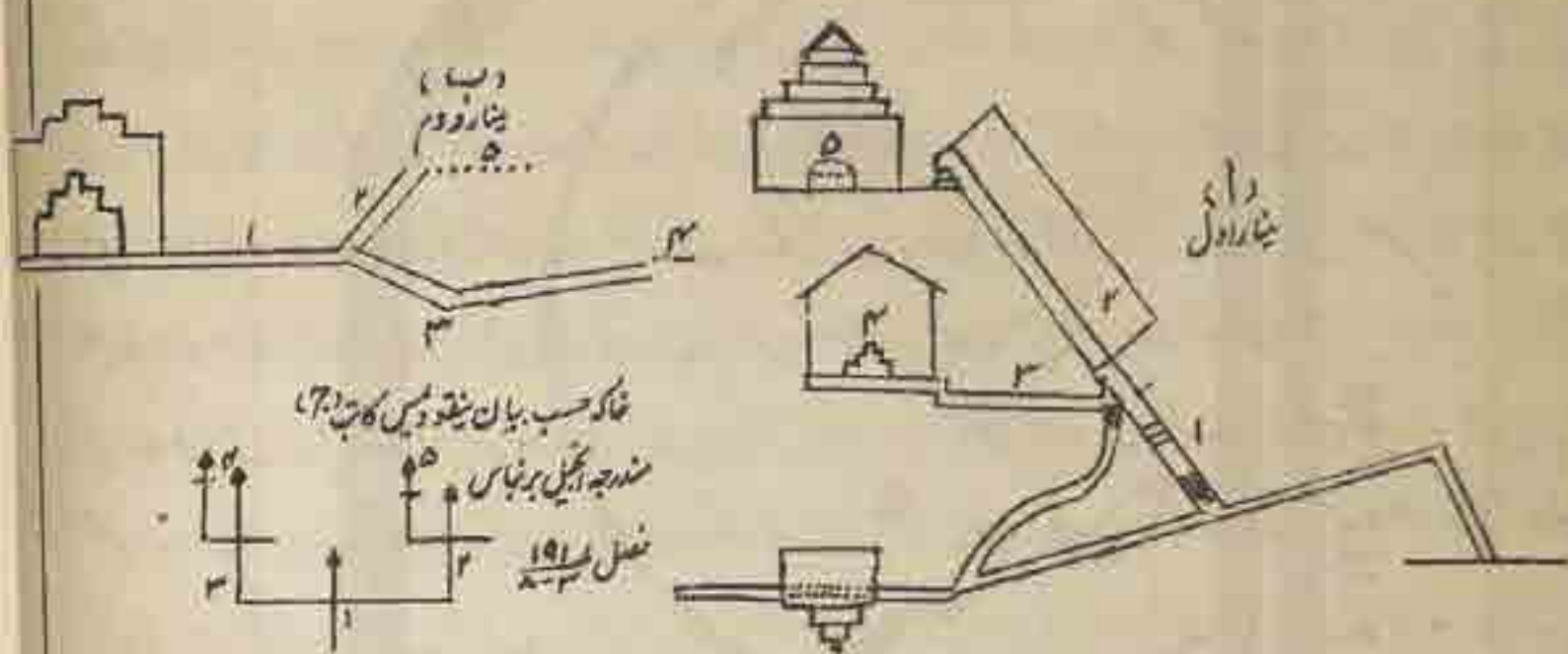
مینار ہائے مذکور میں خاکہ ہائے مندرجہ (۱)، (ب)، کے مطابق چونے پتھر کی نہ مٹنے والی تحریر میں وہ تفصیل موجود ہے جس کے مختلف زمانوں کی تشریح کی کوشش ان اوراق میں کی گئی ہے۔ یہ عرض کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس خاکہ کی تائید کتاب ناموس (خروج ۲۳) سے بھی ہوتی ہے۔ من یشاء فلیرجع الیھا

ان خاکوں سے زمانوں کی تشریح کرنے سے پیشتر یہ ظاہر کردینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مینار ہائے مذکور کے علمی خزانوں پر حضرت انسان کو کب دسترس ہوئی؟ اور اسقدر عرصہ تک ان کا کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہنا کیا مصلحت ہوسکتی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اٹھارہویں صدی عیسوی تاریخی اعتبار سے عام آزادی مذاہب کا زمانہ تھا۔ اس سے پیشتر کی اندھا دھند تقلید سے پناہ بخدا۔ ذرا کسی کی زبان سے تعلیم علماء کے خلاف کوئی حرف نکلا اور کفر کے فتوی نے بیچارے کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کردیا۔ ایسے تاریک زمانہ میں علم فلسفۂ ہیئت، مساحت وغیرہ کے رموز کا کسی عمارت کی پیمائش و دیگر علامات سے انکشاف کرنا متعصب علماء کے ہاتھ میں اپنی جان ڈالدینا تھا

اور اس علمی خزانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا بھی اول لوگوں کو کچھ بعید نہ تھا۔ سب سے پہلے مامون رشید عباسی نے خزانہ حاصل کرنے کی طمع میں اس مینار کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ نقب لگایا گیا۔ اور راستہ کھلنے پر اندر پہونچے۔ لیکن جس خزانہ کی اس کو تلاش تھی وہ یہاں موجود نہ تھا۔ اس لئے مزید تحقیقات کا سلسلہ تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال تک بند رہا۔ یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں علمائے یورپ نے کلیسائے کا زبردست جوا اپنی گردن سے اوتار پھینکا۔ اور بلا خوف تکفیر ہر ایک آزادانہ اپنی رائے کا اعلان کرنے لگا۔ علم کی روشنی میں تحقیقات کی چاشنی نے قند مکرر کا لطف پیدا کیا جہالت و تنگ نظری کی جگہ علم و وسیع النظری نے اپنے قدم جمائے اسی دور آزادی میں ان سربمہر عمارات کی چھان بین شروع ہوئی۔ علما نے ان کی ساخت کیوجہ اور غایت دریافت کرنے میں سعی بلیغ کی۔ ان کی محنت کے ثمرے ہم بھی فائدہ اٹھانے کے قابل ہو گئے۔

یہ دونوں عمارتیں مینارہائے جزع کہلاتی ہیں۔ ایک بڑی عمارت ہے دوسری چھوٹی۔ لیکن چھوٹی عمارت سرسری نظر سے دیکھنے والے کو بڑی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ سطحی نظر سے دیکھنے والے حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری پہلی کی نسبت بلند مقام پر بنی ہوئی ہے، جیسا کہ مسیح علیہ السلام سارہ کی اولاد سے تھے جو انبیا کی نسل سے تھیں۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہاجرہ کی اولاد سے جو قبطی نسل سے اور حام کی اولاد تھیں یہ دونوں زمینوں کا سطحی فرق ہے۔ عمارت کو اس فرق سے نہ فائدہ ہو سکتا ہے نہ نقصان) مینار اول میں خاکہ منارجہ (ا) کے مطابق مکانیت ہے اور مینار دوم میں خاکہ (ب) کے مطابق۔ دوسری صورت پہلی صورت کی کلید معلوم ہوتی ہے تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ مصر میں تقریباً ۷۰ میناروں میں صرف یہی دو مینار ایسے ہیں جن میں قبروں کا کوئی نشان نہیں۔ دوسرے میناروں میں ہزاروں کاسہ سر دستیاب ہوئے۔ بعض محققین علمائے یورپ نے ان میناروں کی نسبت بڑی ضخیم تصانیف شائع کی ہیں ان تصانیف سے ایک مختصر سا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ جو خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اسی بیان سے یہ معلوم ہوگا کہ انسانی طبائع نے اپنی جولانی کس کس صورت میں دکھلائی۔

نوٹ۔ بیان متذکرۂ بالا میں ایک لفظ "قبطی" آیا جو تشریح طلب ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبطی اور ہندی نسلیں اگر کل نہیں تو بعض ایک ہی ہیں۔ یہ قدیم زمانہ کا لفظ ہے جو "قا" "بیت" اور یائے نسبتی سے مرکب ہے "قا" یا "کے" "کش بن حام کا نام ہے جسکو قاموت بھی کہتے ہیں۔ یہ شخص بڑا ماہر علم موسیقی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سروں اور نغموں کی ایجاد اس کی ذات سے وابستہ نظر آتی ہے۔ جیسا کہ الفاظ سرگم نغمہ گیت وغیرہ میں اس کا نام شامل ہونا ظاہر کرتا ہے۔ سرگم گیمہ کی الاپ نانے غیمہ (نغمہ) غیمہ کی آواز میں گیمہ یا گیم یا غیمہ لفظ قاموت کی دوسری شکل ہے۔ خود قاموت بھی مرکب لفظ ہے جو اصل میں قاس موت تھا عربی

قایا کے ہورت یا ہورث (سورج) کا بیٹا۔ عربی زبان میں کثرت استعمال کے اس کا قاموت بنگیا
ہوت یعنی سورج "عالم لاہوتی" میں اب تک موجود ہے۔ اس کے مراد وہ زمانہ ہے جس میں سورج موجود
نہ تھا۔ اسی طرح عالم ملکوتی سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں صرف فرشتے ہی تھے۔ اور عالم ناسوتی وہ
زمانہ ہوا جس میں حضرت انسان نے (ناس) یا نسناس وخناس (یعنی جان) نے ظہور کیا۔
یہی قبط ہندی زبان میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ قدیم شاعر و گویئے کبت کہلاتے تھے۔ کے
بیت یا قابیت ملتے جلتے ہم معنی الفاظ ہیں۔ اور قبطی یا کبیت شاعر کا خطاب ہے۔ جو قاموت کے فن
میں مہارت رکھتا ہے۔ ۱) حام کا نام اطلس ہے۔

ترجمہ از کتاب پیرامڈیے سیجز جلد اول (

مینار مصر کی اصلیت بنائے مینار کا مقصد اور عام تذکرے

دنیا کی سات بڑے عجائبات میں مصر کے مینار بھی شامل ہیں۔ بلکہ ان سب کے سرتاج۔ بدیں وجہ
کہ یہ قدیم ترین اور بہت ہی بڑی عمارت ہے۔ اس کو ہر ایک پہلو سے عجیب ترین تسلیم کیا گیا ہے علمی
کے لحاظ سے تو یہ بے نظیر ہے۔ کیونکہ منجملہ سات کے ایک یہی پرانی عمارت باقی رہگئی ہے۔ جو اکتالیس
صدیوں سے خاموشی کے ساتھ دریائے نیل کے دہانہ پہ پہرہ دے رہی ہے۔

(نوٹ) محققین یورپ کے نزدیک اس عمارت کی عمر ۱۴ صدیاں ہوتی ہیں۔ جو کسی طرح قابل قبول
نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ طوفان کے بعد زمین پر انسانی آبادی کے پھیلنے کے لئے ایک عرصہ دراز کی ضرورت
ہے۔ اور کم از کم ۵۰۰ یا ۶۰۰ برس تک صرف مصر میں اسقدر آبادی ہونی قرین عقل نہیں جو تعمیر مینار کلاں
کے لئے کافی ہو سکے۔ نہ اس ابتدائی زمانہ میں ایسی مشینری کا پتہ چلتا ہے جو میناری کو ہزاروں شہتیروں کو
ان کے مقام مطلوب تک پہونچا سکے جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا۔ پس یہ بہت ممکن ہے کہ دوسرے مینار
کی عمر اسقدر ہو جسقدر کہ مذکور ہوئی۔ اور طوفان کا نشان مینار اول میں ملنا تعجب خیز نہیں جبکہ ہم اس کو
آئندہ واقعات کی پیشگوئی فرض کر چکے تو اس کی تعمیر کے بعد میں ہونے والے کل واقعات اس میں
موجود ملیں گے۔

علاوہ ازیں اسی قسم کے مینار جنوبی امریکہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن آبادی کے لحاظ سے
ان کا اس ملک میں تیار ہونا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ الا یہ سمجھنا کہ کسی زمانہ میں امریکہ بھی پرانی دنیا

---

۵ موسیقی کی اصلی کتابی صورت موشقی ہوتی ہو جو ہوتی سے مرکب ہو ہے یعنی ابن ہوتی یعنی ہورس یا حورجس کی کتابت خوربھی ہے حور
یا خور سورج کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اتھیاپ یعنی سیاہ نام ہو جو حام کا لقب ہو اس لئے اسکو ایتھیپ اور ملک حبش کو ایتھیوپیا کہتے ہیں۔
قی کش کا نام ہے جس کی دوسری کتابت قا اور کے ہے۔ ۱۲

کیساتھ پیوست تہا کسیقدر اس کو ممکن بنا دیتا ہے۔ تحقیقات حال کے مطابق تو یہ خیال درست ہے کیونکہ
امریکہ کا مقررہ رفتار سے مغرب کیطرف چلنا بیان کیا جاتا ہے۔ اب اگر اسی مقررہ رفتار سے اس کو
مشرق کیطرف کھینچیں۔ تو غالبًا ۴۵۰۰ برس میں یہ اپنے قدیم مقام پر آجائے گی خلیج فارس بحر قلزم
وغیرہ عرب اور افریقہ کے مشرقی جانب حرکت کرنے سے غائب ہو جائیں گے۔ بلکہ افریقہ خود گھوم کر
ہندوستان سے اس طرح آملیگا کہ کیپ کالونی بمبئی سے ملحق ہو گی اور جنوبی امریکہ افریقہ کے موجودہ غربی
ساحل سے اس طرح آملے گی کہ کل خشکی ایک مربع صورت میں نظر آنے گی جس کے چاروں طرف پانی
نظر آئے گا۔ لہذا یہ رائے قائم کرنا کہ مینارہائے مصر و امریکہ ایسے زمانے میں تیار ہوئے جبکہ دونوں
دنیا باہم پیوست تھیں۔ علوم و فنون صنعت و حرفت اپنے اوج پر تھیں۔ اور بستیاں معمور تھیں زیادہ
وقعت رکھتا ہے خصوصًا اوسوقت جبکہ ایک روایت عالم ربانی خطیب لاثانی جناب امیر علیہ السلام اس
کی موید موجود ہو جس کے بموجب تعمیر مینار کا زمانہ تقریبًا تیرہ ہزار سال نکلتا ہے۔ یہ اعداد تقریبًا قرین
قیاس بھی ہیں۔ بچند وجوہات اول یہ کہ اختراعات و سامان ازمنہ گذشتہ اتنی جلدی یعنی کل چار ہزار
سال میں فراموش نہیں ہو سکتیں اور علم جر ثقیل جسکو دریافت ہوئے ایک ہزار برس بھی نہیں ہوے اس
عمارت کے چپہ چپہ میں بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر یہ علم اسدرجہ کمال کو پہونچا ہوا تھا۔ تو ممکن نہ تھا کہ نیوٹن
کے نام سے اس کا دریافت کرنا منسوب کیا جاتا۔ دوم علم مساحت الاضلاع پر اس زمانہ میں کامل عبور
نظر آتا ہے جبکہ تعلیمی سلسلہ موجود تھا۔ تو ناممکن ہے کہ اقلیدس اور ٹولیمی کے نام سے ان علوم کی اختراعات
مشہور ہوتیں اقلیدس کے زمانہ کو تقریبًا ۲۵۰۰ برس ہوئے اور ٹولیمی مصری بادشاہوں کے ایام
سلطنت میں تخت مصر پر متمکن تہا۔ اس کو ابھی پورے دو ہزار برس بھی نہیں ہوئے۔ سوم اسقدر عالمگیر
شنیری کا رائج ہو کر حرف غلط کیطرح دنیا والوں کے ذہن سے یک لخت محو ہو جانا ناممکن ہے چہارم
انسانی آبادی سے پیشتر بنی جان کا دنیا میں موجود ہونا ہے جس کا ذکر ہنود یہود و نصاریٰ و اہل اسلام
کی متبرک کتابوں میں موجود ہے۔ بنی جان کی آخری زمانے میں انسان کی خلقت ہوئی۔ پس ایسی عظیم
الشان عمارت کی بنا موجودہ زمانے کے ان اسلاف سے بہت بعید ہے جو بعد از طوفان پیدا ہوئے
جن کی طاقت نہ ہونے کے برابر۔ ذرائع تا حال محدود۔ کمال علمی ادہورا۔ اور شنیری اس عمارت کے
سامان کو مقام مقصود تک پہونچانے سے قاصر ہے۔ لہذا ابنائے مینار کے بانی طوفان نوح علیہ السلام
سے پیشتر ہوئے۔

قول جناب امیر علیہ السلام اس طرح روایت ہوا ہے۔ بنی الھرمان والنسر فی السرطان (یہ دونوں
مصری مینار اسوقت تعمیر ہوے جبکہ نسر برج سرطان تھا۔ آنحضرت علیہ السلام کے زمانے میں نسر برج
جدی میں تھا۔ اور اب ۱۴۰۰ برس گذر جانے کے بعد بھی جدی ہی میں ہے۔ بطی السیر ہونے کے باعث نی

برج دو ہزار سال زمانہ قیام ہوتا ہے۔ اب اگر یہ مینار و دیر موجودہ نسر میں بنکر تیار ہوئے تو کم از کم مدت تیرہ ہزار برس ہوگی۔ اور یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں یغوث و یعوق و نسر کی پوجا ہوتی تھی۔ ان تینوں کا ذکر کلام پاک میں طوفان سے پہلی آبادی کے تذکرے میں پایا جاتا ہے۔ ود و سواع بھی اسی زمانے کی خدائی کے مالک شمار ہوتے تھے۔ اور ابتدائی عمر نوح علیہ السلام میں ان کی پوجا بڑے زور دل پر تھی یغوث و یعوق و نسر ان دونوں سے بھی پرانے تھے۔ لیکن انکا وہ زور و شور نہ تھا۔ جو ود و سواع کو حاصل تھا۔)

یہ عمارت دریائے نیل کے دہانے کے جنوبی ضلع پر واقع ہے۔ تقریبًا ہر قرن میں ابنائے زمانہ نے یہ سوال اٹھایا کہ اس عمارت کی بنا کا مقصد کیا تھا۔ اور بنانیوالا کون تھا۔؟ اس سوال کے جوابات بیشمار دیئے گئے۔ لیکن سب اٹکل پچو اور دور از کار۔ ایسے بے سر و پا کہ ان کو پڑھکر انسانی تخیل کی کمزوری پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ صرف زمانۂ حال کے محققین نے اس سوال کا صحیح جواب اپنی تحقیقات سے دیا۔ اطالوی شاعر پٹراچی کے اشعار میں زمانہ قدیم کے خیالات کا فوٹو اس طرح پر کھینچا ہوا ہے۔

(ترجمہ اشعار) "میں نے زمانہ سے دریافت کیا یہ بڑی شاندار عمارت کس نے بنائی جو اس ویرانے میں سڑ رہی ہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ اپنے تیز پرواز بازوؤں کو فضائے آسمانی میں زیادہ تیزی کے ساتھ ہلاتا ہوا روانہ ہوا۔ اب میں شہرت کیطرف متوجہ ہوا اور اس سے دریافت کیا۔ کہ یہ کس نسل کی یادگار ہے جو زمانہ کے تباہ کن ہاتھوں کا اس کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرکے اپنی زندگی کا ثبوت دے رہی ہے؟ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور خاموشی کے ساتھ آنکھیں نیچی کرلیں۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بدرجۂ اشد رنج و الم کا شکار تھی۔ میں فوراً آگے بڑھا۔ مگر افسردہ خاطر اور اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں دیکھتا کیا ہوں کہ فراموشکاری اس عالیشان عمارت کے ہر ایک پتھر پر جلوہ افروز ہے۔ اب تو میں نے زور سے چلا کر کہا اے خوفناک طاقت تو ہی بتا یہ کس نسل کا نقشہ ...... اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ اس نے میری بات قطع کرکے لاپرواہی کیساتھ کہا۔ یہ عمارت پہلے کس کی تھی مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن آج کل تو اسپر میرا سکہ جما ہوا ہے۔

اس عمارت کے متعلق دوسرے بیانات یہ بھی ہیں کہ یہ عمارت سوریہ چندرمان دیوتاؤں کا مندر ہے یعنی بیت الشمس و القمر، یا متبرک آگ جلانے کی جگہ۔ یوسف ؑ کے غلہ کا گودام یا آیندہ طوفان

ﻋﮯ طاغوت و یغوث ایک ہی لفظ ہے جو مختلف زبانوں سے معرب کئے گئے۔ طاغوت کاہنہ قوم کا بادشاہ تھا۔ جدید لفظ ہے یغوث۔ یہ کاہنہ کا معرب کاہنہ قوم کا خدا قوم یورپ میں آباد تھی۔ ڈلفی واقعہ یونان کا مندر اس قوم کی یادگار تھا۔

یعوق عوق قوم کا نبی ابن سود سود یہ سول یا سورج بنی سسل کہتے ہیں۔

سے بچنے کا مقام خصوصاً ایسے وقت جبکہ آسمان سے موسلا دھار پانی برسے یا ستارہ گرد وغیرہ وغیرہ
لیکن جس بیان کو قبولیت عامہ کا اعزاز ملا یہ ہے کہ مینار ندکورایک بہت بڑا قبرستان ہو مصر کے دیگر
میناروں کے بارے میں عموماً اور مینار ہائے جزع کی نسبت خصوصاً پادری اندریاسن اپنی تصنیف
"ان دی ہولی لینڈ" میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ سوال کہ کس نے ان سنگلاخ میناروں کی بنا ڈالی
یا اون کے بانیو الونکا اس بنا سے کیا مقصد تھا۔ ایسا ہے جو ابتدائے علم تاریخ سے اس دوہزار
برس کے عرصہ میں ہوتا چلا آیا ہے۔ ابوالمورخین (ہیروڈوٹس۔ مترجم) نے اس عمارت کو جو دست بروزمانہ
کا مقابلہ کر رہی تھی۔ صرف قدیم عمارت کہکر چھوڑ دیا۔ اب ایک ہی پرانا خیال ان کی نسبت یہ ہے۔
کہ یہ شاہی قبرستان ہیں۔ اغلب یہ خیال درست ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ تحقیقات زمانہ حال
سے بعض چھوٹے چھوٹے میناروں میں نعشیں برآمد ہوئی ہیں...... اس بیان کے مطابق یہ عمارتیں
اس بادشاہ کی جس کا نام ان پر کندہ ہے اور جو ان کی بنا کا باعث ہوا تاکہ اس کی وہ عظمت و
شان ظاہر ہو جو اسقدر رعیان کا شکار ہوئی کتنی شوکت یہ توفی اور حجم کا اظہار کرتی ہیں۔"

لیکن یہ سنگلاخ عمارتیں جو علم تاریخ کی تکوین سے پیشتر بنا ہوئیں۔ اور ابتدا سے زمانہ حال
تک کہ زمانہ عروج وکمال علم تاریخ ہے قائم ہیں کئی ایک نتائج پر منتج ہوتی ہیں۔ ان سے ثابت
ہوتا ہے کسقدر قدیم زمانے میں انسانی حکومت نے مطلق العنانی اختیار کی مورخ ہیروڈوٹس کا
بیان ہے کہ بیس ہزار اشخاص جو تیسرے مہینہ بدلدیئے جاتے تھے۔ صرف ایک مینار خیوپ (جزع)
کی تعمیر میں تیس برس تک کام کرتے رہے۔ ایک مکمل قوم کی کل طاقت اور ذرائع آمد کا اسقدر عرصہ
تک ایک ہی سمت لگے رہنا تاکہ فرعون کی خواہش دلی برآوے ظاہر کرتا ہے کہ مصر ہی قدیم انسانی
بستی ہے۔ اور یہی ملک صنعت وحرفت کا منبع ہے۔ وحشیانہ تسلط شاہی کے علاوہ کوئی اور طاقت
بھی پوشیدہ کارکن تھی۔ یعنی علم مساحت جر ثقیل، حرکات، خواص الاشیاء وغیرہ جن کے ذریعہ سے
وہ اس بڑی عمارت کے پتھروں کو مقام مقررہ تک لے گئے۔ اور ان میناروں کی بنا ڈالی۔ نیز
جب ہم مصر کے قدیم قبرستان میں موچی کے رنبہ جلاہے کی نی (نالی) اور سنار کی دھونکنی کی وہی
تصاویر دیکھتے ہیں جو زمانہ حال میں ان کی صورت ہو تو اس پرانے شاعر کے کلام میں کوئی مبالغہ
نہیں معلوم ہوتا۔ جو اسطرح پر کہتا ہے: "اس زمانہ میں مصر کے زرخیز میدان آباد ودولت سے بھرپور
اور صنعت وحرفت کے معدن تھے جبکہ دوسری قومیں خواب غفلت میں سرشار تھیں۔ مصریوں
ہی سے دوسرے لوگوں نے علم وہنر سیکھا۔"

اگرچہ یہ حقیقت الامر ہے کہ چھوٹے میناروں میں سے بعض یا سب کے سب قبرستان تھے لیکن اس
کا بھی ہمارے پاس کافی ثبوت موجود ہے کہ جزع کا بڑا مینار کسی وقت بھی اس مقصد کے لئے استعمال

نہیں ہوا باوجودیکہ یہ انسانی صنعت ہو لیکن اس کی صنعت میں خدائی پیشینگوئیاں پوشیدہ ہیں۔
جو اپنی زبان حال سے خدا کے علم ازلی و ابدی کی ضروری حقیقت تعلیم کرتی ہیں۔ سب سے پیشتر جان ٹیلر
نے اس امر کو بیان کیا۔ صاحب موصوف لندن کے رہنے والے اور مصنف کتاب "گریٹ پیرامڈ
دینارِ اعظم" تھے ۱۸۵۹ء میں انھوں نے اپنی اس رائے کا اعلان کیا۔ جو ان حقائق علم ہیئت پر مبنی
تھی جنکو صاحب موصوف نے اس عمارت میں مشاہدہ کیا۔ اس نتیجہ پر پہونچنے میں صاحب موصوف
کو قدیم مورخین ہیروڈوٹس اور مناتھو کی تحریروں سے بہت زیادہ مدد ملی۔ اول الذکر مورخ کا
بیان ہے کہ مصری لوگ ان بادشاہوں کے نام سے بھی متنفر تھے جنھوں نے سب سے بڑے اور دوسرے
میناروں کی تعمیر میں ان کے بزرگوں کو لگا رکھا ہے۔ کچھ تو وجہ مذکورہ بالا کے باعث اور کچھ اس
وجہ سے بھی کہ ان بادشاہوں نے ان مصریوں کے مندر بند کر دئے تھے۔ اس لئے وہ ان بادشاہوں کا
نام لینے کے روادار نہ تھے۔ اور ان دونوں میناروں کو فیلیشین کے نام سے پکارتے تھے جو ایک
گڈریا تھا۔ اور اپنے مویشی ان میناروں کے قریب چرایا کرتا تھا۔ مصری مورخ مناتھو کا بیان ہے
کہ شرقی ممالک سے رذیل نسل کے لوگ عجیب طریقہ سے داخل ہو گئے۔ یہ تحقیق ہے کہ انہوں نے مصر
پر حملہ کیا اور بلا جنگ و جدل قبضہ جما لیا۔ یہ سب کے سب ہکساس (Hyksos) راعی گڈریہ ہا تھے اس
بعد وہ بیان کرتا ہے۔ کہ کس طرح وہ لوگ یہودیہ کو چلے گئے۔ اور شہر یروشلم کی بنا ڈالی۔ یہ زمانہ
اس سے بہت قبل گذرا ہے جبکہ بنی اسرائیل (حضرت) موسیٰ کے ہمراہ مصر سے نکلے۔

جان ٹیلر نے مصریوں کی بت پرستی اور دیگر نامعقول حرکات کے باعث یہ نتیجہ نکالا کہ یہ حملہ آور
جن سے مصری متنفر تھے۔ اغلباً خالص ترین عبادت گذار اور عمدہ چال چلن والے تھے۔ نیز یہ بھی فیصلہ
کیا کہ یہ خدا کے پسندیدہ لوگوں کی جماعت تھی۔ جس کو خداوند عالم نے اس نسل سے چن لیا تھا۔ جس سے
کہ ابراہیمؑ (علیہ السلام) تھے۔ لیکن یہ نسل ابراہیمؑ کے زمانے سے پیشتر تھی ممکن ہے کہ خود سام کے ہمراہ یا ملک
صدوق کے ہمراہ ہوں لیکن جان ٹیلر کا پختہ خیال ہے کہ میر ان عمارت لقطان بن عبر سام کے پڑوتے
کے تیرہ بیٹے تھے۔ اگر یہ خیال درست ہو تو مصریوں کی ان بادشاہوں سے نفرت کی وجہ ظاہر ہے۔
اس لئے کہ بحیثیت رعایا مصریوں کو نہ صرف تعمیر مینار اور مندروں کو ہی بند کرنا پڑا بلکہ وہ سانڈ کی
قربانی بھی دیکھنے پر مجبور رہتے۔ جو ان کا معبود تھا لیکن ان کے مخالف اس کی قربانی کرتے تھے۔ اس
جگہ پر کتاب پیدائش ۱۰/۲۱ خروج ۹/۱۳ و نیز پیدائش ۱۴/۱۸ کا مطالعہ بعید از معنی نہ ہو گا۔ رہا یہ سوال
کہ یہ خیال صحیح تھا کہ غلط۔ آئندہ ثبوت سے ظاہر ہو گا کہ جان ٹیلر در اصل اپنی رائے قائم کرنے میں حق
بجانب تھا۔ اور یہ کہ بڑا مینار وحی الٰہی کے مطابق تیار ہوا۔

نوٹ:۔ کتاب پیدائش کو بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ارفخشد بن سام

طوفان سے دو دو سال بعد شالخ بن ارفخشد ۳۰ سال بعد اور عبر بن شالخ ۳۰ سال بعد پیدا ہوئے۔ نسابِ شالخ کو صالح نبی اور عبر کو ہود نبی علیہما السلام بتلاتے ہیں پیدائش عبر سے ۲۵۰ سال بعد ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی طوفان سے اسوقت تک ۲۹۰ سال گذرے جان ٹیلر کا خیال اور ہیروڈوٹس مناتھو مورخین کے بیانات اس ۲۹۰ سال کے عرصہ میں کیونکر پورے اترتے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اول تو اس ۳۰۰ برس کے عرصہ میں دنیا علوم ہیئت، ہندسہ، اشکال، حرکات و نقاط میں اتنی ترقی یافتہ نہیں ہوئی۔ کہ کسی خاص شخص کے خیال کو وجود کا جامہ پہنا سکے۔ دوم اسقدر مردم شماری کا ملک مصر میں ہونا بھی مشکل امر ہے کہ صرف ۱۰۰۰۰۰ کارکن تعمیر مینار میں لگے رہیں اور پھر تیسرے مہینہ ان کو علیحدہ کرکے اور بیس ہزار نفر لگائے جائیں۔ شاید تین شخصوں کی اولاد ۳۰۰ برس میں مرد عورت بچے ملا کر بھی اتنی نہیں ہو سکتی کہ صرف مصر میں چالیس ہزار خالص مرد ہوں اور بچے عورتیں ان کے علاوہ یعنی کم از کم مصر کی آبادی ایک لاکھ عرب عراق شام بھی اسی حساب سے ایک ایک لاکھ۔ ایران ہندوستان چین وغیرہ کی آبادی اس پر مستزاد ہوگی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ طوفان کے بعد پیدائش ابراہیم علیہ السلام تک صرف دس پشتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر ہر شخص نے ۲۰ سال کی عمر میں پوتا حاصل کر لیا ہو تب بھی اس عرصہ میں کل آبادی کروڑوں تک نہیں پہونچ سکتی۔ لہٰذا اس کا فیصلہ دو صورت سے ممکن ہے۔ اول یا تو توریت غلط ہے اس کے سنین غلط اس کا بیان دربارہ طوفان غلط۔ یا دوسرا طریقہ یہ کہ مورخ ہیروڈوٹس مناتھو کے بیانات غلط اور جان ٹیلر کا لیقطان بن عبرؑ کو تعمیر مینار اعظم میں شریک کرنا ان غلط بیانات پر مبنی ہونے کی وجہ سے غلط۔ لیکن توریت الہامی کتاب ہونے کے باعث ایسی غلطی سے بری ہے۔ البتہ بعض مقامات میں دولت کی کلید نے کتابت کا قفل کھولا۔ اور محرمات کو حلال یا حلال کو حرام یا اسی قبیل کی دیگر ترامیم سے اس کتابت کو رائج کیا۔ لیکن حسابی معاملہ میں کمی بیشی ناممکن ہو۔ نہ کسی کو عمروں کی کمی بیشی سے دنیاوی فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں توریت کی غلط بیانی سے عیسویت کا شیرازہ بکھرتا ہو اور اس کی بنیاد کو ایسا صدمہ عظیم پہونچتا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہو سکتی۔

تحقیقات کی لہریں برقی رو کا کام کر رہی ہیں وہ اس عرصہ میں مصر کو دلدل کا مقام ثابت کرتی ہیں۔ صحرائے اعظم کا سطح سمندر سے نیچا ہونا طے شدہ امر ہے لہٰذا طوفان کے بعد اس علاقہ کا دلدل ہونا محتاج دلیل نہیں

بڑے مینار کو مخصوص علامت سیا ظاہر کرنے کے لئے اس کے قریب دوسرے مینار کی بنا پڑی جس کے محاذ میں چٹان تراش کردہ شکل بنائی گئی جسکو ابوالہول کہتے ہیں اس کا رخ مشرق کیجانب ہے یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ دوسرا مینار پہلے سے بڑا نظر آتا ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ یہ بلندی محض مقام تعمیر کی سطحی بلندی کیوجہ سے ہے۔ ورنہ مینار اول مینار دوم سے بڑا ہے۔ پس اگر مینار اول علامت سیا ہے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح مینار دوم باوجود چھوٹا ہونے کے بلند زمین پر تعمیر ہونے کیوجہ سے

بلند نظر آتا ہے اسی طرح ایک دوسرا ہدایت کرنے والا بھی اسی قسم کے امتیاز کے باعث افضل کہلائی دیگا۔ اگرچہ فی نفسہ وہ چھوٹا ہوگا۔ ابوالہول کے چہرہ کی ساخت سے اس طرف اشارہ کیا گیا جس جگہ اس ہدایت کنندہ نے مبعوث ہونا تھا۔ مینار اول میں اس کو راہ داخلہ مینار کے زاویہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ مینار دوم میں ابوالہول کی نظر کی سیدھ اسی طرف ہی۔

ہماری اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مینار اول کی ساخت اس زمانہ میں نہیں ہوئی بلکہ صرف مینار دوم کی۔ جس کی تعمیر اس زمانے میں آبادی اور وسائل کے لحاظ سے ممکن ہے۔

ان راعی بادشاہوں کی نسبت جان ٹیلر کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ ملک میں اجنبیوں کی طرح داخل ہوئے۔ نہ مصرائیم کی نسل سے تھے نہ اس مذہب کے پیرو جو مصریوں کا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں فاتح اقوام کی طرح ملک پر حملہ بھی نہیں کیا۔ اگرچہ منا تقو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مصریوں کو بغیر جنگ کئے آسانی سے مغلوب کر لیا۔ اس لئے یا تو وہ اسقدر کثیر تعداد میں آئے ہوں گے کہ مقابلہ کرنا فضول سمجھا گیا یا عام رعایا نے اپنا محسن سمجھکر استقبال کیا ہوگا جس کے صلہ میں ان اجنبیوں نے انکو ملازم رکھ لیا۔ ان کی واپسی کے بعد مخالفین نے قصہ کہانی کے طور پر ان کی یاد کو مطعون کیا۔ ان کے ظلم کے افسانے رائج ہوئے۔ ظاہراً یہ بات معلوم ہوتی ہی کہ وہ ایک خاص کام کی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ اور اس کے پورا کرنے میں ہمہ تن مصروف۔ کام پورا کر کے اپنی مرضی آپ انھوں نے ملک سے کنارہ کیا اور اس عمارت کو جو اپنی ساخت میں عجیب اور انوکھی تھی۔ اصلی باشندوں کی حفاظت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اس عمارت کے صلہ میں انہوں نے ملک کو مالامال اور باشندوں کو خوشحال کر دیا۔ اور اس طرح گئے کہ پھر کبھی اپنی محنت کے دعویدار بنکر نہ آئے۔ بلکہ ایسے ملک میں سکونت اختیار کی جس میں انہوں نے اس قسم کی کوئی عمارت نہ بنائی۔ وہ عالم اور فاتح کے الفاظ سے صرف اسی قدر آشنا تھے کہ ملک سے دوران قیام میں ان کو حاکم تسلیم کر لیا اور انہوں نے رعایا کو معجزہ تعمیر کے کام پر لگایا جس کے لئے ان کو غالباً نہایت ہی مفصل ہدایات جاری کرنی پڑی ہوں گی۔ ان کی دماغی قوت کے کمال نے جاہلوں کو ان کا دشمن و حاسد بنا دیا۔ اس طرح سے جہلا نے ان کو اصلیت سے گرا کر خراب پیرایہ میں ذکر کیا۔ ان کے قیام سے ملک کی حالت کا درست ہونا اظہر من الشمس ہی اس کو تسلیم ہی کرنا پڑتا ہی حقیقت الامر بھی یہ ہی کہ اپنے تقریباً صد سالہ قیام میں انہوں نے جہلا کی دماغی و تمدنی حالت درست کر دی جیسا کہ صدہا جاہل قومیں عالم و اعلیٰ دماغی قابلیت رکھنے والے فاتحین سے مستفید ہوا کرتی ہیں۔

نوٹ:۔ جان ٹیلر و منا تقو کے بیانات پر غور کرنے سے ہمارے گذشتہ بیان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں رہ سکتا۔ اور یہ معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ مصری جلاوطنوں کی آبادی کے حاکم

اور ان کے ہم قوم حکومت کے بدلنے سے دست و پا شکستہ ہو چکے تھے ملکی آبادی زیادہ تر فاتحین کے ہمقوموں اور طرفداروں کی تھی ایسی حالت میں حکومت موجودہ سے جنگ چھیڑنا بلائے بے درمان خریدنا تھا۔ لہذا حکومت وقت کی اطاعت کی۔ کشت و خون کی نوبت نہ آنے دی۔ اس کی وجہ ایک اور بھی معلوم ہوتی ہے۔ جب ضحاک نے جمشید پر فوج کشی کی اور فوجیں مقابل آ گئیں تو ضحاک نے جمشید کو دست بدست مقابلہ کے لئے طلب کیا اور کہا کہ تو اپنے زعم میں خدا بنا ہوا ہے اور مجھکو اپنی مخلوق سمجھتا ہے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ رعایائے طرفین جنگ سے ہاتھ اٹھائے ہم تم دونوں قسمت آزمائیں۔ جو فاتح ہو وہی بادشاہت کا مالک رہے۔ چونکہ تم خدائی کے مدعی ہو۔ تم ضرور اپنی مخلوق پر غالب آ جاؤ گے اور ملک کے مالک رہو گے۔ اور اگر تم کاذب ہو گئے تو میرا خدا میری مدد کرے گا۔ اور تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ اس طرح بندگان خدا قتل سے محفوظ رہیں گے۔ یہ قرارداد طرفین نے منظور کی۔ لڑائی میں ضحاک غالب رہا۔ اور تمام قلمرو میں بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ مصر بھی حکومت کیانی کا صوبہ تھا۔ لہذا وہ بھی مطیع ہو گیا۔ فاتح کے ہوا خواہ بلا مزاحمت ملک پر عمل دخل کرنے کے لئے آئے۔ اور رعایا نے ان کا خیر مقدم کیا۔

اگر مینار اول کے اندرونی راستوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سنگ سیاہ سے دو راستے نکلتے ہیں ایک اوپر کی جانب دوسرا نیچے کی جانب جو داخلہ مینار کے تنزلی سلسلہ سے ملتا ہے۔ پس نوح علیہ السلام کے زمانے میں دو شریعتیں رائج ہو گئیں ایک وہ جو شریعت نوح کہلاتی تھی۔ دوسری آتش پرستی اور نجوم پرستی۔ جس کے باعث طوفان آیا۔ یہ تنزلی راہ سطح فرش کمرہ خورد اور زینۂ اول کے مقام تقاطع کے قریب ہے۔ آئندہ حسابات کے ذیل میں معلوم ہوگا کہ وفات نوح علیہ السلام اسی مقام تک پیمایش کرنے سے برآمد ہوتی ہے۔ اب ہدایت کا سلسلہ اولاد سام میں قائم ہوا جو آئندہ زمانے میں دو شاخوں میں منقسم ہوتا تھا۔ لہذا مینار دوم میں محراب یا وعدہ گاہ قرار دے کر اس نے سام بن نوح علیہما السلام کو ہادی مخصوص ظاہر کیا اور بعد میں اس کے سلسلہ نسل سے دو خانوادۂ ہدایت کا ہونا ظاہر کیا جو اسی وعدہ الٰہی کے بموجب ہونے تھے اس طرح سے مینار دوم صرف اس زمانے سے متعلق ہے جو تقرر سام کے بعد ہوا۔ اور مینار اول خلقت آدم علیہ السلام کے بعد کے کل زمانے سے مربوط ہے۔

اپنی وفات سے پیشتر جان ٹیلر نے پروفیسر سی پیازی سمتھ شاہی منجم متعینہ سکاٹلینڈ سے درخواست کی کہ مصر جا کر اس بڑے مینار کی عالمانہ تحقیقات کرے۔ پروفیسر صاحب موصوف نے سرمائے ۱۸۶۴-۶۵ء میں اپنا وعدہ پورا کیا۔ عمارت کے ضروری حصص کی پیمایش کی۔ صرف بیرونی حصص۔ فرشی پتھر تہ خانے اور نچلے راستہ کے کچھ حصہ کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ مقامات ملبہ سے پٹے پڑے تھے۔ بعض حصص میں خفیف

سے فرق کے ساتھ دیگر محققین نے بھی ان پیمائشوں کی تصدیق کی ہو۔ ان میں سے مشہور ترین پروفیسر فلانڈرس پٹری ہے جس نے اکثر علمی و مذہبی بیانات کی بناء پر پروفیسر سمتھ کا مضحکہ اڑایا ہے۔ لیکن صحت پیمائش کا وہ بھی قائل ہے۔

پروفیسر سمتھ کی تحریر پر اکثر اہل علم چونکہ انہوں نے مختلف مسئلوں کی جو بڑے مینار سے ثابت ہوتے ہیں تلاش کی۔ ان محققین میں سے بعض کا بیان ہے کہ یہ مینار نہ صرف علمی دقائق کا خزانہ ہی ہے بلکہ اپنی علامات اور پیمائش کے ذریعہ سے نجات عالم کی تجویز الٰہی کو اپنے سینہ میں لئے ہوئے ہے اور مسیا کے بارہ میں زبردست پیشینگوئی ہے۔ اس خیال کا موجد خود پروفیسر سمتھ تھا لیکن سی ٹی رسل اسکا زبردست واعظ ہوا۔ آخرالذکر کلیسائے بروکلن واقعہ امریکہ میں پادری تھا

اس تمہید کے بعد ہماری توجہ مینار کی دوسری خصوصیات کیجانب منعطف ہوتی ہے بمصر میں چھوٹے بڑے تقریباً ۸۰ مینار ہیں جو دریائے نیل کے مغربی کنارے پر صحرائے اعظم کے لیبائی گوشہ میں ہیں۔ سب کے قاعدے چوکور اور چاروں ضلعے مثلثی مخروطی ہیں جو قاعدے کے وسط میں چوٹی پر ملجاتے ہیں۔ لیکن ان سب میں سے صرف سات بڑے اور قابل ذکر ہیں باقی بہت چھوٹے اور ایسی ادنیٰ ساخت اور گھٹیا مصالحہ کے ہیں کہ وہ عرصہ سے گول مول کھنڈرے بنگئے ہیں اور مینار کہلانے کے مستحق نہیں۔
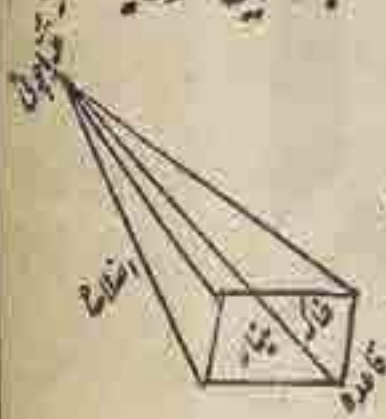
ان سب میناروں میں سے وہ مینار جو خصوصاً سیاحوں اور محققوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے بہ اتفاق آرا مینار جزع ہے جسکو محض مینار کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا حجم بڑا ہے۔ اور اس کی اعلیٰ ساخت وصنعت دل کو موہ لیتی ہے۔

محلِ وقوع

یہ میناروں میں سے ایک ہے جو مینار ہائے جزع کہلاتے ہیں۔ یہ سب موجودہ شہر قاہرہ سے مغرب کی جانب دس میل کے فاصلہ پر ایک چٹان پر واقع ہیں۔ مینارہ مذکورہ سب کے شمال میں ہے اور اس چٹان پر بنا ہوا ہے جو اس کل سطح کا ایک گوشہ ہے۔ اس سے قریب ہی کچھ فاصلہ پر جنوب مغرب میں دوسرا مینار ہے۔ یہ اگرچہ چھوٹا ہے لیکن بعض مقامات سے دیکھنے میں بڑا معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بلند مقام پر بنایا گیا ہے۔ جنوب مغرب کی طرف منکر تیسرا مینار ہے جو پہلے

نوٹ: بہت اغلب ہے کہ ابوالہول بیرجامت کو ظاہر کرتا ہو جس کے داخلی نقشہ کا خاکہ مینار کی صورت میں موجود ہو۔ اگر یہ خیال صحیح نکل آئے تو مینار کا تعلق از طوفان نوح علیہ السلام بنا دیوں اتفاق کا ثبوت ملیں یہ جا بجا یادوں اور نجات کا زمانہ طوفان کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا زمانہ شروع ہوتا ہے

دوسرے بہت ہی چھوٹا ہے۔ باقی کے چھ تین تین کی دو قطاروں میں ہیں۔ ایک قطار تیسرے مینار کے جنوب میں ہے اور دوسری بڑے مینار کے مشرق میں۔ نسبتاً یہ بہت چھوٹے ہیں اور کھنڈر بن گئے ہیں۔ بڑے مینار کے جنوب مشرقی گوشہ میں ایک پریزاد (ابوالہول) کی مورت چٹان کا ٹکڑا ابنائی گئی ہے۔ اس کا رخ مشرق کیجانب ہے۔

نوٹ:۔ بہت اغلب ہے کہ ابوالہول میر عمارت کو ظاہر کرتا ہے جس کے دماغی نقشہ کا خاکہ مینار کی صورت میں موجود ہوا اگر یہ خیال صحیح نکل آئے تو مینار کا قبل از طوفان نوح علیہ السلام تیار ہونا محتاج ثبوت نہیں رہتا۔ پریزادوں اور جنات کا زمانہ طوفان کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور وہ زمانہ شروع ہوتا ہے۔ جسکو ہندی نوشتے کلجگ کہتے ہیں۔ اگر معمار مینار ابوالہول کی جنس کی ہستیاں تھیں تو لامحالہ زمانۂ کلجگ سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ جس میں ایسی جسمانیت و قد وقامت کی ہستیاں کہیں نہیں ملتیں)

خصوصیات محل وقوع

پروفیسر سمتھ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ معلوم کیا کہ مینار اعظم کے چاروں گوشے قطب نما کے مطابق ہیں اسی نے یہ ثابت کیا کہ اگر راستہ مینار کے دروازے کے عمود کی سطح کو شمالی جانب بڑھایا جاوے تو یہ دریائے نیل کے ڈلٹا کی کل زمین کے وسط میں گذر جاتا ہے۔ اور شمال مشرقی و شمال مغربی گوشوں میں اگر قطروں کو بڑھایا جائے تو ڈلٹا کی زمین ان خطوط کے اندر آجاتی ہے۔

۱۸۶۸ء میں مسٹر مچل ریاستہائے متحدہ امریکہ کیطرف سے محکمہ مساحت سواحل مصر کے افسر مقرر ہو کر آئے تو ان کو دریائے نیل کے شمالی ڈلٹا کے سواحل کی باترتیب بیضوی شکل سے بڑی حیرت ہوئی۔ لہذا ایک مکمل نقشہ اور پرکار لیکر انہوں نے مختلف طول کے نصف قطر متفرق جہات میں ڈالنے شروع کئے۔ یہانتک کہ ساحل کے کل مقامات قوسی شکل میں آگئے۔ اب یہ تلاش ہوئی کہ اس قوس کا مرکز دریافت ہو۔ معلوم ہوا کہ اس کا مرکز مینار اعظم ہے۔ اس بیان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے پروفیسر سمتھ نے لکھا۔ کہ مصر کا زیرین حصہ ایک قوس کی شکل ہے۔ اور ڈلٹا کی نسبت بہتر موضوع ہیں۔ اس لئے اس کا مرکز وسط میں ہونا چاہئے۔ نہ کہ ایک طرف۔ مسٹر مچل نے جواباً لکھا کہ وہ عمارت جو ایسے قوسی حصہ ملک میں لبندی پر بنائی جائے اور مرکز قوسی میں ہو۔ وہ اس کے ایک گوشے میں بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی مرکز وسطی میں بھی۔ اس بیان سے ثابت ہے کہ یہ معجز نما عمارت اپنے مذہبی پہلو سے پاک اور کامل ہے۔ اگرچہ مصری بت پرستوں کی سرزمین میں ہے۔ نیز علاوہ ناممکن ہے کہ ایک عمارت کسی قوسی مقام کے وسط میں بھی ہو۔ اور ایک گوشہ میں بھی۔ لیکن اس نادرۂ زمانہ عمارت میں یہ ممکن کر دکھلایا۔ جیسا کہ صحیفہ یسعیاہ

باٹ میں درج ہو۔ منشاء الٰہی یہی تہا کہ یہ عمارت سرزمین مصر میں عہد الٰہی کی علامت بھی ہو۔ اور اس کے گوشہ میں ایک یادگار بھی ہو۔

حجم مینار اعظم کی دیواروں کے تقریباً سب پلستری پتھر غائب ہیں اس لئے پیمائش کامل ممکن نہیں اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ ملبہ کے انبار لگے ہوئے ہیں جن سے مینار کا قاعدہ پٹا پڑا ہے۔ اس عمارت کا اطمینان کامل کے ساتھ حجم معلوم نہیں ہو سکتا۔ پروفیسر سمتھ نے بنیاد کی اوسط گہرائی سے چوٹی کی بلندی ۴۸۵ فٹ اندازہ کی ہے اور تہ خانہ کی اندرونی گہرائی تک ۱۰۰ فٹ۔ ہر ایک ضلع قاعدہ ۷۶۱ فٹ ۸ انچ اور بنیادی زاویوں کے درمیان قطر ۱۰۷۰ فٹ۔ مگر پروفیسر پیٹری کی اعداد ان سے کسیقدر کم ہیں

علمی آثار سب سے پہلی علمی صورت جو دریافت ہوئی یہ ہے کہ مینار کی قدیم عمودی بلندی کو اس کے قاعدے کے دوچند کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کسی دائرے کے قطر کو اس کے محیط سے یعنی ۱: ۳۱۴۱۵۹۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مینار کی قدیم بلندی ایک ایسے دائرہ کا نصف قطر ہے جس کی گولائی چاروں اضلاع کا مجموعہ ہے (یعنی اس دائرہ کا محیط ۷۶۱ × ۴ = ۳۰۴۶ فٹ ۸ انچ ہے)۔ اس کو دائرہ کا مربع کرنا کہتے ہیں۔ اور یہ خصوصیت باقیماندہ کسی مینار میں نہیں پائی جاتی۔

(۲) اگر اس مینار سے شمالاً جنوباً یا شرقاً غرباً خط کھینچے جائیں تو خشکی کا زیادہ حصہ زیر خطوط ہوگا دیگر مقامات میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ یہ کیفیت تو بالائی حصہ کی ہے اگر ان خطوط کو دوسری طرف بڑھایا جاوے تو کرے کے دوسری طرف پانی کا حصہ زیادہ اور خشکی کا کم زیر خطوط ہوگا۔ لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مینار مجموع ناف زمین میں بنایا گیا ہے اور یہی مقام اقوام عالم کے لئے طول و عرض بلد قائم کرنے میں بہتر کارآمد ہو سکتا ہے۔

نوٹ: مسٹر گل کے بیان سے پیشتر معلوم ہو چکا کہ مینار اعظم باوجود صحرائے لیبیان کے ایک گوشہ میں ہونے کے مصر یا دریائے نیل کے ڈلٹا کے مرکز قوسی میں ہو۔ لہذا جس مقام سے اسکو تشبیہ دیجائے اس کا تعلق کرۂ ارضی سے اسی قسم کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر قلعہ مینار پر ایک روشنی رکھدیجائے۔ تو فضا میں اس تمام قوسی علاقہ میں یکساں نظر آئیگی جو محیط پر ہے یعنی علاقہ قوسی کے محیط کا فاصلہ قلعہ مینار سے یکساں ہوگا۔ چوٹی کا پتھر علامت مسیا ہے۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا لہذا مقام نزول مسیا کا تعلق کرۂ ارض سے ایسا ہی ہونا چاہئے کہ ایک گوشہ میں بھی ہو اور مرکز قوسی ارض میں بھی ہو تاکہ کل اقوام عالم کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہو۔ کسی خاص قوم کے لئے نہ ہو۔ بلکہ جملہ اقوام عالم اس مرکز ہدایت سے یکساں مستفید ہوں۔ اس صفت میں کہ معظمہ تمام مقامات سے بہتر ممتاز نظر آتا ہے جو مثل مینار صحرائے عرب کے ایک گوشہ میں کوہ فاران کی وادی کے درمیان ایک پہاڑی پر واقع

ہے۔ گرینچ سے طول بلد ۴۰ درجہ شرقی اور عرض بلد ۲۱ درجہ جنوبی ہے۔ اگر یہی فاصلہ کہ معظمہ سے شمار ہوتا تو گرینچ مغربی و شمالی جانب میں اسی قدر فاصلہ پر ہوتا۔ اور قطب شمالی تک پورے ۹۰ درجے ہوتے۔ اسی طرح قطب جنوبی تک ۹۰ درجہ فاصلہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر شرقاً غرباً شمالاً جنوباً کہ معظمہ سے خطوط کھینچے جائیں جو کرہ کے ہر طرف محیط ہوں تو کرہ خشکی و تری کے دو مساوی حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ شمالاً جنوباً یا شرقاً غرباً۔ پس یہ مقام ایسا ہے کہ باوجود جزیرہ نمائے عرب کے ایک گوشہ میں ہونے کے قوس ارضی کا مرکز ہے۔ اس مشابہت میں دنیا کا کوئی دوسرا مقام شریک نہیں ہوتا لہذا مکہ معظمہ ہی ناف یا مرکز ارض میں واقع ہے۔ اسی پر حدیثوں کی شہادت موجود ہے۔ کہ مکہ ناف زمین میں واقع ہے۔ لہذا یہی مقام نزول بنا ہے۔ اس کا مرکز ہدایت برائے جمیع اقوام عالم بر و بحر ہونا انسب ہے۔ بدیں وجہ کہ کرہ بلا مرکز نہیں ہوتا۔ لیکن مرکز کے لئے کسی خاص کرہ کی شرط ضروری نہیں۔ لہذا اقوام عالم ایک خاص مرکز ہدایت کی محتاج ہیں۔ لیکن یہ مرکز ہدایت ان کا محتاج نہیں۔ (وما علی رسولنا الا البلاغ کوئی مانے یا نہ مانے مرکز ہر حالت میں مرکز ہی ہے۔)

پیمانہ پیمائش مینار

میناری پیمائش اکائی بھی بڑی دقت سے معلوم ہوئی۔ متعدد تجربوں سے یہ ثابت ہوا کہ پیمائشی پیمانہ (گز) مینار "ایک ہاتھ" ہے جس کا طول ۲۵ء۲۵ انچ انگریزی ہے۔ اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک حصہ کے پانچ ٹکڑے کئے۔ پروفیسر سمتھ نے ان کا نام میناری انچ رکھا۔ پس ہر ایک میناری ہاتھ میں ۲۵ میناری انچ ہوئے ان میں سے ہر ایک کا طول ۱۰۰۱ء۱ انچ انگریزی کے برابر ہوا۔ یعنی ۹۹۹ میناری انچ ۱۰۰۰ انگریزی انچ کے برابر ہے۔ مصری پیمانہ "۲۰ء۶۸" انچ۔ یونانی وردی "۱۰۱ء۴۲" انچ انگریزی کے برابر۔

ماخذ پیمانہ مینار

زمین کے شمالی و جنوبی قطبوں کے درمیان تقریباً ۷۹۰۰ میل کا فاصلہ ہے۔ یعنی ……۵ ۰۰ء۵ انچ انگریزی جو …….۵ میناری انچ کے برابر ہے۔ (۱ میناری انچ = ۱۰۰۱ء۱ انچ انگریزی) یعنی ……۲ (دو کروڑ) میناری ہاتھ (بحساب ۲۵ میناری انچ = ایک ہاتھ میناری) اس رقم کا نصف ……۱ (ایک کروڑ) میناری ہاتھ نصف قطر ہوا۔ پس میناری پیمائش کا ماخذ زمین کا نصف قطر ہے اور فرانسیسی انچ کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔

مینار میں زمین کی دوری ومحوری گردش (سالانہ و روزانہ گردش) کا نشان

چونکہ میناری انچ زمین کے قطر سے ماخوذ ہے اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر اس سے ایک دن مراد لیا جائے۔ جو زمین کی اپنے محور کے گرد گھومنے سے ظاہر ہوتا ہے یا یوں سمجھنا چاہئے کہ زمین اپنے قطر کے گرد گھوم جاتی ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھ کر جب مینار کے مربع قاعدے کی پیمائش کی گئی تو وہ

ٹھیک ۳۶۵٫۲۴۲ ہاتھ کی ضلع نکلا۔ یوں سمجھئے کہ ایک انچ ایک دن کے برابر ہوا۔ اور ہر ایک ضلع کا طول اتنا ہوا جتنے کہ ایک سال میں دن ہوتے ہیں۔

ایک دوسری صورت اس حساب کی یہ ہے کہ مینار کی چوٹی کے پتھر کو سورج فرض کریں اور قاعدے کے چوگرد چار ہاتھ کے گز سے پیمائش کریں تو چاروں ضلعوں کی مجموعی لمبائی ۳۶۵٫۲۴۲ گز ہوگی۔ اس طرح یہ پیمائش زمین کی سالانہ حرکت کو ظاہر کرتی ہے جس کی مدت ۳۶۵٫۲۴۲ دن کے برابر ہے۔

نوٹ۔ اس بیان میں ظاہراً اختلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک انچ، ایک ہاتھ یعنی ۲۵ انچ اور چار ہاتھ یا ۱۰۰ انچ ایکدن کے برابر دکھلائے گئے ہیں جو بدیہی نقیض ہیں۔ لیکن ایک انچ سے ایک دن رات مراد لینا اور پھر ایک دن سے ایک سال سمجھنا درست ہے کیونکہ قطبوں کے نزدیک چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے جو خط استواء کے قرب وجوار میں تقریباً ۳۶۵ حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ پس قطبی دن ایک سال کے برابر ہوا یعنی ایک انچ = ۳۶۵ انچ تقریباً۔ کرۂ کلاں میں ایک انچ ایک سال کے برابر نکلتا ہے۔ ایسا ہی کرۂ خورد میں۔ لیکن زینۂ اول میں اس کا ۲۵ گونہ ایکدن کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکلنا بعید از معنی نہیں ہوسکتا کہ اس زمانے کے لوگوں کی عمریں زمانۂ موجودہ سے ۲۵ گنا زیادہ تھیں یا ابتدائی مخلوق ارضی کی عمریں ۱۰۰ گنا زیادہ۔

اگر زمانۂ موجودہ کے علما کی رائے کے مطابق اوسط عمر ۳۸ سال قبول کیجائے تو ۲۵ گنا ۹۵۰ سال ہوگا۔ اور اسی حساب سے اس سے پیشتر کی مخلوق کی عمریں تقریباً ۳۸۰۰ سال ہوں گے۔ انسانی زمانے سے پیشتر جنات و ملائکہ کا زمانہ تھا جنکو مختلف مذاہب جداگانہ ناموں سے تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں تو ان ہر دو گروہ کا وجود انسان سے پیشتر مسلم ہے توریت کتاب پیدائش میں ان کو جبابرہ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اہل ہنود کی کتابوں سے دیوتا دیت کا وجود نل یا نفشیہہ سے پیشتر موجود نظر آتا ہے۔ اس زمانہ کی تقسیم اہل ہنود میں اس طرح پر آئی ہے (۱) ست یگ۔ راستی حق جوئی و حق پرستی کا زمانہ۔ سوائے دیوتاؤں یا روحوں کے دوسرے اس صفت میں داخل نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ مخلوق خواہشات نفسانی سے بری ہے۔ (۲) دواپر زمانہ عنصری دیو یا ملائکہ اس زمانے میں مخلوقات خواہشات نفسانی سے بری نہ تھے۔ لیکن خوشنودی الٰہی کے حصول میں کوشش کرتے تھے۔ (۳) ترتیا۔ زمانۂ تفرق و نفاق۔ اس زمانہ میں دیت یا شیاطین کی بستی تھی۔ بدکرداری۔ بدطینتی عام تھی۔ جنگ وجدل سے زمانہ پرآشوب تھا یہاں تک کہ انکا زور ٹوٹ گیا۔ ان کی بستیاں ویران ہوئیں۔ اسی زمانہ کے ختم کے قریب نل یا انسان اسٹیج پر آیا (۴) کلجگ زمانہ حال جس کا آغاز تقریباً ۵۰۰۰ برس سے ہوا۔ تقریباً یہی مدت طوفان نوح علیہ السلام ہے۔

دوسرے الفاظ میں ان یگوں کی نسبت تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ مختلف مخلوقات کے زمانہ تھے۔ اور تیسرے زمانے سے پہلے زمانہ کی مدت پوری ہوگئی تھی۔ اسلامی نقطۂ خیال سے بھی زمانہ اس طرح ہو سکتا ہے (۱) عالم امر یعنی پیدائش ارواح کا زمانہ۔ اس زمانہ کا ست یگ ہونا ظاہر ہے (۲) عالم خلق پیدائش ملائکہ کا زمانہ (۳) عالم اعمال خلق جنات یا ناری مخلوقات (۴) عالم تشریعی جب کہ جزا و سزا اعمال کی شریعت رائج ہوئی۔ اسکو کلجگ کہتے ہیں یعنی حضرت انسان کا زمانہ ان کے اعمال کی جزا و سزا کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ دست بدست بدلہ نہیں ملتا جیسا کہ ابتدائی زمانوں میں ملتا آیا۔

قرآن شریف میں ایک دن ۱۰۰۰ ہزار سال کے برابر بھی مذکور ہوا ہے۔ اور ۵۰۰۰۰ سال کے برابر بھی۔ اور عمر دنیا ایک لاکھ برس ہونا حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی قرآن پاک سے ثابت ہے کہ ایک نیکی کا عوض بنی آدم کے لئے ویسے ہی دس حسنات کے برابر ہے۔ اور ابتدائے خلقت انسان آخر زمانۂ شیاطین میں ہوئی۔ تو یہ کہنا بیجا نہیں ہو سکتا کہ اون کی عمریں انسان سے دہ چند تھیں۔ ان کے دہ سالہ اعمال نیک انسان کے یکسالہ اعمال نیک سے وہی تناسب رکھتی ہیں جو دونوں کی عمروں میں ہے۔

لہذا اندازاً زمانوں کی مدت دس لاکھ ایک ارب اور پچاس ارب سال تک پہونچتی ہے۔ حدیث نور سے یہ مسالہ ذرا واضح طور سے سمجھ میں آتا ہے۔ اس کا ترجمہ منظوم موجود ہے جس کا مطلع اس طرح ہے

نور پاک مصطفٰے جب آگیا قندیل میں　　　نور کی قندیل تھی اور نور تھا قندیل میں

یہ مسئلہ بذات خود اسقدر دلچسپ ہے کہ یہ مختصر بیان اس کے لئے کافی نہیں۔ لیکن چونکہ اس قسم کے مباحثے نفس مضمون کی حدود سے باہر ہیں۔ نیز طویل و عریض۔ اس لئے اس بیان کو کسی آیندہ وقت کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (یار زندہ صحبت باقی۔)

میناریں زمین و سورج کے مابین فاصلہ

اگر بنیاد مینار کے ایک گوشہ سے عمارت کے وسطی عمودی قطر کو جو چوٹی کے پتھر سے ملا جائے پیمائش کریں اور ہموار پیمائش کی دس اکائیوں پر عمودی ہوا کا نیاں لیجائیں تو جب عمودی و عرضی پیمائش ختم ہوگی تو عمودی پیمائش مینار کی چوٹی تک پہونچ جائے گی یعنی گوشہ کے شعبہ کا طول عمود وسطی تک اس عمود کی بلندی کے ساتھ "۱۰" اور "۹" کی نسبت رکھتا ہے۔ ۹۱'۱:۹۴۳۵۶'۰۱:۵۸۱۳ = عرضی پیمائش عمودی پیمائش ۹:۱۰۰ اس نسبت سے جب عمودی بلندی کو درست کرکے انگریزی انچوں میں تحویل کرتے ہیں۔ اور اسکو ۹ یا ۱۰۰۰۰۰۰ میں ضرب دیتے ہیں تو ۹۱۸۳۷۴۸۴ میل برآمد ہوتے ہیں۔ یہ قریب قریب وہی فاصلہ ہے جو تخمین اب تک سورج اور زمین کے مابین دریافت کرسکے ہیں۔

چوٹی کا پتھر علامت مصطفےٰ یا مسیا

یہ امر نہایت دلچسپ ہے کہ چوٹی کا پتھر سورج کو ظاہر کرتا ہے جو مسیا کی
علامت ہو جسکو ملاکی نبی نے راستبازی کا سورج کہا ہو۔ اور جو
اپنے بازوؤں میں شفا لیکر آئے گا۔ ملاحظہ ہو ملاکی باب ۴۔ آیت ۲۔ آئندہ یہ بھی ظاہر کیا جائیگا کہ مینار میں سب
سے بڑا کمرہ جس کو لوگ شاہی کمرہ کہتے ہیں۔ مسیا کی روحانی فوقیت اور اس کے مقام سکونت کو ظاہر کرتا ہے
جو خداوند عالم نے نجات عالم کے لئے اس کو عطا کیا اور جس مقام سے مسیا نے بنی آدم کو روحانی تعلیم
دی۔ تمام بنی آدم کو ابدی زندگی کی شاہراہ دکھائی اور روحانی فضیلت و نجات کا تاج ان کے سر
پر رکھا۔

نوٹ:۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہو کہ چوٹی کا پتھر مخمس ہو اور اس کے نیچے پانچ سقف ہیں یعنی
دیوار کے چار پتھر۔ لہذا اگر چوٹی کا پتھر علامت مسیا ہے تو اس کا علامت پنجتنی ہونا محتاج ثبوت نہیں جبکہ
نو پتھر کی قطار بھی اس کے ہمراہ موجود ہیں۔ اندریں صورت لفظ مسیا پانچ نفوس قدسیہ متحد المقصد والتعلیم
پر حاوی ہے۔ جس کی صورت ظاہری آیۃ قرآنی قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم
وانفسنا وانفسکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دکھلائی۔ خود آنحضرتؐ حسنینؑ کو لئے
ہوئے آگے تھے۔ اور حضرت فاطمہؑ بیچ میں۔ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام سب کے پیچھے۔ یا دوسرے
الفاظ میں رسول و نفس رسول آگے پیچھے۔ ناموس ولایت و نبوت درمیان میں۔ کل پانچ نفوس۔ اور
آئندہ اس شریعت کے محافظ نو نفوس قدسیہ یعنی علیؑ و محمدؑ و جعفرؑ و موسیٰؑ و علیؑ و محمدؑ و علیؑ و حسنؑ و القائم مہدیؑ
علیہم السلام۔ کل چودہ نفوس طیبہ ہوئے۔ لہذا کمرۂ کلاں شریعت مصطفوی کی علامت ہو جس کے عالم
ایک رسول خود ایک دختر رسول اور بارہ اوصیائے رسول ہیں ان میں سے پانچ ایک ہی وقت عالم
تنزل میں موجود تھے۔ لہذا ہدایت کاملہ اس چودہ کے سلسلے کے علاوہ دوسری سلسلوں میں ناممکن ہو
یہی وہ سلسلہ ہے جو راز نجات بنی آدم ازل سے قرار پایا۔ جس کا حال آدم علیہ السلام کو بتلایا گیا۔ جس سے
توسل کرنے کا آنحضرت سے عہد باندھا گیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے ولقد عهدنا الی آدم من
قبل فنسی ولم نجد له عزما ۔ ہم نے پیشتر آدمؑ سے ایک عہد باندھ لیا تھا لیکن آدم نے اس کو چھوڑ دیا اور
ہم نے اس کو صاحب ارادہ او مستقل نہ پایا۔ جس امر کا عہد آدم علیہ السلام سے لیا گیا۔ وہ متابعت الہی
و توسل براز نجات عالم تھا۔ اس عہد کو آنحضرت نے اپنی اولاد تک پہونچایا زبانی نہیں بلکہ چونے پتھر
کی نہ مٹنے والی تحریر میں۔ لیکن اولاد آدم علیہ السلام نے اس عہد کو فراموش کر دیا تھا۔ یہانتک کہ اس
تحریر کا سمجھنا بھی ان کے لئے چیستان بن گیا۔ ان چودہ نفوس قدسیہ سے جو راز نجات عالم تھے توسل رکھنا
تو درکنار ان کو قطعاً فراموش کر دیا۔ اس سے زیادہ ارادہ خام کیا ہوگا۔

علاوہ ازیں چونکہ یہ وسیلہ بارگاہ الہی حبل اللہ ہے اس لئے اس کا ظہور ایسے مقام سے ہونا چاہئے

جس کا تعلق خدا کے نام سے ہو نہ ایسے مقام سے جس کی نسبت خدا کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کی ہو سکے۔ مثلاً بیت المقدس یعنی وہ مقام جس کو حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادت الٰہی کے لئے تجویز کیا اور سلیمان علیہ السلام نے تیار کرایا۔ لہٰذا نسبت بیت المقدس داؤد علیہ السلام کی جانب راجح ہے نہ کہ خدا کی جانب۔ اسی طرح بیت اللہ یا کعبہ وہ مقام ہے جس کو خدا نے اسمٰعیل علیہ السلام کی رہائش کے لئے خود تجویز کیا۔ اور اپنے خلیلؑ کو حکم دیا کہ اسمٰعیلؑ کو وادی فاران میں چھوڑ آؤ۔ لہٰذا جس مقام کو خدا نے خود تجویز کیا۔ اس کی نسبت خدا کی طرف ہوگی اور وہ مکان جو اس پسندیدہ مقام میں خلیل و اسمٰعیل علیہما السلام نے عبادت الٰہی کے لئے بحکم الٰہی تیار کیا وہ خانۂ خدا ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ خدائی دربار کا وسیلہ خانۂ خدا میں مل سکتا ہے نہ خانۂ غیر میں۔ لہٰذا راز نجات عالم کا ظہور اسی وادی فاران میں غار حرا اور خانۂ کعبہ سے ہوا۔ رسالت کا ظہور "قبلہ" کوہ پسندیدہ سے اور نفس رسالت کا ظہور خانۂ خدا سے۔ کیونکہ "خلافت و امامت" نفس رسالت ہے۔ اور نفس کا تعلق روح کے ساتھ وہی ہے۔ جو بادشاہ اور اس کے خلیفہ میں ہوتا ہے۔ یا نائب و منیب میں۔ رسالت روحانی بادشاہت ہے۔ اس کا مقام بلند ہے خلافت اس بجے جانے کام کو چلانا ہے یا اس بنائے ہوئے گھر کا انتظام کرنا۔ لہٰذا "رسالت" کوہ پسندیدۂ الٰہی سے" اور "خلافت" "خانۂ محترم الٰہی" سے ظاہر ہوئی۔ اس خداداد شرف کو نہ کوئی رسالت سے چھین سکتا ہے نہ خلافت و امامت سے۔

اس کے علاوہ اگر کمرۂ کلاں کی ساخت میں غور کیا جائے تو پانچ نو اور چودہ ہی نظر آتے ہیں۔ کمرے کی دیواروں میں بشمول سقف اول پانچ پانچ پتھر اس کے اوپر چار چھتیں فی چھت ایک پتھر۔ اور سب کے اوپر وہی مخمس پتھر۔ فرش میں پانچ پتھر۔ محرابوں میں پانچ پتیاں پانچ محراب وغیرہ۔ (نقشہ منسلکہ ملاحظہ ہو۔) چھت میں پانچ شہتیر۔ غرضیکہ ہر طرف پانچ کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اور بنیاد سے چوٹی تک دیکھنے والے کو پانچ اور نو کی قطاریں نظر آتی ہیں جس کا مجموعہ چودہ ہوتا ہے۔ ایسا سلسلہ جو صرف چودہ میں محدود ہو۔ صرف ایک نبی اسلام علیہ وآلہ الاف التحیہ والسلام کا سلسلہ ہے لہٰذا یہی وہ راز نجات عالم ہے جسکو انبیائے سلف مسیا کے نام سے ذکر کرتے رہے۔ مسیا کی لفظی معنی مقرر شدہ یا موعود ہیں جیسا کہ ملاکی ۳ میں اسی مسیا کو عہد کا رسول بیان کیا گیا ہے۔ پس اس رسول سے زیادہ اور کون اس لقب کا مستحق ہو سکتا ہے جو مقام پسندیدہ میں رہے۔ مکان چیدہ سے ظاہر ہو۔ اور اس کے نائب کا مولد خانہ محترم الٰہی ہو۔ جو نتیجہ دعائے خلیل ہو۔ ولد اسمٰعیل ہو۔ ساکن شہر جلیل ہو۔ اور آیۂ میثاق سے اس کا رسول عہد ہونا ظاہر و باہر ہو۔)

میناری انچ سے شاہی کمرہ میں ایکسال مراد ہونا

یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ کمرۂ کلاں کے طول کا دوچند

میناری انچوں میں۔ جب اس کو دروازہ مینار کے زاویہ کے مطابق شمار کریں تو زمین کی سالانہ حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو وہ سورج کے گرد کرتی ہے۔ پس جب طول کے دوچند کو زینہ کے فرش پر نشان دیں اور فرش کرہ کی اعلیٰ داخل حدود سے عمود وقاعدہ کھینچیں تو عمود کی بلندی سال کے ایام کے مطابق ہوگی۔ یعنی عمود ۳۶۵٫۲۴۲۲ انچ ہوگا۔ ایک اور طریقہ سے بھی شاہی کمرہ شمسی سال ظاہر کرتا ہے۔ پروفیسر سمتھ نے بیان کیا ہے کہ شاہی کمرہ کا طول لیکر اسکو ایک دائرہ کا نصف قطر سمجھو علوم مروجہ کے مطابق اس کا رقبہ معلوم کرو۔ اس دائرہ کے رقبہ کو مربع شکل میں لے آؤ۔ اور اس مربع کا ضلع دریافت کرو۔ یہ ۳۶۵٫۲۴۲۲ ہوگا۔

اس کے علاوہ اور بہت سی علمی باتیں ہیں جو اپنی پیچیدگیوں کے باعث اس مضمون کے قابل نہیں اس لئے نظر انداز کی جاتی ہیں۔ مثلاً صعود و ہبوط شمس جس کی مدت ۲۵۸۲۷ برس ہے۔ کیونکہ قاعدے کے دونوں قطروں کا مجموعہ تقریباً ۲۵۸۲۷ میناری انچ ہے۔ ایک اور طرح بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کمرۂ کلاں کے فرش کی سطح اوتاد مینار سے ۱۷۰٫۲ انچ بلندی پر ہے۔ اور دائرۂ مینار اس سطح پر ٹھیک ۱۲۵۸۲٫۷ انچ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب کل مینار کی بلندی ۵۸۱۳ انچ سورج کے فاصلہ کو ظاہر کرتی ہے تو اس کی جزوی بلندی اسی قاعدے کے بموجب سورج کے صعود و ہبوط کو ظاہر کرے گی یعنی کمرۂ شاہی سے اوپر اوپر کی بلندی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ترجمہ از انگریزی۔)

دیگر امور ضروریہ متعلق مینار

(۱)۔ کمرۂ خورد عمارت مینار کے چھبیسویں سنگ تعمیر پر واقع ہے۔ اور کمرۂ کلاں پچاسویں سنگ تعمیر پر۔ لہذا ہر دو کمرہ سے شریعت موسوی اور شریعت محمدی مراد ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام سے چھبیسویں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اکاونویں پشت میں ہیں

(۲)۔ کمرۂ اول کا راستہ زینہ اول کے خاتمہ پر ہے۔ اسی جگہ سے زینہ دوم شروع ہوتا ہے جس کے اختتام پر راہ کمرۂ دوم ہے۔ لہذا کمرۂ اول و دوم ایک ہی زینہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نسلی امتیاز سے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ہی جد کی نسل ہیں۔ یعنی دونوں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ایک نسل اسحق علیہ السلام سے اور دوسری نسل اسمٰعیل علیہ السلام سے۔

(۳)۔ تیسرے کمرۂ خورد میں ہوا کی آمدورفت کے وسائل ناممکن ہیں۔ ہوا کی نالیاں دیوار تک لاکر چھوڑ دی گئی ہیں۔ اور ان کو کمرہ کے اندر کی جانب سے بند رکھا گیا ہے۔ لہذا حیات شریعت موسوی ابدی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حیات کا مدار ہوا پر ہے۔ ہوائے موجودہ ایک خاص وقت تک کفایت کر سکتی ہے۔ اسی طرح شریعت موسوی ابدی شریعت نہ تھی بلکہ ایک خاص وقت تک اس نے رائج رہنا تھا

اس کے بعد منسوخ۔

کرۂ دوم میں ان وسائل زندگی کا مکمل ہونا اوس کے قیام دوام کی دلیل ہے لہذا شریعت محمدی ابدی شریعت کاملہ ہے جس کے بعد کسی دوسری شریعت کی ضرورت نہیں۔

(۴) کرۂ خورد کی انتہائی بلندی اڑتیسویں سنگ تعمیر تک پہونچتی ہے۔ لیکن خود اس بلندی تک اس کی آٹھویں تعمیری سطح ہے۔ لہذا سلسلۂ نسل اسحق میں آٹھویں پشت اسمعیلی سلسلہ کی اڑتیسویں پشت کی ہمعصر ہے۔ جو تواریخ و شجرہ انساب سے درست نکلتا ہے۔

(۵) مینار ایک ایسے بیضوی قطع زمین کے گوشہ میں ایک چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے جو جزیرہ نما کے مشابہ ہو جس کے جنوبی حصہ کو دریائے نیل نے گھیر رکھا ہے اور مشرقی و شمالی حصہ بحر قلزم و بحر روم نے پس ہر دو خانوادۂ ہدایت کا ایک ایسے ہی جزیرہ نما میں ہونا ضروری ہو جس میں یہ اوصاف ملتے ہوں۔

(۶) قدمچۂ بالائی زینۂ دوم کی بلندی ۳۶ انچ اور عرض ۱۰۱ انچ ہے۔ اگر بلندی علامت روحانیت اور سطح علامت کمال نفس فرض کی جائے تو اس سے یہ معنی پیدا ہو سکتے ہیں کہ روحانی ۳۶ کے بعد کمال نفس کی ۱۰ سطح ہوگی۔ یا دوسرے الفاظ میں اسمعیلی چھتیسویں پشت کے بعد اسرائیلی آٹھویں پشت ہوگی۔ تاریخ سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا زمانۂ نبوت لوی بن غالب کے عہد میں تھا۔ کنانہ بن خزیمہ اسوقت زندہ تھے۔ جو آدم علیہ السلام سے سینتیسویں پشت میں تھے۔ حضرت عیسی علیہ السلام سلسلۂ اسحق علیہ السلام سے ہیں اور آدم علیہ السلام سے آٹھویں پشت میں ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو شجرہ نسب)

(۷) قدیم زمانے سے یہ کہاوت چلی آتی ہے کہ "زمین بیل کے سینگ یا مچھلی کے سر پر قائم ہے" اس کہاوت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ زمین خلا میں قائم ہے۔ کیونکہ مینار مخروطی ہو۔ ایسا ہی مچھلی اور سینگ بھی مخروطی ہوتے ہیں۔ تینوں میں مشابہت قائم ہوگئی۔ زمین گول ہو۔ لہذا اس کا سایہ مخروطی شکل کا ہوگا۔ جیسا کہ خاکۂ ذیل سے ثابت ہوگا

شعاع زمین
سورج
سایہ
دن رات

لہذا زمین اپنے ہی سایہ پر قائم ہے۔ مینار چٹان پر بنا ہوا ہے۔ اگر روشنی مینار کے مخالف سمت میں ہو تو اس بیضوی قطع زمین کا سایہ مینار ہوگا۔

(ب) مچھلی کو حوت کہتے ہیں۔ اور قرن الایل بیل کا سینگ برج ثور ہوا۔ برج حوت برج حمل کے مشرق میں۔ اور برج ثور مغرب میں ہے۔ علم نجوم کے مطابق برج حمل مقام شرف شمس ہے لہذا برج حمل یا مقام شرف شمس نہ شرقی ہوا نہ غربی بلکہ بین وسط یا مقام عدل میں واقع ہوا۔ کیونکہ سورج اگر برج حوت میں ہو تو راتیں طویل اور دن کوتاہ ہوتے ہیں۔ اگر برج ثور میں ہو تو دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ لہذا برج حمل کے ۱۹ درجہ پر آفتاب اپنے شرف میں ہوگا

اور روزات مساوی۔ گرمی سردی معتدل یعنی موسم بہار ہوگا۔ جو بہترین موسم ہے۔ جسوقت آفتاب برج حوت میں ہو برج حمل کا سایہ برج ثور پر ہوگا۔ اور جب برج ثور میں ہو تو اس کے برعکس۔ لہذا برج حمل یا حمل کے سر پر ہو یا بیل کے سینگ پر یعنی دونوں برج حمل کے زیر سایہ ہی رہیں گے۔ اس سے افضل نہیں ہو سکتے۔

حمل عربی لفظ ہو جس کی ہندی میکھ ہے دیکھ ہندی عبرانی میخ کے ہم معنی ہے جس کے معنی تموار ہوتے ہیں۔) حمل مینڈھا بھی ہے جنین بھی اور بوجھ بھی۔ اگر مینڈھا مراد لیجائے تو اس کے معنی ذبیح قرار پائیں گے۔ اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ آفتاب ہدایت جب نسل ذبیح سے طلوع کرے گا۔ تو ہدایت کامل کا زمانہ ہوگا۔ جنین تخم حیات انسانی ہے لہذا یہ مطلوب جمیع مخلوقات ہوا۔ بوجہ علامت ارضیت ہے۔ ارضیت مٹی ہوئی جسکو تراب کہتے ہیں۔ لہذا آفتاب ہدایت اسوقت اپنے کمال پر ہوگا جبکہ وہ ذبیح کی نسل سے ہو اور ترابی جنین کا باپ (بوتراب) کہلائے۔ نیز اسوقت نو دس (۱۹) سال کی عمر میں ہو۔ اور صاحب شمشیر صاعقہ بار ہو۔

حمل کو کبش بھی کہتے ہیں۔ ابوجہل وغیرہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن کبشہ بھی کہتے تھے لہذا تاریخی ثبوت بیان گذشتہ کے مطابق ہے جب جناب رسالت مآب نے اعلان نبوت کیا تو آئندہ مقام ہدایت خلق کا اعلان بھی اسی وقت کر دیا۔ اور اپنے بعد اپنے جانشین کو مجمع کے سامنے پیش کر کے اپنا بھائی اپنا وزیر اور اپنا خلیفہ مقرر کر دیا اس ولی عہد کی عمر اسوقت نو دس سال کے درمیان تھی۔ نو سے زیادہ اور دس سے کم۔ لہذا آفتاب ہدایت اس وقت تک درجۂ شرف میں ہے جبکہ وہ سلسلۂ ابوتراب میں قائم ہو۔ دوسرے سلسلہ اس شرف کے لئے مخصوص نہیں ہوئے۔ کیونکہ "میزان" ہبوط شمس کا مقام ہو۔ اگر منصب ہدایت بوترابی سلسلہ سے نکالکر ترازو والوں کو دیں تو ہدایت کا آفتاب ہبوط میں آجائے گا۔ قدیم کہاوت بھی یہی کہتی ہو "قسمت پھوٹی جانئے جو بنیا راجہ ہو" نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ہدایت حقہ کاملہ اسی وقت ممکن ہو جبکہ آفتاب ہدایت اپنے برج شرف میں ہو۔ ثور و حوت (بت پرستی و نجوم پرستی ہدایت حقہ پر فائز نہیں ہو سکتی۔) برج شرف نہیں ہو سکتے یہی حکم قرآن ہو لاینال عہدی الظلمین منصب ہدایت پر ظالم فائز نہیں ہو سکتا۔ وکذالک جعلنکم امۃ وسطا۔ اسی طرح سے اے اہلبیت نبی ہمنے تم کو امت وسط قرار دیا ہے۔

پس علی و اولاد علی علیہم الصلوۃ والسلام ہی حقیقی وارث نبوت و رسالت ہیں۔ اس میں زمانہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ کیونکہ ان کا دامن دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہو۔ (حتی یردا علی الحوض)

(ج) یہ کون نہیں مانتا کہ ہر ایک سلسلہ میں ایک ہی افسر اعلیٰ ہوتا ہے جس کے ماتحت بیشمار افسر اور حاکم کار ہائے منصبی ادا کرتے ہیں اگر کوئی افسر اعلیٰ نہ ہو تو سب حاکم متفرق ہو جائیں گے۔ مثلاً بصر

میں چوٹی کا پتھر اسی افسر اعلیٰ کو ثابت کرتا ہے۔ یہ اسی کا پرتو ہی کہ کل عمارت ابھی تک باقی ہی۔ اسی پتھر کو ہم پیشتر علامت مسیا یا مصطفےٰ تحریر کر چکے۔ لہذا مصطفےٰ ہی افسر و سرتاج انبیائے سلف قرار پائے۔

چونکہ نائب اپنے منیب سے بڑا نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے حکم کے مقابلے میں نائب کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ تنسیخ شریعتہائے سلف کی یہی غایت ہی۔ اس سے حکم توریت منسوخ ہوا اگر وہ باقی رہنے والی شریعت ہوتی تو ایسے معلم کی ضرورت نہ ہوتی جو ہارونی طریقہ کا نہ ہو بلکہ ملک صدق کے طریقہ کا شمار ہو۔ جب معلم بدل گئے تو شریعت بھی بدلنی ضروری ہے۔ اس لئے نبی کی معرفت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا کہ "تو ملک صدق کے طریقہ کا ابد تک کاہن ہی" (زبور ۱۱۰)

لیکن وہ شریعت جس کی کہانت ملک صدق کی ملکیت ہو زمانہ مسیح علیہ السلام میں موجود نہیں تھی۔ ورنہ مسیح علیہ السلام ابد الآباد تک اسی کے معلم رہتے۔ لہذا غیبت مسیح لازم آئی۔ اور وہ اس آنیوالی شریعت کی کچھ عرصہ تک منادی کر کے غائب ہو گئے تاکہ وقت مقررہ پر قائم آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسسٹنٹ ہوں۔ خود اناجیل مروجہ میں اقوال مسیح علیہ السلام سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ آیندہ ذکر ہوگا

(د) آخر میں ہم یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر تاریخی واقعات سے صرف ایک دو کا پیمائشی پیمائش سے تطابق ہو جاتا تو اس کو امر اتفاقی کہنا بجا تھا۔ لیکن متعدد تاریخی واقعات کا اور متواتر سنین کا پیمائش مینار سے مطابق ہونا کچھ معنی رکھتا ہی۔ اس لئے ہمیں یہ کہنے سے کوئی امر مانع نہیں کہ عمارت مذکورہ بقیہ از آثار انبیائے سلف ہے۔ اس میں آیندہ ہونیوالے واقعات پیشگوئی کے طور پہ پیمائشی تحریر میں درج کئے گئے ہیں۔ تاکہ دستبرد ابنائے زمانہ سے محفوظ رہیں۔

سید حسین بن سید محمد حسین موسوی
ابنالوی

اسقدر تمہید کے بعد ذیل میں مختلف حصص مینار کی پیمایش درج کیجاتی ہے۔ جس پر کل نتائج مندرجہ مضمون ہذا کا دار و مدار ہے۔ نقشۂ مینار ہر ایک پیمایش کے ذہن نشین کرنے کے لئے ہمراہ موجود ہے۔

(۱) اول چٹان جس پر مینار بنایا گیا ہے کچھ کم لمبی چوڑی نہ ہوگی لیکن محققین نے یا اسطرف توجہ نہیں کی یا خوبی حسرت سے وہ پیمایش ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ اس لئے مجبوراً چھوڑنا پڑی۔

(۲) فرش مینار کا عمق۔ چٹان کی سطح کو ہموار کر کے ۲۹ ۳/۴ انچ موٹا فرش بچھایا گیا ہے (زیادہ صحیح طور سے ۲۹٫۷۴)

(۳) سطح فرش سے دروازۂ مینار تک ترچھا فاصلہ ۸۷۶ ۱/۲ انچ ہے۔

،، عمودی ،، ۴۹۸٫۹۴ ،، ۶۶۷ ،، (سطح پلستری تک)

،، موجودہ راہ کے دروازہ تک ،، ،، ۹۴۴٫۰۰ ،، ،، ،،

(۴) فرش دروازہ مینار، سطح متوازی فرش کمرہ خورد ۲۴۲ ۳/۴ انچ کی بلندی پر ہے

(۵) راہ مینار تقریباً ۴۷ ۱/۲ انچ مربع ہے۔

،، کا طول زینۂ اول کے مقام تقاطع تک ۱۹۸۶ ۱/۴ انچ ہے

،، ،، بشمول سنگ پلستری ،، ،، (موٹائی ۱۲۴ ۱/۲ انچ) ۱۱۱۰ ۳/۴ انچ ہے

،، ،، از مقام تقاطع تا راہ ہموار غار ۳۰۳۷ ۱/۲ ،، ،،

ہموار راستۂ غار کا طول ۳۳۵ ۱/۴ ،،

راہ مینار کا کل طول غار تک (بشمول سنگ پلستری) ۴۴۹۹ ،، ،،

(۶) غار کے کنارے کنارے راستہ کا طول ۳۲۵ ۱/۴ ،، ،،

،، ،، دوسری طرف تنگ راہ کا ،، ۶۴۳ ،، ،،

راہ مینار کا کل طول (بشمول سنگ پلستری) تا آخر حد ۵۴۶۷ ۱/۴ ،، ،،

،، طول مقام تقاطع سے آخر حد تک ۴۳۵۶ ۱/۲ ،، ،،

(۷) عمق غار سطح راہ سے تقریباً ۱۷۳٫۳۵ ،، ،،

عرض ،، ،، ،، ،، ۱۲۱٫۷۵ ،، ،،

(۸) طول سنگ سیاہ زینۂ اول ۱۷۸ ،، ،،

(۹) مقام تقاطع راہ مینار و زینۂ اول کے فرش کمرہ خورد کی سطح تک

(ا) سقف راہ مینار کی سطح سے ،، ،، ۶۲۲ ۱/۴ ،، ،،

(ب) فرش ،، ،، ،، ،، ،، ۶۶۹ ۳/۴ ،، ،،

(ج) مقام تقاطع کی سقف کی ،، ،، ۴۶۹ ۳/۴ ،، ،،

پیمانہ = ۱ انچ = ۳۰۰ انچ
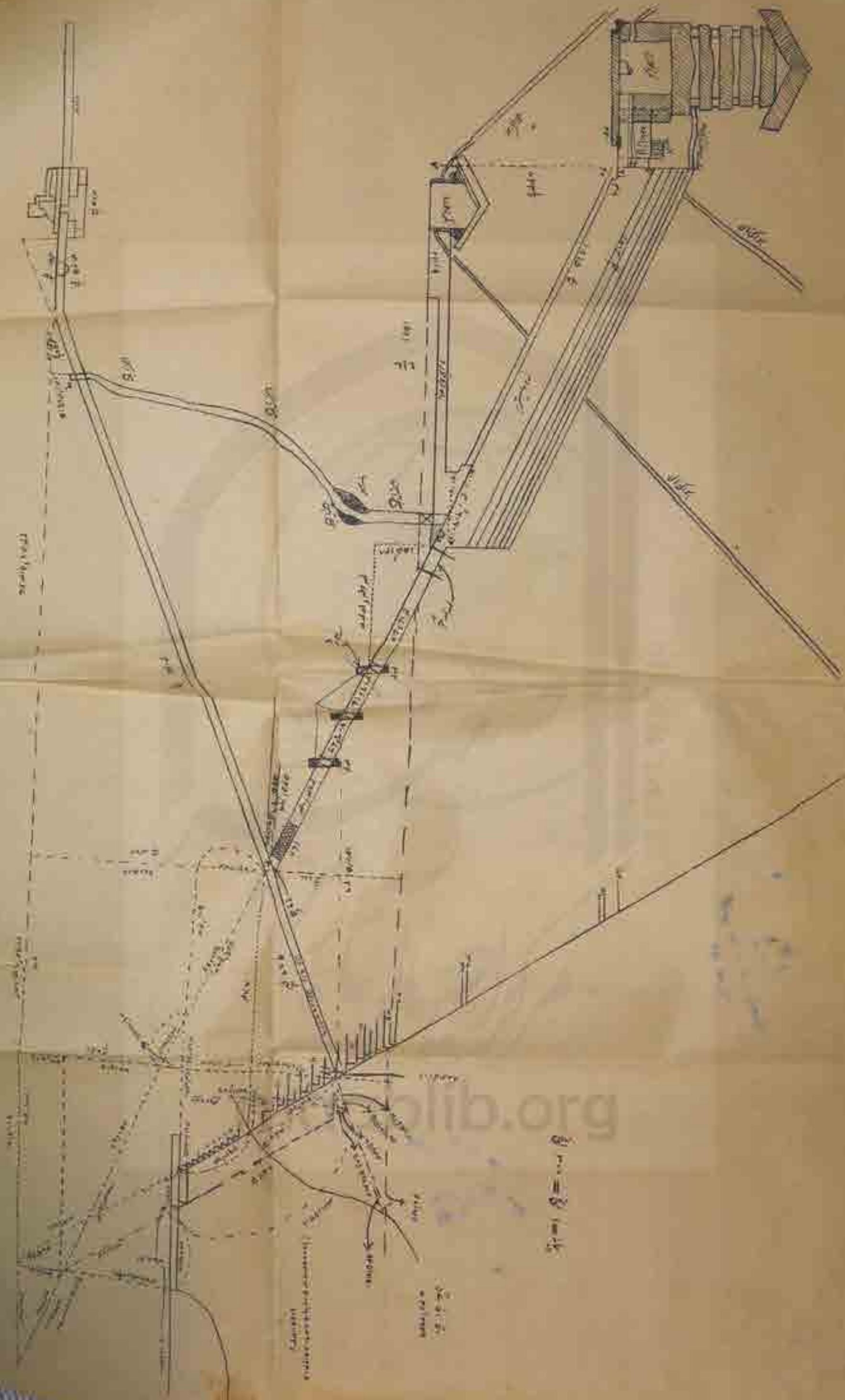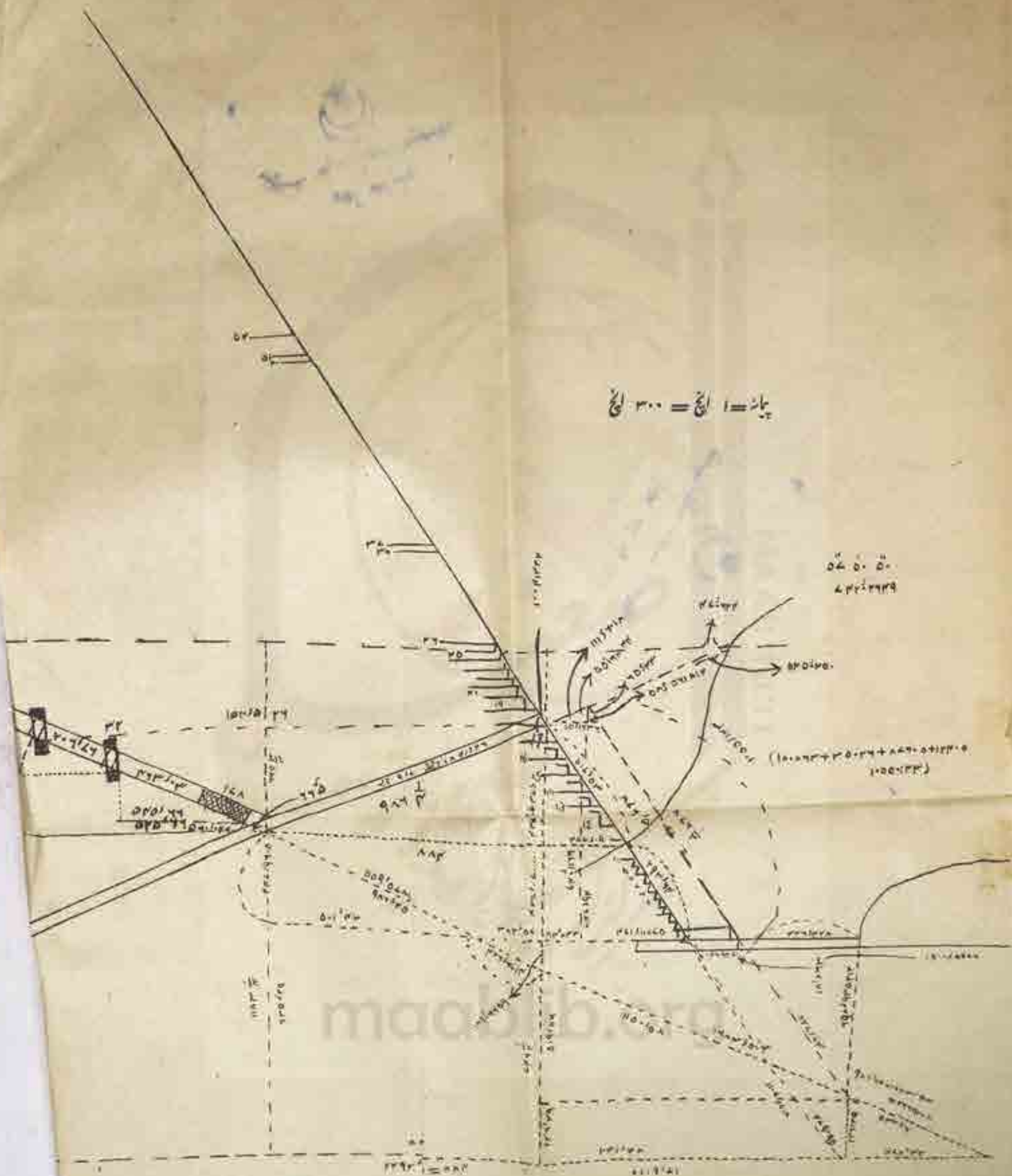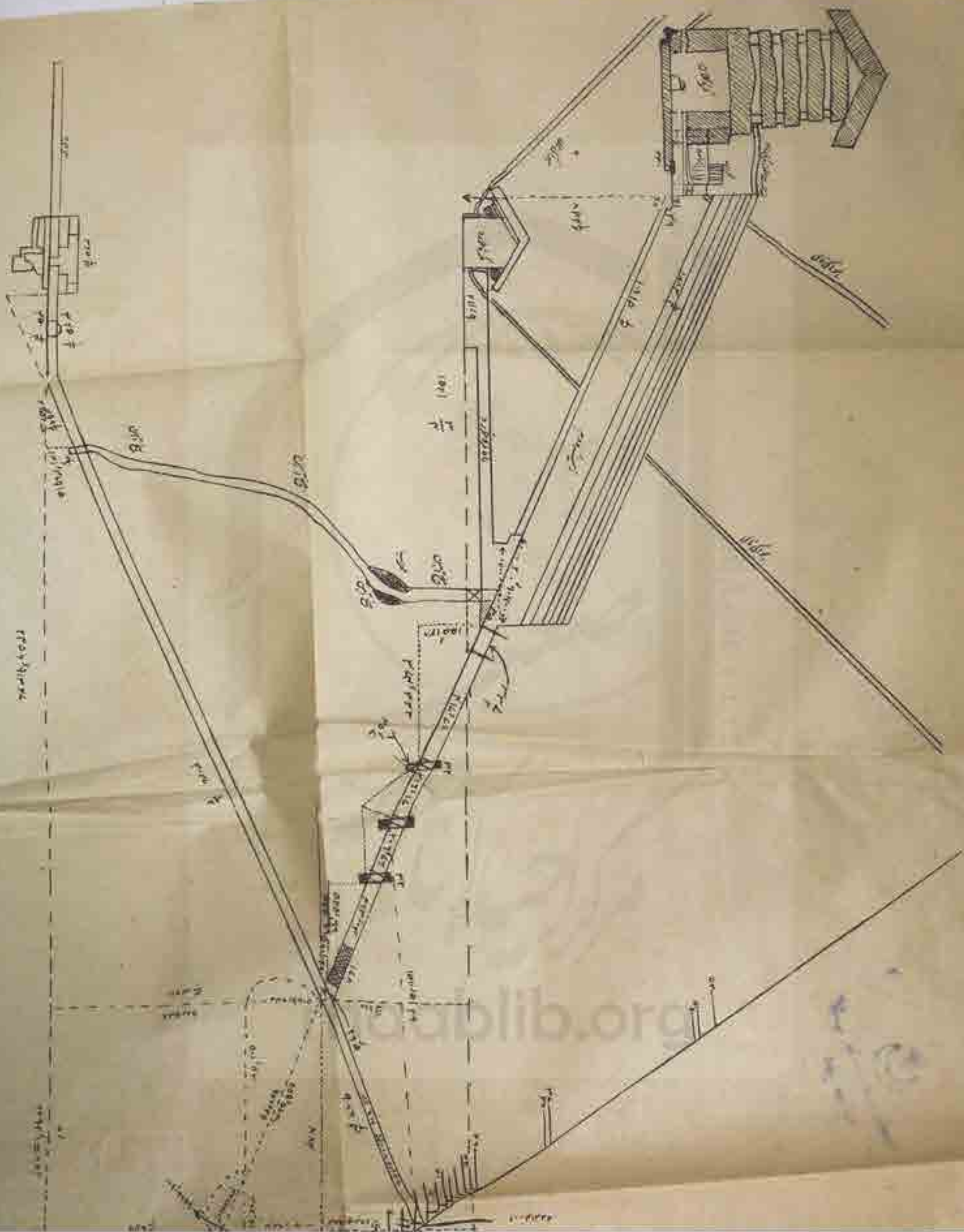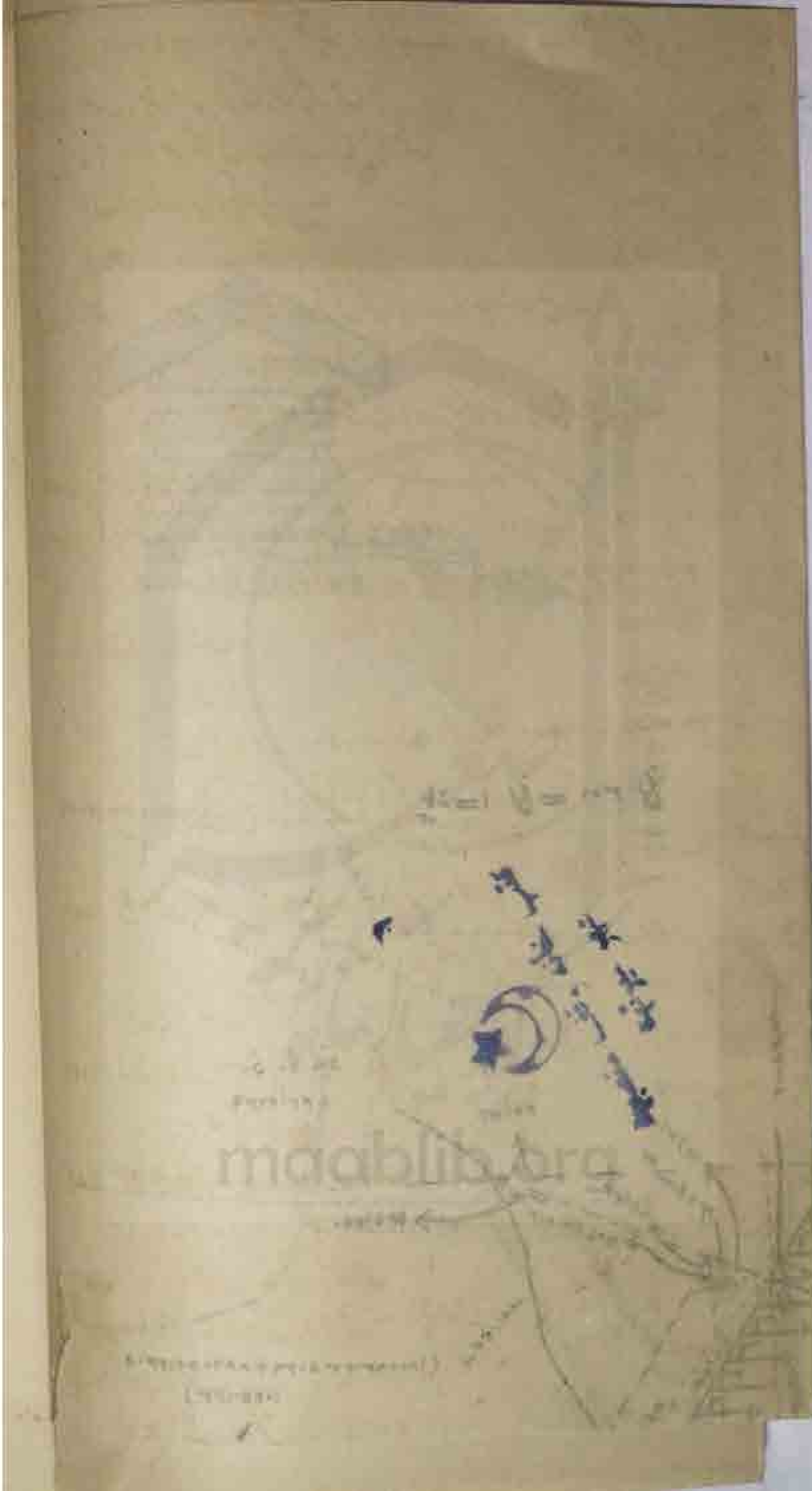
زاویہ راہ ۲۶٫۵ درجہ ۲۸ دقیقہ ۱۰ ثانیہ ہے (۹٫۷ ثانیہ = ۱۰ ثانیہ تقریباً)

(۱۰) طول زینۂ اول کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(ا) مقام تقاطع سے انتہائے زینہ تک — ۱۵۴۵ انچ ہے۔

(ب) سنگ سیاہ کی ابتدا سے " — ۱۴۷۰ ۳/۴ " "

(ج) " کے اختتام " " — ۱۴۹۲ ۵/۸ " "

(۱۱) عمود از راہ مینار در سطح متوازی فرش کمرۂ خورد کے مقام تقاطع سے زینہ تک طول — ۱۳۵۵ " "

" " " زینہ دوم کے گوشہ کے خط اور سطح کمرۂ خورد کے مقام تقاطع تک — ۱۳۸۵ " "

(۱۲) طول راہ کمرۂ خورد — ۱۵۲۱ ۳/۸ " "

(۱۳) کمرۂ خورد - طول (۲۲۶٫۷۴ انچ سے ۲۲۶٫۹۷۳ انچ) اوسط ۲۲۶٫۸۵۶۵ " "

عرض (۲۰۵٫۳۹۵ " ۲۰۵٫۷۹۴) اوسط ۲۰۵٫۵۹۴۵ " "

بلندی دیوار شمالی — ۱۸۱٫۳۱۹ " "

" " جنوبی — ۱۸۳٫۰۱۷ " "

" سقف کمرۂ خورد (۲۴۳٫۶۵۶ " ۲۴۴٫۹۵۵) اوسط ۲۴۴٫۳۰۵۵ " "

(۱۴) راہ زینۂ دوم کے آغاز پر دہانۂ چاہ کا طول — ۲۶ ۱/۸ " "

" " " " عرض — ۲۶ " "

(۱۵) سطح فرش کمرۂ خورد سے سطح زیریں فرش کمرہ کلاں تک فاصلہ — ۸۴۴ ۱/۴ " "

" " " " بالائی " " — ۸۵۵ ۱/۴ " "

فرش کمرۂ کلاں کا عمق — ۳۰ ۳/۴ " "

(۱۶) زینۂ دوم کی سقف کا طول — ۱۸۸۳ ۱/۴ " "

" " کا سطحی طول — ۱۸۱۵ ۱/۴ " "

(۱۷) آخری قدمچہ زینۂ دوم کی بلندی — ۳۶ " "

" " کا عرض — ۴۱ " "

(۱۸) راہ کمرۂ کلاں کے تین حصے ہیں

(ا) تنگ راہ ملحق کمرہ عرض ۴۸ انچ طول — ۱۰۰ ۱/۴ " "

(ب) صحن یا برآمدہ " ۱۰۹ " " — ۱۶۹ ۳/۴ " "

(ج) تنگ راہ ملحق زینہ " ۴۸ " " — ۹۰ " "

نوٹ:- سوائے سنگ راہ ملحق زینہ کے جو سیاہ چونہ گچ ہے باقی کل حصہ دیواریں فرش سنگ موسٰی (سیاہ) کے ہیں۔)

(۱۹) برآمدہ کا طول شمالاً جنوباً ۱۱۶٫۷۶ انچ ہے

" فرش " ۱۰۳٫۰۳ " "

" عرض شرقاً غرباً محرابوں سے اوپر دیواروں کے درمیان ۲٫۶۵ " "

" ارتفاع فرش سے سقف تک ۱۳۹٫۳ " "

" " " مشرقی محراب " ۱۰۳٫۰۳ " "

" " " مغربی " " ۱۱۱٫۸ " "

سنگ سیاہ برآمدہ کا عرض ۳۱٫۷ " "

" سے کمرہ کلاں تک فاصلہ ۱۶۵٫۳۵ " "

" کی بقیہ فرش سے بلندی ۰۰۰٫۳۵ " "

(۲۰) کمرہ کلاں کا طول ۳۱۲٫۱۲۲ " "

" " عرض ۲۰۶٫۶۶ " "

" کے دیواروں کی بلندی ۲۳۵٫۳۸۸ " "

" فرش سے سقف تک " ۲۳۰٫۲۸۸ " "

(۲۱) " کی بیرونی بلندی سطح فرش سے قلہ سقف تک تقریباً ۷۰ فٹ ۸۴۰٫۰۰۰ " "

(۲۲) چاہ سے سطح کمرہ خورد تک فاصلہ ۱۸۵۴٫۰۰ " "

(۲۳) قعر غار سے زیریں سطح فرش کمرہ کلاں تک فاصلہ ۲۸۶۰٫۸۵ " "

" بالائی " " " ۲۸۸۱٫۷۰ " "

(۲۴) بلندی زینہ دوم زائد از ۲۸ فٹ ۳۳۶ " "

(۲۵) زینہ دوم سے سقف کمرہ کلاں پر راستہ کا طول ۲۸ فٹ یا ۳۳۶ " "

" " " عرض ۳۱½ " "

(۲۶) زینہ اول کی آہنی میخوں کا فاصلہ حسب ذیل ہے۔

(۱) سنگ سیاہ سے پہلی میخ تک فاصلہ ۴۶۶٫۰۳ " "

(۲) پہلی میخ " دوسری " " ۲۰۶٫۷۶۴ " "

(۳) دوسری " تیسری " " ۲۰۶٫۱۷۳ " "

(۴) تیسری " اختتام زینہ " " ۴۱۷٫۷۸۳ " "

(۵) سنگ سیاہ کا طول ۱۶۸ انچ ہے۔
(۶) " سے مقام تقاطع راہ مینار تک ۵۷۴۴ " "

❋

ان پیمائشوں سے بعض ناپکر اور بعض قواعد مساحت الاضلاع کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں۔ قواعد مساحت الاضلاع حسب ذیل ہیں

علم مساحت الاضلاع والزوایا

وہ علم ہے کہ جس میں مثلث اشکال کے ضلعوں اور زاویوں کی پیمائش سے بحث ہو۔ مثلاً کسی مثلث کا ایک ضلع اور ایک زاویہ معلوم ہے۔ اس کے دوسرے اضلاع معلوم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ اس کے قواعد منضبط ہیں۔ اور نتیجہ عمل کا دارمدار نسبت اضلاع پر ہے جو بدل نہیں سکتا۔ اس لئے جوابات مستند ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی زاویہ کے عمود کو اس کے قاعدے سے ہمیشہ ایک ہی نسبت رہیگی خواہ مثلث چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس لئے اگر۔

(۱) عمود و قطر معلوم ہوں تو ان کا زاویہ اسی نسبت کے ذریعہ معلوم ہو جائے گا کیونکہ عمود ÷ قطر = نسبت معلومہ زاویہ مخصوصہ جس کو سائن کہتے ہیں۔ مثلث کے تین ضلعے ہوتے ہیں ان میں سے دو دو ضلعوں کے حساب سے آٹھ نسبتیں فی زاویہ قائم ہو سکتی ہیں۔ لیکن مشہور صرف چھ ہیں۔ باقی کی دو پہلی دو سے ماخوذ ہیں۔ لہذا وہ نئی نسبت ظاہر نہیں کرتیں۔ یہ نسبتیں اس طرح پر ہیں۔

(۱) سائن یعنی عمود ÷ قطر
(۲) ٹینجنٹ " عمود ÷ قاعدہ
(۳) کوسیکنٹ " قطر ÷ عمود
(۴) کوٹینجنٹ " قاعدہ ÷ عمود
(۵) کوسائن " قاعدہ ÷ قطر
(۶) سیکنٹ " قطر ÷ قاعدہ
(۷) کورس سائن " ۱ ـ سائن
(۸) " کوسائن " ۱ ÷ (۱ ـ کوسائن)

أ د دائرہ ہے جس کا نصف قطر ج د ہے اگر سلاج م ج مقام ج پر د سے گھومتی ہوئی د ج م زاویہ بنائے اور دائرہ کو مقام ا میں قطع کرے تو عمود ا ب کی نسبت قطر ا ج اور قاعدہ ب ج کے ساتھ ہمیشہ ایک ہی رہیگی جب تک کہ زاویہ د ج م قائم ہے۔ اگر زاویہ بدلکر د ج مَ ہو جائے تو یہ نسبت بھی بدلجائیگی اور قاعدہ و عمود کی لمبائی بھی۔

میناری زاویوں کی نسبتیں

پیشتر ذکر ہو چکا کہ راہ مینار کا زاویہ ۲۶ درجہ ۱۰ دقیقہ ۱۷ ۹ ثانیہ ہے۔ اس زاویہ کی نسبتیں حسب ذیل ہیں

(۱) سائن = ۰٫۴۴۳۱۱۳۴۲ (۲) کوسائن = ۰٫۸۹۶۴۹۵۵۳۷
(۳) ٹینجنٹ = ۰٫۴۹۴۲۸۹۴۵۷ (۴) کوٹینجنٹ = ۲٫۰۲۳۱۰۶۰۷۲
(۵) سیکنٹ = ۱٫۱۱۵۴۹۱۸۴۹۵ (۶) کوسیکنٹ = ۲٫۲۵۶۷۵۸۳۳۴

طریق استعمال نسبت ہائے

قطر معلوم ہو زاویہ معلوم ہے دوسرے ضلع کو اس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔

سائن = عمود ÷ قطر۔ لہذا عمود = قطر × سائن

کوسائن = قاعدہ ÷ قطر۔ لہذا قاعدہ = قطر × کوسائن۔

علیٰ ہذا القیاس اسی طرح دوسری نسبتیں بقیہ اضلاع دریافت کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں مثلاً

ٹینجنٹ = عمود ÷ قاعدہ لہذا عمود = قاعدہ × ٹینجنٹ

کوٹینجنٹ = قاعدہ ÷ عمود " قاعدہ = عمود × کوٹینجنٹ

کوسیکنٹ = قطر ÷ عمود " قطر = " × کوسیکنٹ

سب سے ضروری امر صحت عمل ہو۔ مثلاً ایک ضلع قاعدہ ہے۔ جبتک ہم اسکو قاعدہ مان کر اسکے مطابق نسبتیں استعمال نہ کریں۔ جواب درست ہونے کی توقع رکھنا لاحاصل ہو۔

مینار کے راستوں اور زاویوں کی پیمائش سے جو نتائج اور اعداد ظاہر ہوتے ہیں جب ذیل ہیں خاکہ کو خوب غور کے ساتھ دیکھنا لازمی ہے تاکہ قاعدے اور عمود اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں اور عملی غلطی سے نجات ملے (ملاحظہ ہو حاشیہ خاکہ منسلکہ)

❋

اب ہم اصلی مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

زمانہ کی یہی رنگت ہو کہ واقعات کی یادداشت کے لئے زمانہ کی قید لگائی جاتی ہو۔ تاکہ زمانہ مابعد کے واقعات پہلے زمانہ کی واقعات سے اپنی ہستی کے عنوان میں ممتاز نظر آئیں۔ لیکن اندازۂ زمانہ اسوقت ممکن ہو جبکہ ہم اس کا کسی کم از کم زمانہ سے تقابل کریں۔ کیونکہ جو واقعہ پیش آچکا اسکا زمانہ ہم سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ فاصلہ ہر صورت میں فاصلہ ہی ہو خواہ وہ حواس خمسۂ ظاہری کے ذریعہ محسوس ہو یا قوائے باطنی سے۔ بہر صورت اس کی پیمائش کے لئے کوئی معیار ضرور قائم کرنا پڑے گا۔ موجودہ زمانہ میں اندازۂ وقت کے بیشمار ذرائع رائج ہیں۔ لیکن جب یہ ذرائع موجود نہ تھے عقل انسانی اس وقت بھی اس معمہ کو حل کرنے سے غافل نہ تھی اس نے کم از کم مقدار محسوسہ کو معیار قائم کرکے زمانہ کی پیمائش شروع کردی۔ اس معیار کو طرفۃ العین کہا اور پھر اسی طرح گھڑی پل پہر دن رات میں قائم کر دیئے۔ جس سے گذشتہ

واقعات کا زمانہ معلوم ہوتا رہا۔

لیکن اگر حساب کی یہی کیفیت ہوتی تو اس کا یاد رکھنا کٹھن تھا۔ مغالطہ ہوتا۔ آسان تھا۔ مشاہدات میں سورج کا طلوع و غروب چاند کا گھٹنا بڑھنا اور پھر ہلالی صورت میں نظر آنا موسموں کا تغیر و تبدل اور ایک خاص زمانہ کے بعد ہر ایک موسم کا پھر پلٹ آنا موجود تھے۔ لہذا چاند کے نظر آنے سے دوبارہ ہلال ہونے تک ایک مدت معین ہو گئی۔ جس کا موسموں کے ساتھ تقابل کرنے سے مہینہ اور سال کی مقداریں قائم ہو گئیں۔ پھر جیسی ضرورتیں لاحق ہوتی رہیں۔ ویسی ہی اختراعیں اور اندازے بنتے چلے گئے چنانچہ مختلف ممالک میں اندازہ کے مختلف نام اور مختلف مدت نظر آتی ہیں جو بیل گدھے اور سانپ کے سال قرن جبلی صدی وغیرہ سے ظاہر ہے۔

اب اگر کسی زمانے کے واقعات کا "گراف" تیار کریں۔ تاکہ کل واقعات کا بحیثیت زمانۂ وقوع مقابلہ کر سکیں۔ تو دنوں مہینوں یا سالوں کو پیمائش کی اکائی سے تعبیر کریں گے۔ اس خط کا طول اس کل زمانہ کو ظاہر کرے گا۔ جس کے واقعات کا تقابل مدنظر ہے مثلاً ۱۹۱۹ء کے واقعات کا گراف اس طرح پر تیار ہوگا

جنوری ۱۹۱۹ء پنجابی ہلچل۔ عدم تعاون کی عملی صورت — علامت ق

فروری ۔۔ ایضاً۔ انسداد فسادات — " ف

مارچ " " " " — " "

اپریل " ۔ " وفسادات علاقہ سرحد۔ جنگ افغانستان — " م)

مئی تا اگست " ۔ " جنگ افغانستان و معاہدہ مابین سلطنت ہر دو ممالک — " م۸

ستمبر تا دسمبر " ۔ امن و امان

(اس کا گراف صفحہ آئندہ میں ملاحظہ ہو۔)

یہ صورت جو اوپر کے خاکہ میں پیدا ہو گئی۔ ان واقعات کا "اسکیلی گراف" یا نقشہ کہلائے گی۔ جس میں مدت ایک انچ، نصف انچ یا ربع انچ سے ظاہر کیجائے گی۔ ایسے نقشوں کو انچ سال اسکیلی نقشہ کہنا موزوں ہے مینار اعظم مصر بھی اسی قسم کے رسم الخط میں انچ سال اسکیل کے ذریعہ واقعات زمانہ کی تاریخ ہے۔ اس تحریر کو حل مختلف سنین کی صورت میں ان اوراق میں آئے گا۔ مکمل تاریخ کا مرتب کرنا تو نہایت دشوار ہے البتہ صرف ان مشہور و معروف واقعات کو اخذ کیا گیا ہے جنکا تعلق تاریخ اسلام سے ہو سکتا ہے خواہ براہ راست یا بالواسطہ کسی ہادی دین کی پیدائش سے متعلق ہو یا وفات سے۔ زمانہ بعثت کے سنین ہوں یا ہجرت کے۔ یا انہدام ملت حقہ سے کیقدر تعلق ہو۔ ایسے تاریخی واقعات کے سنین مختصر کیفیت کے ساتھ درج ہوئے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ علیہ توکلت فھو حسبی و نعم الوکیل

زمانوں کی تشریح میں اہل ہنود کے خیالات کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ مصری ہندی نسلیں زمانہ قدیم میں ایک ہی تھیں۔ چونکہ مینار بھی سرزمین مصر میں بنا ہوا ہے۔ اس لئے ہندی کہاوت سے اس بیان کی ابتدا ہوتی ہے

زمانوں کی تقسیم کے لئے ہندی زبان میں ایک کہاوت چلی آتی ہے جس کی بھاشا لاکھ کا گا کروڑ ناگاہ زبان زد خاص و عام ہے۔ عام خیال تو یہ ہے کہ کاگ (کوا) کی عمر ایک لاکھ برس ہوتی ہے۔

اور سانپ کی ایک کروڑ سال کی۔ دوسرا خیال قابل وقت یہ ہے کہ دور غراب فلک ایک لاکھ برس
میں ختم ہوتا ہے۔ اور دورِ مارِ فلک ایک کروڑ سال میں۔ غراب فلک ایک نظام فلکی ہے۔ جو نسر و طائر
کے نظامات سے بھی دور ہے۔ نسر کا دورہ جو بیس ہزار سال میں ختم ہوتا ہے۔ غراب کا ایک لاکھ سال
میں۔ مار فلک وہ نظام ہے۔ جو قطب شمالی کے قریب ترین دکھلائی دیتا ہے۔ اس کا سر ایک چمکدار سیارہ
سے مزین نظر آتا ہے۔ جسکو مریچی کہتے ہیں یا وہ ستارہ جسکو مریچ یا مریچھ نے دریافت کیا مریچ ہندی
مریچھ پاستانی زبان کا ہے جو گلد...نی کی شاخ ہے۔ عربی میں اس کو مرث کہیں گے۔ چنانچہ کیومرث میں یہ
لفظ اسوقت تک موجود ہے مریچی ہندی رشی ہے۔ جسکو بھاگ کر جنگلوں میں پناہ لینا پڑی۔ اس کا ذکر
پیشتر آچکا ہے۔ تیسرا خیال جو اس کہاوت میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ "داناؤں کی دنیا
کی عمر ایک لاکھ برس ہے۔ اور زبردستوں کی دنیا کی عمر کروڑ برس"۔ کوا اپنی دانائی اور پیش بینی میں
ضرب المثل ہے اسی طرح سانپ اپنی طاقت و سرعت میں۔ لہذا کوے سے انبیا اور سانپ سے
شیاطین مراد لینا نئی بات نہیں۔ کیونکہ اول تو بابل کے کتبوں سے ثابت ہے کہ سانپ زمانہ طاقت و
سطوت شاہی کی علامت ہے۔ دوم ابیسینیا (حبش) کی قدیم حکمران خاتونوں کا تاج شاہی طلائی تھی
ہوتا تھا۔ جس کا پھن "طرہ" یا کلغی کا کام دیتا تھا۔ سوم قدیم حکایات میں سانپ کو محافظ باغ عدن بتلایا
گیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ شیطان کا داخلہ باغ عدن مشہور ہے۔ لہذا سانپ سے عورت یا کج فہم دشمن
نسل خود مراد لینا مستبعد نہیں اور نہ شیطان مراد لینا خلاف عقل ہے اس لئے کہ سانپ دشمن بھی دشمن شمار
ہوتا ہے۔ چہارم اسفار انبیاء سلف میں شیطان کو سانپ کہا گیا ہے۔ پنجم شیطان کا قوم بنی جان سے ہونا
محتاج ثبوت نہیں۔ نہ بنی جان کا بنی آدم بلکہ خود ابوالبشر علیہ السلام سے قبل زمین پر آباد ہونا کسی دلیل کا
دست نگر۔ کیونکہ توریت کے مطابق جباروں کا زمانۂ آفرینش بشر میں موجود ہونا مذکور ہے۔ اور قرآن
شریف سے ابلیس کا وجود آدم علیہ السلام سے پیشتر ثابت۔ اندریں صورت۔ اس کہاوت سے دونوں
اقوام کا زمانۂ دنیاوی مراد لینا قرین قیاس ہے۔

بنی جان میں کسی خاص شریعت کا رائج ہونا بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ شریعت انسانی سے اسکا
مخالف ہونا ممکن ہے۔ لیکن کسی شریعت کا موجود نہ ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ آخر کوئی شریعت تھی جس
کی متابعت میں شیطان معلم الملکوت کہلایا۔ علاوہ ازیں عدل الٰہی سے بعید تھا کہ ایک قوم کی ہدایت
کرے۔ اور دوسری کو بلا ہدایت چھوڑ دے۔ قانونِ قدرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ نوعیت نفاذ قانون
میں اختلاف ممکن ہے۔ لیکن قانون کا فقدان ممکن نہیں۔ ورنہ انسان کے لئے سخاوت اور بنی جان
سے عداوت تسلیم کرنی پڑے گی۔ جو منافی عدل ہے۔

ہاں یہ امر مسلم ہے کہ کل شرائع کا مدار اطاعت امر الٰہی ہے۔ صدق نیت اور رجوع قلب سے

جسکو یاد کیا جاتا ہے وہ ملجا ہے۔ عزازیل (ابلیس) اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں رہا۔ قرب منزلت پر فائز ہوا۔ لیکن اس مرتبہ پر پہنچکر قائم رہنا اور اس سے بالاتر منازل کو عبور کرنا سخت کٹھن ہے۔ مقربین کے امتحان لئے جاتے ہیں تب کہیں معتمد ٹھہرتے ہیں جس قدر رتبہ بلند ہوگا ویسا ہی امتحان صعب تر ہوگا۔

ابلیس حکم الٰہی کے مطیع ہونے کا مدعی تھا۔ لیکن دعوے کا ثبوت؟

قدرت نے امتحان کا انتظام کیا خاک ذلیل سے ایک پتلا اپنے ید قدرت سے درست کیا اور کل جماعت ملائکہ وجنات کو اس کی تعظیم کا حکم دیا۔ اس کی طرف سجدہ کرنا اسکو وسیلہ تقرب الٰہی سمجھنا تھا سب نے اس کی طرف سجدہ کیا۔ لیکن عزازیل آزمائش میں گر گیا۔ وہ مقرب بارگاہ الٰہی محسوب ہوتا تھا۔ اور خود بھی یہی سمجھے ہوئے تھا۔ لہذا اسپر اطاعت حکم زیادہ تر عاید ہوتی تھی۔ اس کا انکار کرنا اور اس انکار پر مصر رہنا مقربین کے گروہ سے خروج کا باعث ہوا۔ اور اس کا اس شئے کو ذلیل سمجھنا جسکو خدا نے وسیلہ یا قبلۂ تقرب الٰہی مقرر کیا۔ اس کی مردودیت کی دلیل ہے۔

اب ذرا اس عزازیل کے نقطہ نظر سے اس معاملہ کو دیکھئے۔ ایک عرصہ سے مقرب بارگاہ الٰہی۔ مرجع مخلوقات۔ معلم آداب شریعت ووسیلۂ معرفت حقیقت بنا ہوا تھا۔ یا یک بیک ایک پیکر خاکی اس تمام عزت وحرمت جاہ وجلال۔ شریعت ومعرفت کا سرچشمہ مقرر ہوتا ہے جس کی بقول جمعہ جمعہ آٹھ دن کیا۔ آٹھ گھڑی کی عمر بھی نہیں تھی۔ بجشنوں میں کسی کا خیال جان کا وبال آتشی نژاد اور خاکی پتلے کی اطاعت کا حکم سوہان روح۔ رقابت کی آتش نے عقل کے جوہر اور بغض وحسد نے اطاعت وانقیاد حکم الٰہی کے منصوبے اڑا دیئے۔ تکبر نے فہم وادراک کی راہ روکی۔ نخوت نے عدالت الٰہی میں نقص نکالنا پسند کیا۔ ہدایت الٰہی کو اغوا کہہ اٹھا۔

خداوند عالم کسی کی عبادت کا محتاج نہیں۔ اس کو عبادت سے کوئی نفع نہیں۔ اور معصیت سے کوئی نقصان نہیں۔ ان کا نفع ونقصان عابد وعاصی کو ہی ہوتا ہے۔ لہذا اطاعت وصل یا محبت ہے۔ اور معصیت قطع تعلق وعناد خداوند عالم کا حکم اطاعت ومعصیت کے تمیز کرنے کے لئے میزان عدل یا معیار۔

لہذا عبادت وہی ہوگی جو موافق حکم ہو۔ نہ کہ وہ جو مخالف حکم اور اپنے منشا ورائے کے مطابق۔ مثلاً خلیفہ منصور دوانقی کے زمانہ میں امام اعظم سلطنت کیجانب سے عہدۂ امامت مسلمین پر فائز تھے سلطنت کیجانب سے مقرر تھا۔ کہ ہر ایک شخص جو امام منصوص سلطنت سے مسئلہ دریافت کرے ایک دینار سرخ انعام پائے ایسا ہی جو شخص اسوقت امام آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ دریافت کرتا۔ ایک دینار سرخ جرمانہ دیتا۔ حکومت کو اس سے نہ نفع تھا نہ نقصان۔ البتہ اطاعت حکم یا معصیت حکم حکومت سے سائل کو نفع یا نقصان ہو جاتا تھا جس کی مقدار دنیاوی مال تھی کیونکہ

حکومت خود دنیاوی تھی۔ لیکن خداوند عالم شاہنشاہ بلکہ خلاق عالم وارواح ہے اس کی جزاو سزا روحانی نفع ونقصان پر مبنی ہے۔ اس عالم ارواح میں اس نے ایک بادشاہ یا وسیلۂ تقرب ذات خود مقرر کیا۔ اس سے کل ارواح نے معرفت الٰہی کا سبق سیکھا۔ یہ پہلا معلم پہلا بادشاہ پہلا وسیلۂ بارگاہ الٰہی اول مخلوق الٰہی ہی ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ دوسری ارواح نے قدرت کو سمجھا۔ کیونکہ سمجھانیوالا رازدار قدرت تھا اس نے قدرت کی یکتائی کے جلوے صنعت کے کرشمے طاقت کے نمونے اس زمانے میں ملاحظہ کئے ہوئے تھے۔ جبکہ واجب الوجود نے اس کو خلق کیا اور خلق ہوتے ہی اس نے قدرت کے حضور سر نیاز جھکایا۔ اپنی صنعت کا عجز وانکسار قدرت کو بھایا۔ اسکو درجۂ عالی عطا کیا۔

یہ مسئلہ فلسفہ ہے۔ "ایک ذات ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتا ہے"۔ یہ قاعدہ درست ہو سکتا ہے لیکن کمیت وکیفیت فعل فاعل کی قوت وقدرت پر منحصر ہوگی۔ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کی کمیت وکیفیت قوت وقدرت اندازہ سے باہر ہے۔ البتہ یہ جانتے ہیں کہ شمس ایک روشن کرہ ہے جس سے روشنی اور حرارت ہم کو حاصل ہوتی ہے لیکن ان دونوں نعمتوں کا حصول شعاع کے ذریعہ ہوتا ہے جو نور آفتاب سے منور ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ شعاع کی کیفیت کیا ہے کمیت کسقدر ہے۔ اس کا آفتاب سے کیا تعلق ہے۔ اگرچہ علمائے حال نے اس کی تحقیق میں سر توڑ کوشش کی ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ مختلف دھاتوں اور دیگر اجسام کے سورج کی شعاع سے بخارات بنکر بادل بن گئے ہیں جن کا جرم آفتاب پر پردہ پڑا ہوا ہے یہ بادل حرارت سے شعلۂ جوالہ کے مانند تیز گرمی کے باعث ایسے چمکدار اور گرم ہوگئے ہیں کہ روشن نظر آتے ہیں اور اس قدر طول طویل فاصلہ سے روشنی وحرارت کی لہریں فضائے آسمانی کے سمندر کو طے کرتی ہوئی ہم تک پہونچ جاتی ہیں۔ دراصل یہ سوال کا حل نہیں کہلا سکتا کیونکہ جس چیز کی ماہیت دریافت ہوئی۔ وہ آفتاب کی شعاع نہیں بلکہ وہ ذریعہ ہے جس میں شعاع آفتاب نے یہ کیفیت پیدا کر دی۔ یہ شعاع کیا چیز ہے اور آفتاب سے اس کا تعلق کیا ہے ایسا ہے جو باوجود حسیات مستترہ ہونے کے فہم سے باہر ہے۔ لہذا قدرت واول مخلوق قدرت کی نسبت ایسا سوال فہم وادراک انسانی سے قطعاً بالاتر ہے۔ لیکن حیات میں یہ ضرور آتا ہے۔ کہ شعاع آفتاب بلندی سے پستی کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہیں اس سے یہ قاعدہ اخذ کرنا صحیح ہے کہ "عاجزی کرنا قبولیت وشرف ومعرفت کی علامت ہے"۔ لہذا مقرب ترین بزرگ یا اعلیٰ ترین واعز ترین بارگاہ وہ ہوگا جو اپنی حقیقت کو پہچانے اور صاحب بارگاہ کی عظمت وجبروت کے سامنے سر عجز ونیاز افگندہ کرے۔

لیکن جس وقت صرف دو ہی موجود ہوں کسی تیسرے کا وجود نہ ہو کیا معلوم کیا انعام ملا۔ کیا شرف حاصل ہوا۔ کسقدر تقرب میں زیادتی ہوئی۔ قاعدہ یہ ہے کہ محبوب کا ہر فعل قانون کا حکم رکھتا ہے اس لئے نہ معلوم اس عجز وانکسار میں کیا راز ونیاز بھرا ہوا تھا کہ سجدہ اعلیٰ ترین عبادت قرار پایا۔ سجدہ کرنے والا مادی حقیقت

بنا۔ نور کہلایا جس نے جہالت کی تاریکی مٹائی۔ معرفت کی روشنی ہر طرف چمکا دی۔ اب جو مخلوقات پیدا ہوئیں اپنی عاجزی اور قدرت کے کمال کے سبق اس پہلی مخلوق سے لینے لگیں جو سبوح قدوس ربنا و رب الملائکۃ والروح کے نعرے لگا رہی تھی

عالم ارواح کے زمانے گذر گئے۔ عالم وجود کا سکہ جاری ہوا۔ عبادت کی شریعت رائج۔ اطاعت کا حکم جاری ہوا۔ اس وسیلہ کا تقرب سب کو مدنظر ہوا کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی مرئی شے نہ تھی جو قدرت سی غیر مرئی طاقت کیطرف رہنمائی کرتی اس کے جاہ و جلال کا یہ عالم کہ آنکھیں چار نہیں ہوسکتیں۔ زبان میں لکنت قدم میں لغزش ہوتی ہے لہذا اس کی متابعت میں قدرت کی معرفت پائی۔ یہانتک کہ آتشی نسل عزازیل نے نورانی الاصل ملائکہ پر سبقت حاصل کی تو قدرت نے اپنی اول مخلوق کو پردہ خفا میں رکھکر مخلوقات کی معرفت کا امتحان لینا چاہا۔ عجز پسند خاک سے ایک جسد تیار ہوا اور مخلوقات موجودہ کیطرف خطاب ہوا۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ (میں زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں) اس ارشاد کے جواب میں جو کچھ مخلوقات نے عرض کیا ان کا استعجاب ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خلیفہ کسکا تھا۔ خدا کا خلیفہ یا اس اول مخلوق کا خلیفہ جو اسوقت تک مرکز معرفت عالم رہا۔ اور اب پردہ خفا میں گیا۔ خلیفہ اپنے سلف کی صفت میں موصوف ہوگا۔ مٹی کا عجز قدرت نے پسند کیا اسکو وسیلۂ تقرب قرار دیکر اس کی طرف سجدہ کرنا قرار دیا۔ اس خلافت سے سب چونکے۔ ایک نورانی ہستی کی خلافت و نیابت ظاہری اعتبار سے ملائکہ کو زیبا تھی یا جنات کو۔ خاک تاریک کہاں اور یہ نورانی جوہر کہاں۔ لہذا یک زبان بول اٹھے۔ اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔ (کیا تو ایسے کو زمین میں خلیفہ مقرر کرے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا۔ اور خون تک بہائے گا حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور تیری تقدیس کا ذکر کرتے ہیں (سبوح قدوس کہتے رہتے ہیں) یہ پہلا اجماع تھا جو تقرر خلیفہ منصوص کیوقت منعقد ہوا بظاہر پیکر خاکی کسی گنتی میں نہیں ٹھہرتا۔ جوہر ذاتی کے لحاظ سے کثافت ولطافت میں کوئی جنسیت نہیں۔ لیکن کثافت نے لطافت پر اپنا سکہ جما لیا تھا۔ اور نورانی وجود و آتشی مخلوق کی فضیلت تسلیم کر چکے تھے لہذا جوہر ذاتی پر جوہر اضافی صفاتی کا سبقت لیجانا ممکن تھا۔ مٹی کا عجز و انکسار آگ کے عز و افتخار اور نور کی جلالت و منزلت پر گوئے سبقت لے گیا اپنے تئیں چھوٹا سمجھنا دربار قدرت میں بڑا رتبہ دلواتا ہے۔ یہ شباہت صفاتی خاک کو اوج شرف پر لے گئی اور مخلوقات موجودہ کے معروض کا جواب اس طرح پر آیا انی اعلم ما لا تعلمون فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین۔ (اے ملائکہ وغیرہ مجھے اس کا زیادہ علم ہے جو تمہیں معلوم نہیں بہتر یہی ہے کہ جسوقت میں اس کا تسویہ کر لوں۔ (تیار کر چکوں) اور اپنی روح اس کے اندر داخل کر دوں۔ اس کی طرف سجدہ میں گر پڑو) یہ وہ حکم تھا جس کا اپیل ناممکن تھا۔ اس میں علم الہی سے مقابلہ آپڑا تھا انکار کی

گنجائش نہ تھی۔ علاوہ ازیں سجدے کا انحصار نفخ روح پر قرار پایا۔ زمانہ مقرر ہوگیا وقت مقرر ہوگیا۔
سمت سجدہ مقرر ہوگئی یا دوسرے الفاظ میں اس خاکی پتلے کا مکمل ہونا کھیتی پیدا کرنے کے لئے تھا۔
ایک ہی خیال تھا جو مختلف مخلوقات کے دلوں میں موجزن تھا سب کی آنکھیں اسی کی طرف لگی ہوئی تھیں
نفخ روح کے منتظر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن بعض دلوں میں ضرور یہ خیال گذرتا ہوگا کہ اس خاک ذلیل میں
ایسی کون سی صفت زائد تھی جس کا علم ہمیں نہیں۔ اور خدا اس سے واقف ہے۔ یہ تو محض ہٹ دھرمی معلوم
ہوتی ہے۔ انصاف سے بعید ہے کہ شریف کو رذیل کی متابعت کا حکم دیا جائے۔ طاقتور کمزور وضعیف کا
مطیع ومنقاد کیا جائے یا نور ونار جیسی روشن ہستیوں کو خاک سا منبع ہدایت وارشاد و وسیلۂ تقرب
ونجات ماننا پڑے۔ ایک کہنہ مشق سالخوردہ کو نوزائیدہ بچے کا حکم ماننے جس کو اپنے نیک وبد میں تمیز نہیں
اس قسم کے خیالات کو غلط ثابت کرنے کے لئے قدرت نے اپنے انتخاب کی برتری ثابت کرنا چاہی۔ حکم
سجدہ امتحان کے اختتام تک ملتوی ہوگیا۔ آدم کو علمی دنگل میں لانا مقصود تھا اس کی فضیلت دکھلانی
مدنظر تھی۔ اس کی خلافت کا معیار ثابت کرنا تھا۔ لہذا اس کی تعلیم شروع ہوئی سکھانے والی قدرت سیکھنے
والا منظور نظر۔ پھر کمال علمی کیوں نہ حاصل ہو۔ لیکن قدرت اعضاء سے وجوارح سے بری صفت مخلوق
سے مبرا۔ اس نے اس نئی مخلوق کو تعلیم دی تو کس طرح اور کس کی زبان سے۔ کہ آناً فاناً یہ مٹی کا پتلا گویا
ہوگیا۔ علوم کا سرچشمہ ہوگیا۔ عزوشرف کا مرکز بنگیا۔ اور خالق ومخلوق کے مابین وسیلہ حقہ ثابت ہوگیا
صاحب تجربہ وسیع ہوگیا۔ یہ قدرت کی زبان کا اثر ہے جس نے ہتھیلی پر سرسوں جمائی۔ ارشاد الٰہی
کی ترجمانی کی قدرت کی عظمت مخلوقات میں قائم کرکے دکھلائی۔ یہ وہی نورانی جوہر تھا جو عرصۂ دراز
تک رازدار قدرت رہ چکا تھا۔ اور مخلوقات کی ہدایت کا باعث تھا۔ اب اس خاکی پردے میں پنہاں
ہوا تو علمی جواہر خاک کے ڈھیر میں چمکے

امتحان کے میدان میں ایک طرف اجماع والے جنکا شمار خدا جانے۔ ایک طرف یکہ وتنہا خلیفہ
منصوص آموجود ہوئے۔ ایک طرف جماعت کی کرامت کا زعم اور دوسری جانب خدائی امداد کا
بھروسہ۔ اس کی رحمت سے توسل اپنے عجز وانکسار کا اعتراف قدرت کی ربوبیت کا اقرار۔ اس کے
حکم کی اطاعت مدنظر

اس میدان امتحان کا مقابلہ قرآنی الفاظ میں اس طرح پر ہے۔ وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم
علی الملئکة فقال انبئونی باسماء هؤلاء ان کنتم صدقین۔ اور آدم کو تمام اسماء سکھا کر پھر انکو
فرشتوں کے سامنے پیش کرکے فرمایا۔ ان کے نام تو مجھے بتلاؤ اگر تم (اپنے خیال فضیلت میں) سچے ہو۔
اس آیہ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی ہستیاں یا وجود اسوقت پیش کی گئیں جنکا علم مخلوقات
میں سے کسی کو نہ تھا۔ کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں۔ کیونکہ علم اس شے کا ہوتا ہے جس کی خلقت کو دیکھا جائے

"یعنی مشاہدہ ہو یا عقلی" لیکن جس شے کا وجود پہلے سے ہو اس کی ماہیت سے اطلاع نہیں ہو سکتی جب تک کہ واقف کار مطلع نہ کرے

ملائکہ مقرب وجود ہی بنے ہوئے بندے سہی۔ تنہا نہیں بیشمار سہی۔ ابلیس معلم الملکوت بھی سہی لیکن رازدار قدرت نہیں تھے۔ ان اسرار قدرت کو وہی جانے جو قدرت کا پسندیدہ ہو گا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول رازدار قدرت ہونے کے لئے مرتضیٰ ہونا شرط ہے۔ پھر بھلا ان بیچاروں کو کیا معلوم قدر مرتضیٰ کیا ہے ارتضیٰ کس کو کہتے ہیں کبھی عمر بھر میں اس کی قدر و منزلت سمجھی ہوتی تو مقابلہ نہ کرتے۔ کریں تو کیا کریں میدان مقابلہ میں اپنی لاعلمی کا اقرار کرتے بنی۔ آخر بول اٹھے۔ سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ (اے ذات پاک ہمیں تو اسی قدر معلوم ہے جتنا تو نے سکھایا (ہم رازدار علم نہیں۔ کیونکہ) علیم و حکیم تو فقط تیری ہی ذات ہے۔ امور غیب تو ہی جانے یا تیرا رازدار جب اس طرف سے ہتھیار ہاتھ سے چھوٹ گئے اور ہار مان لی تو مد مقابل کو حکم ہوا تو ان ملائکہ کو یہ نام تعلیم کر۔ فقال یا آدم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السمٰوٰت والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون۔ جب آدم نے یہ نام ان کو (ملائکہ کو) بتلا دیئے تو خطاب باری ہوا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ۔ از ہائے آسمان و زمین سے میں (سب کی نسبت) زیادہ تر واقف ہوں۔ (آگاہ رہو) میں تمہارے رازہائے ظاہری سے بھی واقف تر ہوں اور باطنی سے بھی (وہ امر بھی مجھے معلوم ہے جو تم زبان سے کہتے ہو۔ اور وہ بھی جو تمہارے دلوں میں پوشیدہ ہے)

یہ وہ پہلا واقعہ ہے جو خلیفۂ منصوص کو پیدا ہوتے ہی دیکھنا پڑا۔ اس میدان مقابلہ میں اجماع ملائکہ و جنات خلیفۂ منصوص کے مقابل تھا۔ صرف نصرت الٰہی کے ذریعہ خلیفۂ منصوص نے میدان مارا۔ اجماع میں تفرقہ پڑا۔ ملائکہ تو آدم علیہ السلام کے تبحر علمی کے متوالے ہو گئے۔ اور فوراً وسیلۂ تقرب الٰہی سمجھکر سجدے میں گر پڑے۔ پسندیدۂ بارگاہ الٰہی کی تعظیم و تکریم صدق دل سے بجا لائے فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق۔ تمام۔ (ملائکہ بلا استثنیٰ) سجدے میں گر پڑے سوائے ابلیس کے جو جنات سے تھا وہ فاسق ہو گیا

معلوم ہوتا ہے ملائکہ و جنات اسوقت تک ملے جلے رہتے تھے نور و نار میں مجانست ظاہری قائم ہے خداوند عالم نے خلیفہ مقرر کیا تو نوری و ناری مخلوقات میں تمیز پیدا ہو گئی۔ خلافت آدم علیہ السلام کے قبول کرنیوالے نورانی وجود تھے جو خدا پر ایمان رکھتے تھے اس کی اول مخلوق کو وسیلۂ تقرب سمجھتے تھے۔ اس وسیلے کے پردۂ خفا میں ہوتے ہی اس کے خلیفہ میں وہی علمی جواہر پائے حکم الٰہی کے مطابق اس کا خیر مقدم بجا لائے اور وسیلۂ تقرب الٰہی سمجھنے لگے۔ یہ صفت ایمان کامل ہے اور ملائکہ مومن کامل کہلانے کے مستحق۔ اس طرف تو محبت کا شجر پھل پھول رہا تھا لیکن دوسرا گروہ اس وسیلۂ الٰہی کو اپنے مقصد امارت میں مخل پاتا تھا۔ اس کی مخفی کیفیت نے بجلی گرا دی۔ رتبہ معلم الملکوتی و امارت ملائکہ انہوں نے کھلتی دیکھی۔ دل میں

تخم مخالفت بویا۔ شجر مخالفت اُگا۔ اور آناً فاناً بڑھکر تیار ہو گیا۔ شجر محبت پھلوں کے بوجھ سے زمین پر جھکا
شجرِ مخالفت بے ثمر تھا۔ اکڑا کیا یہانتک کہ کشتِ دلِ مومن سے اس کی بیخ بنیاد ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔
اور مزرع دل فاسق اسکا مسکن وماویٰ قرار پایا۔ فاسق اول ابلیس تھا جس نے آدم علیہ السلام کی متابعت
سے عملاً و فعلاً و قولاً انکار کیا باوجودیکہ آپ کی فضیلت علمی دیکھ چکا تھا حکم الٰہی سن چکا تھا۔ لہذا قرآنی
تعلیم کے مطابق فاسق وہ ہے جو خلیفہ منصوص کی اطاعت سے انکار کرے اس کی مخالفت کا بیج اپنے دل
میں بوئے اور اسپر تقدم حاصل کرنے میں ساعی ہو۔ آیات ذیل اس کی موید ہیں۔ قال یا ابلیس ما
منعك ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین (جب ابلیس نے سجدہ نہ
کیا تو) خطاب باری ہوا۔ اے ابلیس تجھے کون امر اس سے مانع ہوا کہ جسکو میں نے اپنے یدین قدرت
سے پیدا کیا تو اس کی تعظیم کرے۔ کیا تو نے خود بڑا بننا چاہا یا دنی الحقیقت (تو گروہ) عالین (بلند رتبہ
والوں) سے تھا۔؟

آیۂ ہذا میں دو امر موجود ہیں جو امتناع سجدہ کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اول تکبر یا حقیقت تقدم
اور اس کے حصول کا خیال (کیونکہ تکبر وہی کرتا ہے جو اپنی فضیلت کا مدعی ہو۔ اور دوسرے کو اپنے
زعم باطل میں مفضول سمجھتا ہو۔ یعنی بزرگی بتقبل ست نہ بسال کا مخالف ہو۔ اور عمر کو معیار فضیلت سمجھتا
ہو یا نسلی یعنی عرضی جوہر پر نازاں ہو۔) دوسرا امر حفظ مراتب کا خیال یعنی بلند رتبہ والے کا کم درجہ
والے کی تعظیم نہ کرنا جس سے تین گروہ کا اسوقت موجود ہونا ثابت ہوتا ہے (۱) بلند رتبہ والے (۲)
برابر درجہ والے (۳) کم رتبہ والے۔ لہذا آیۂ مذکور میں صرف دو حالتوں کا اظہار ہے۔ تکبر یا اپنے
تئیں بڑا سمجھنا۔ دوم عالین سے ہونا جس کے جواب میں ابلیس نے یہی کہا انا خیر منہ خلقتنی من
نار و خلقتہ من طین (گروہ عالین سے تو میں نہیں ہوں۔ لیکن) اس (خاکی پتلے) سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے
آگ سے پیدا کیا۔ جو مائل باعلیٰ ہے۔) اور اس کو مٹی سے پیدا کیا (جو طبعاً پستی کی جانب مائل ہے) لہذا
جوہر عالی جوہر سافل کا مطیع و منقاد نہیں ہو سکتا۔

اسی آیۂ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سجدہ بجانب جسد آدمؑ مقصود نہ تھا جو ابلیس نے سمجھا بلکہ اُس
روح یا اول مخلوق کی تعظیم کے لئے تھا جسکا یہ جسد ظرف قرار دیا گیا تھا۔ یہی جوہر گرامی تھا جسکو خداوند
عالم نے بلا وساطت وسبب ظاہری اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ بقیہ مخلوق اسی جوہر کے وسیلے سے
موجود ہوئی۔ ورنہ جسد آدم علیہ السلام کی خلقت میں یعنی پتلے کی درستی میں خود ملائکہ کی شرکت پائی جاتی
ہے جبرائیل و میکائیل و عزرائیل (علیہم السلام) کا نام خصوصیت کے ساتھ اس پتلے کی تیاری میں ممتاز خدمات
انجام دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

امتحان علمی سے ملائکہ اصل مقصود کو سمجھ گئے۔ اور معلوم کر لیا کہ وہ نورانی جوہر جو مدت دراز تک

علم حقیقت و ہادی طریقت رہ چکا ہے جس نے جبریلؑ کو سبق پڑھایا اور مشکل میں آڑے آیا۔ اس پردے میں نہاں ہے۔ یہ اسی کا فیض ہے کہ یہ خاکی پتلا دولتِ علم سے مالا مال ہے۔ ورنہ خاک ذلیل کجا اور یہ رتبہ جلیل کجا کہ نورانی پیشانی اسکے قدموں پر جھکنے کا حکم ملتا ہے۔ مثل مشہور ہے محبوب کی ہر ایک چیز محبوب ہوتی ہے قیس عامری نے سگِ لیلیٰ کو سر دربار اس لئے گود میں اٹھایا چھاتی سے لگایا چوما۔ کہ وہ اس کی محبوب کا منظور نظر تھا۔ لہٰذا فرشتوں نے بھی آدم کی تعظیم و تکریم میں طرفۃ العین کے برابر دیر نہیں کی۔ اس جسد خاکی کا فیض بوترابی معلوم ہونے کی دیر تھی کہ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور وسیلۂ تقرب الٰہی ہونیکا یقین ہوتے ہی معرفت حاصل ہو گئی۔

ابلیس اس علمی تفوق کا منکر نہ تھا لیکن مکان کی شان و شوکت سے مکین کی معرفت حاصل نہ کر سکا وہ اس راز کی تہ کو نہ پہونچا۔ جس کی فضیلت کا پیشتر اقراری تھا۔ اسکو اس پردے میں نہ پہچان سکا یا اسکو بوتراب سمجھکر اب اس کی فضیلت کا منکر ہو گیا اور اپنے پہلے عقیدے سے روگرداں۔ جیسا کہ دوسرے قول سے سمجھ میں آتا ہے۔

ابلیس کا اپنے نفس کو خلیفۂ منصوص سے بہتر سمجھنا اس کے مردود و مغضوب ہونے کا سبب ہوا۔ اس کے کلمات کا جواب دربار ایزدی سے یہی ملا۔ فاخرج انک رجیم و ان علیک لعنتی الی یوم الدین (اس گروہ مومنین سے نکل جا۔ کیونکہ تو رجیم (وہ شخص جسپر پتھر پھینکے جائیں۔ اصطلاحاً مردود) ہے اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے۔ (تو بخشش کا سزاوار نہیں)

خداوند عالم کسی کے اعمال خیر ضائع نہیں کرتا۔ اس کا عدل اسی قاعدے کا پابند ہے لیکن وہ وعدہ خلاف بھی نہیں۔ ایک طرف ابلیس کے اعمال خیر دوسری طرف وعدۂ غیر مکذوب۔ شیطان نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور عرض کی رب فانظرنی الی یوم یبعثون خدایا پھر جی اٹھنے کے دن تک مجھے مہلت دے دے تاکہ میرے اعمال خیر کا معاوضہ ہو جائے۔ قال فانک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم ارشاد باری ہوا۔ وقت معلوم (نہ وقت غیر معلوم یعنی حشر) کے دن تک تو مہلت پانے والوں سے ہے۔

یہ وعدۂ الٰہی لیکر رنگ بدلا اور دل کا چور ظاہر ہوا۔ کہنے لگا۔ رب بما اغویتنی لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین۔ خدایا جس طرح تو نے مجھے اغوی کیا (فریب دیکر گمراہ کیا مٹی کے پتلے میں ہادی ازلی یعنی نور اول مخلوق کو مخفی کر کے مجھے دھوکا کھلایا) میں بھی ان سب کو گمراہ کرونگا مگر ان میں سے تیرے مخلص بندوں کو مستثنےٰ کرتا ہوں (ان کو البتہ گمراہ نہیں کر سکوں گا۔)

اس دریدہ دہنی کا قدرت کیطرف سے یہی جواب ملا ان عبادی لیس لک علیہم سلطان اے شیطان ہمارے بندوں پر "تجھ کو دسترس یا غلبہ ممکن نہیں۔ البتہ اوروں سے ہمیں غرض نہیں۔

جیسا عمل کریں گے۔ بدلہ پا دیں گے۔ اگر تیری متابعت کریں گے تو تیرے ساتھ وہ بھی جہنم میں جلینگے
لاملئن جہنم منکم اجمعین۔ البتہ میں جہنم کو تم سب سے بھر دوں گا

اس طویل بیان میں اتنگہ دُہرانے سے دو امر مقصود تھے۔ ایک واقعہ کی اہمیت مع وجہ اہمیت معلوم کرنا۔ تاکہ آئندہ کے واقعات اپنی اہمیت اور مدت میں اس زمانے سے مقابلہ کئے جا سکیں جو کل سنین مروجہ زمانہ کی ابتدائی وجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ علم تاریخ کے واقعات کی صحت کا مدار ان سنین کی صحت پر مبنی ہے دوسرا مقصد جسکو روح بیان کہنا بیجا نہیں۔ اثبات عصمت انبیاء و تحقیق شجرۂ منہیہ ہے۔

مقصود اول کی نسبت صرف اسی قدر کہدینا کافی ہے۔ کہ تاریخی حیثیت سے بنی آدم کے لئے اس سے زیادہ اہم واقعہ نہیں ہو سکتا نہ اس سے زیادہ قابل یادزمانہ۔ بشریت کا آغاز خلافت منصوصی کی ابتداء ہدایت کا پہلا دور رعونت کا شجرہ اجماع مخلوقات کی غلطی، مظاہرہ مقابلہ معیار خلافت۔ فتح خلیفہ منصوص ملائکہ کا خلافت آدم کو تسلیم کرنا۔ ابلیس کا تکبر۔ تسلیم خلیفہ منصوص سے انکار۔ شجر مخالفت کا اُگنا۔ بشکل خلاف نصی کی سزا۔ خلیفۂ منصوص و بندگان مخلصین کا شیطانی دسترس سے بریت کا اعلان۔ شجر مخالفت کے بانی اور تابعین کا آخری نتیجہ یہ سب اسی ایکدن کے چند لمحوں کے واقعات ہیں۔ لہذا اندازہ وقت یا زمانہ مقرر کرنے کے لئے اس سے بڑا واقعہ اس زمانہ میں کیا ہو سکتا تھا جس میں ایسے زبردست دینی و دنیوی مسائل طے ہوئے۔ دوست و دشمن میں تمیز ہوئی۔ دوستوں میں رہنے اور دشمن سے علیحدہ ہونیکا فیصلہ ہو گیا۔ تحقیق کا حکم اور خلیفہ منصوص کی مخالفت سے احتراز واجب و فرض قرار پایا۔ یاادم اسکن انت وزوجك الجنة اے آدم تم دونوں میاں بیوی دار علم و شرف میں قیام کرو۔ وکلا منہا رغدا حیث شئتما اور اس کے (علوم کے) ہر ایک پھل کو جی بھر کر کھاؤ۔ خوب بال کی کھال نکالو۔ تحقیق کرو۔ لیکن ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین۔ اس شجر (مخالفت) کے قریب نہ جانا۔ اگر (تمہاری) چھان بین اور تحقیقات محض مخالفت کی غرض سے ہوں گی جس کی مثال شیطان نے قائم کی) تم اس سے قریب ہوئے تو تم دونوں ظالموں کے گروہ میں شامل ہو جاؤ گے۔

اس سے یہ قاعدہ معلوم ہو گیا کہ تحقیق بغرض اطمینان قلب محمود ہے جس کی مثال ملائکہ کا طرز عمل ہے۔ آدم کا معیار خلافت میں پورا اترنا اور ان کا سربسجود ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ان کو قلبی اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن اگر تحقیق و تدقیق مخالفت کی وجہ سے ہو اور عیب چینی اصل مقصود ہو تو مذموم ہے جیسا کہ شیطانی طرز عمل ثابت کرتا ہے۔ اس کا منشا آدم علیہ السلام کی بے علمی ظاہر کرنا تھا۔ تاکہ اس کا درجہ کسوبہ بنا رہے۔ لہذا دلی مخالفت اپنا رنگ لائی۔ آیہ مذکورہ میں روئے سخن بظاہر آدم و حوا سے ہے اور مراد بنی ادم ہیں جن کے لئے اس قاعدے کی پابندی ضروری تھی۔ ورنہ آدم علیہ السلام علم میں کامل۔ خدائی حفاظت کے وعدے کے مطابق۔ کید شیطانی سے معصوم۔ اور ان سب پر مستزاد

خلیفہ منصوص۔ وہ مخالفت کرتے تو کس خلیفہ سے اور علم کے حصول کی کوشش کرتے تو کس خلیفہ وقت پر فتح حاصل کرنے کی غرض سے۔ آپ کا علم کسبی نہ تھا کہ ادھورا ہوتا بلکہ ان کا علم موہبتی ولدنی تھا۔ سکھانیوالا خود صاحب قدرت۔ محافظ خود صاحب قدرت" پھر خامی کیسے" اور" لغزش کیونکر" ممکن ہوسکتی ہے لہذا شجرۂ منہیہ سے نفاق" و" مخالفت از خلیفہ منصوص" مراد ہے"۔ "نہ کچھ اور" اس کا تکرار کل کتب سماویہ میں موجود ہے بعض مقامات کا ان اوراق میں بھی تذکرہ آئے گا

دوسرا مقصد یعنی عصمت انبیا بیان بالائے ثابت ہے ورنہ خدائی وعدے کی کوئی حقیقت نہ رہے گی۔ عصمت نبوت کے لئے لازمی ہے۔ ورنہ مقصد نبوت یعنی ہدایت مخلوق فوت ہوجائیگا ایک شخص جو خود چوری کرتا ہے۔ اگر دوسرے کو چوری نہ کرنے کی ہدایت کرے تو اس کا قول قبولیت کی بجائے دیگر فسادات کا باعث ہوگا۔ بقولے او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ پھر ایک گنہ گار دوسرے گنہکار کا وسیلۂ تقرب سلطانی کیونکر ہوسکتا ہے چہ جائیکہ آدم علیہ السلام وسیلۂ تقرب برائے جمیع مخلوقات مقرر ہوں اور ملائکہ ان کا توسل اختیار کریں جو ہر قسم کے خطا و نسیان سے بری ہیں اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ کیونکر ممکن ہے کہ ایک خاطی ریا تائب معصوم کے برابر ہی نہیں بلکہ اس کو بزرگ تر و افضل تر محسوب ہو۔ یہ فلسفہ عجیب تر ہے" نورانی پیشانی اور گنہگار کا نقش پا" ان ھذا لشیٔ عجاب

شیطان نے اپنا قول پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جس خلافت کیوجہ سے وہ مردود قرار پایا اسی کا شیرازہ ڈھیلا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس خلافت کی اطاعت سے حتی الوسع بنی آدم کو روکا اس کے شانے پر ان کو ابھارا۔ اور آمادہ کیا۔ اگر خدائی امداد شامل حال نہ ہوتی تو خلیفہ خلافت کے تذکرے قصہ پارینہ بنجاتے۔

قرآن شریف میں یہ تذکرہ متواترات سے ہے۔ اگر صرف ایک واقعہ کا بیان مقصود ہوتا تو تکرار فضول تھا۔ اور پھر تکرار بیان کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ ایک دفعہ دومرتبہ حد تین بار اس سے زیادہ تکرار بیان کلام کو فصاحت کے درجہ سے گرادیتا ہے۔ لیکن" دانشور کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا" لہذا اس تکرار لفظی میں مختلف پہلو دکھلائے گئے۔ تاکہ اصل مطلب ذہن نشین ہوجائے اور ساتھ ہی اس ذکر سے نصیحت بھی اور تاکید بھی۔ ہدایت بھی ہو اور تنذیر بھی فعل ممدوح بھی معلوم ہو۔ اور طریقہ مذموم بھی تاکہ ایک گروہ کی تابعی عملی سے تقرب الٰہی کا یقین ہو۔ اور دوسرے کے طرز عمل سے اجتناب ہو۔ اور لعنت دائمی سے بچنے کی خواہش دل میں پیدا ہو۔

یوں تو یہ تذکرہ سب کتب سماویہ سابقہ میں مذکور ہوا لیکن جس بسط و تفصیل سے اس کا تذکرہ قرآن شریف میں بار بار آیا ہے۔ اس کو ظاہر ہوتا ہو کہ اس قسم کا واقعہ اس امت میں بھی ہونیوالا تھا اس لئے اتمام حجت کے لئے تاکید اکید کے طور پر اس کا ذکر ہوا ہے۔ قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی

یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ واقعات امم گذشتہ میں فرداً فرداً گذرے وہ سب کے سب اس امت میں گذرینگے
کہ ایک بال بھر فرق نہ ہوگا۔ لہذا اس قصہ کا اس امت سے گہرا تعلق ہے جو سوچنے والے، سمجھنے والے، واقعات
کے پرکھنے والے، مقابلہ کرنے سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہی مقصد علم تاریخ ہے کہ انسان گذشتہ
واقعات سے سبق سیکھے۔ اور یہی مقصد پیشگوئی ہوتا ہے کہ انسان آیندہ ہونے والے واقعات کے عمدہ
اثر سے فائدہ اٹھائے اور خراب اثر سے محفوظ رہنے کی تدبیر کرے۔ پیشگوئی دراصل آیندہ ہونیوالے
واقعات کی تاریخ ہوتی ہے جو زمانہ واقعات سے قبل تحریر کیجاتی ہے۔ تاریخ وہ بیان ہے جس میں گذشتہ
واقعات کی تفصیل ہو۔ مثلاً اسی قصۂ آدم کا اس امت سے گہرا تعلق بتلانا نبوت یا پیشگوئی تھی ان واقعات
کے ہوچکنے کے بعد جو تذکرے کتابوں میں لکھے گئے وہ ان کا تاریخی بیان ہے۔ دونوں بیانات کا ہوبہو
مطابق ہونا دلیل صداقتِ مسلّم ہے۔ اس ذیل میں ہم صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ شیطان نے
ولادت رحمۃ اللعلمین سے پیشتر آپکے پہلے خلیفہ کے خلاف مخلوق موجودہ کو اکسانے میں کوئی دقیقہ نہیں
چھوڑا۔ وہ معصوم نفوس تھے۔ نورِ الٰہی کی جھلک دیکھتے ہی اسی طرف جھک پڑے لیکن اس کا صدمہ
شیطان کے دل پر کسقدر ہوا اسکا اندازہ اس کے بیان سے ہوسکتا ہے وہ کہتا ہے "جس کی وجہ سے مجھے
گمراہ کیا۔ میں ان کو بھی گمراہ کر ڈالوں گا۔ بجز گنتی کے مخلص بندوں کے" پھر ایک دوسرے مقام پر
بیان آتا ہے "جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی۔ میں بھی اس کی ذرّیت کو ضرور گمراہ کرکے رہوں گا۔
اور تجھ پر روشن ہوجائیگا کہ تیرا شکر کرنے والے گنتی کے لوگ ہوں گے"۔

اسی قسم کا واقعہ اس امت میں ہوبہو الاتھا اسوقت فرشتوں کی بستی نہ تھی بلکہ بنی آدم کی آبادی تھی۔
رحلت رحمۃ اللعلمین (یعنی مخلوق اول الٰہی کے باردیگر پردۂ خفا میں جانے) کے بعد پھر خلافت شروع
ہوئی۔ رحلت سے پیشتر خلیفہ مقرر ہونا۔ اعلان ہونا۔ لیکن غیبت ہوتے ہی قدیم نقشہ کا موجود ہوجانا
بھی لازمی تھا۔ اب اس خلافت کے قائل اور خلیفہ کے تابعین گنتی کے لوگ ہوں گے۔ ورنہ قرآنی بیان
(معاذ اللہ) غلط ہوتا ہے۔ تاریخ کہتی ہے۔ پیشگوئی لفظ بلفظ صادق آئی صرف گنتی کے لوگ خلیفہ کے
ساتھ رہ گئے ورنہ سب اجماع کے ساتھ

اگر اجماع حق ہے قرآن ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر قرآن صحیح ہوا (اور اس کی صحت میں انکار ممکن
نہیں ہوسکتا) تو خلیفۂ منصوص تو ملا لیکن بھائی بند ہاتھ سے جاتے ہیں کچھ کرتے دھرتے بن نہیں آتی۔
کہاوت مشہور ہے دین سے دنیا رکھنی مشکل ہے خلیفۂ برحق کو دور ہی سلام کرلیا۔ اور "مرگ انبوہ جشنے
دارد" کے مطابق لکیر کے فقیر ہو رہے۔

ایسے وقت کے لئے قرآنی تعلیم کیا ہے؟ وکلا منہا رغدا حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین۔
یہ حکم مرد عورت کے لئے یکساں ہے۔ اگر تردد ہو تو تحقیق خلیفۂ برحق میں جس قدر رہو سکے سعی کرو مخلف

علوم و فنون میں اس کا امتحان لو۔ اس کے تبحر علمی سے فائدہ اٹھاؤ۔ جہاں تک تم سے ممکن ہو سکے۔ اور اس "شجر" مخالفت و نفاق کے قریب نہ پھٹکو۔ ورنہ دونوں ہی ظالمین سے ہو جاؤگے۔ مرد عورت کی شرط نہیں بلکہ شرط عمل ہے جو خلیفۂ منصوص سے نفاق رکھے یا اس کی مخالفت کرے وہ فاسق ہو جائیگا۔ اور ظالم شمار ہوگا۔

وائے بر ما و گرفتاری ما۔ بقول سعدیؒ۔ ہر کس از دست غیر نالہ کند۔ سعدی از دست خویشتن فریاد۔ پہلی خلافت کا قیام ہوا تو ملائکہ نے سبق پڑھا۔ اگر ملائکہ چھدواکار پر جمے رہتے معلم ربانی کو چھوڑ کر طریق عبادت و لوازمات معرفت الٰہی کے سبق شیطان کے مکتب سے حاصل کرتے رہتے تو ان کا یہ فعل ممدوح نہیں ہو سکتا اور نہ یہ اطاعت عبادت شمار ہو سکتی کیونکہ اطاعت صرف وہی ہو جو حکم کے مطابق ہو۔ اگر آدم علیہ السلام کل امم اجنہ و ملائکہ کو شریعت کی تعلیم کا درس دینے کو کھڑے ہوتے اور ان سے کہدیا جاتا ہمیں اس درس کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے شریعت کی کتاب کافی ہے تو یہ منشار الٰہی کے موافق نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ شریعت کی کتاب ان فرامین کا مجموعہ ہوتی ہے جو حاکم مطلق کیجانب سے بطور ہدایت اس صاحب شریعت کو پہونچتے ہیں۔ درباری رمز و کنایہ محاورات متشابہات متعلقات محاورات ضرب الامثال، معانی و مطالب و نکات اور تسلسل و تواتر و احکامات کو کوئی درباری ہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کو اتنی تمیز کہاں یا وہ جانے جو اس درباری کا رازدار ہو۔ اب فرض کیجئے ملائکہ و اجنہ کو خیال پیدا ہو کہ مجموعۂ فرامین مرتب کریں کیونکہ ان کے پاس تو موجود نہیں۔ پہلے آدم علیہ السلام سے لیا نہیں اب وہ دیتے نہیں۔ یا خود ہی مانگتے ہوئے شرم آتی ہو تو نتیجہ کیا ہوگا یہی نہ کہ دریوزہ گری اختیار کریں گے مختلف افراد کو تھوڑا تھوڑا حصہ فرامین یاد رہجانا تعجب خیز نہیں لیکن ان لوگوں سے پوچھنا بھی گوارہ نہیں جنکو باقاعدہ تعلیم مجموعۂ فرامین مل چکی ہو۔ تو اس جہالت و بدگمانی کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ مجموعہ تو مرتب ہو جائے گا۔ لیکن ترتیب مسخ ہو جائے گی اور حکم الٰہی کی مخالفت اسپر مستزاد رہے گی۔ کیا یہ سوال پیدا نہ ہوگا کہ معلم شریعت کے پاس مرتب صحیفہ موجود تھا اس کی نقل کیوں نہ لی۔ یا ان لوگوں سے پوچھکر مجموعہ کیوں نہ مرتب کیا جنھوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ دوسرے الفاظ میں حکم ملا کہ آدم اور اس کے وصیائے سے شریعت و الفاظ شریعت سیکھو اور جا دھمکے ابلیس کے مکتب میں تو اطاعت امر الٰہی کہاں اور عبادت کیسی۔ یہ تو عین مخالفت و معصیت کہلائے گی۔ ایسی صورت میں ملائکہ ملائکہ نہیں کہلائیں گے بلکہ شیاطین بنجائیں گے۔ اور فاسق متصور ہوں گے۔ کیونکہ رنگ نفاق ان کے طرز عمل سے برسے گا۔ اور شجر مخالفت کے ثمر فعل کی صورت میں نمودار ہوں گے۔ اس برتے پر اُن کو مقرب الٰہی سمجھنا۔ ان کے افعال کی تاسی کرنا اور امید مغفرت کے دعوے "کلنٹے بوئے ببول کے آم کہاں سے ہوں" کا مصداق ہوگا ؎

خدا محفوظ رکھے ہر خطا سے ❊ نفاق و ظلم سے مکر و دغا سے

قصہ کوتاہ بیان بالا سے اس زمانے کا مخلوقات کے لیے اہم ترین ہونا کسی مزید تاویل و تشریح کا محتاج نہیں لیکن ہمارے نفس مضمون سے اس کا کیا تعلق ہے ؟ اور اس طویل بحث کو میناری علامات سے کیا نسبت ؟

نقشہ مینار پر غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ مینار کے اندر کچھ راستے ہیں کچھ زینے۔ اور کچھ مکان۔ راستوں میں سے ایک راہ ڈھلوان ہے جس سے ملحق زینہ اول ہے۔ لیکن اس راہ اور زینہ کے درمیان کوئی راہ آمد و رفت نہیں بلکہ ایک بڑا سیاہ پتھر دہن یا در زینہ میں اس طرح نصب ہے کہ راہ آمد و رفت ہوا بھی ممکن نہیں انسان تو بڑی چیز ہے۔ اس کا ذکر ہی کیا۔ یہ سنگ سیاہ سوائے کمرۂ کلاں کے پتھروں کے عمارت مذکورہ کے کل سیاہ پتھروں سے بڑا ہے۔ راستوں کا فرش سب سیاہ قسم کے مصالح سے تیار ہوا ہے۔ سوائے اس راہ کے فرش کے جو راہ کمرۂ خورد کی سطح سے اچاہ ملحق راہ تنزلی تک پہونچتا ہے یا اس راہ کے جو غار کے دوسرے جانب چلی گئی ہے۔ یہ دونوں تقریباً کچے ہیں۔ اگرچہ اول الذکر میں دو تین مقام پر آہنی میخیں نصب کی گئی ہیں اور ایک دو جگہ پختہ فرش و دیواریں نظر آتی ہیں۔ اسکے علاوہ کمرۂ کلاں سے ملحق راستہ بھی مصالح کی بجائے سنگ سیاہ سے ترتیب دیا گیا ہے زینۂ اول میں سنگ سیاہ کے علاوہ تین سیاہ رنگ کی آہنی میخیں نصب ہیں (حقیقتاً یہ سیاہ پتھر کی محرابیں ہیں نہ کہ آہنی میخیں) مکان تین ہیں۔ ایک بڑا رفیع الشان کمرہ جس میں ہر طرف سنگ سیاہ استعمال کیا گیا ہے۔ سب سے اوپر عمارت کی اکاونویں سطح تعمیر اس کا فرش ہے۔ دوسرا کمرہ پہلے سے چھوٹا زینہ اول کے اختتام کی سطح کے تقریباً متوازی اس کے فرش و دیوار سب سیاہ مصالح سے پلستر کئے گئے ہیں۔ یہ کمرہ اپنی رفعت و طول و عرض میں پہلے سے چھوٹا ہے اور عمارت کے چھبیسویں سنگ تعمیر کے متوازی اس کے فرش کی سطح ہے تیسرا کمرہ معکوس سب سے نیچے چٹان کا کھود کر بنایا گیا ہے اوپر سے کشادہ اور نیچے تنگ یعنی پہلے دونوں کے برعکس۔ اس کو غار کہتے ہیں۔ غاروں کی طرح دیواریں اور فرش کچے ہیں چاہ کی تہ سے ایک راستہ اس غار میں نکلتا ہے جسکو راستہ کہنا اس نام کو بٹہ لگانا ہے۔

علم تحریر تصاویر کے بموجب راستے شریعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ زینہ ترقی روحانی کو۔ مکان سے خانہ ہدایت (خانوادہ ہدایت) مراد ہے۔ راہ سطح سے اس خانہ نبوت کی (خانۂ ہدایت کی) تعلیم سے مقام ترقی روحانی جس کے تین درجے ممکن ہیں۔ اوج ترقی یا معراج نفس (روحانیت کی ابتدا اوسط ترقی یا کمال نفسانی کی ابتدا (معراج ایمان) تحتانی راہ۔ گمراہی و ضلالت (ہبوط نفس) رنگ سفید علامت عفت و عصمت ہے۔ رنگ سیاہ عجز و انکسار (حلم کو ظاہر کرتا ہے۔ پتھر ایمان کامل اور استقلال۔ مصالحہ۔ اعمال (تکمیل احکام شریعت)

اندر بضرورت سنگ سیاہ زینہ اول پر سیاہ مصالحہ بھی اطراف میں چسپاں ہے اور جس نے زینہ

اول سے ذہن کو بند کر رکھا ہو ایک ایسے بشر یا انسان کو ظاہر کرتا ہو جو اس قسم کے وجود کا پہلو رہا تھا ایک خاص
شریعت کا علم تھا جس پر عمل کرنے سے کمال نفسانی حاصل ہو سکتا تھا۔ سالکان شریعت قدیم سے اسکو کسی طرح
کا بھی تعلق نہ تھا کیونکہ قدیم شریعت کے سالک کچی مٹی کیطرح اپنی صورتیں تبدیل کر سکتے تھے جس سے پتھر عاری ہے۔

علاوہ ازیں سنگ سیاہ سخت ترین اقسام حجر ہے، لیکن نہایت مصفیٰ و پاکیزہ، جوہر دار، اسکا بنیادی پتھر یا عیوب سے
پاک صاحب کمال کی علامت ہونا تعجب خیز نہیں اور کچھ عجب بھی نہیں کہ یہ اس شخص کی علامت ہو جس نے سنگ سیاہ کو اپنا
ہم نشین اور قدیم تاریخی واقعہ کی یادگار قائم کیا ہو۔ آخر الذکر کی نسبت آدم علیہ السلام سے دیگئی ہے، لہذا سنگ سیاہ کلاں
علامت آدم علیہ السلام جو اس زمانہ تشریعی کے پہلے معلم تھے۔ یا علامت نوح علیہ السلام جو دنیا کے موجودہ نسل کے بانی ہیں جنکی کشتی میں حوا آدم کو دینے قدم سے بچی

اس بیان میں چند ایک پہلو اور بھی ہیں مثلاً مقام پیدائش آدم۔ مقابلہ و امتحان آدم کا مقام، بود و باش
آدم کا مقام۔ ملائکہ و جنات۔ ابلیس کا مردود ہو کر نکلنا۔ اس کا انتقام لینے کی کوشش کرنا، آدم کا ترک
اولے، بہشت سے نکلنا۔ اور خود بہشت۔ یہ ایسے امر ہیں کہ ان کا بیان اور تحقیقات طول طلب ہے جس سے
مضمون ہذا کو کوئی قابل وقعت فائدہ نہیں ہوتا۔ ہاں ان مضامین کا دلچسپ ہونا محتاج دلیل نہیں۔ انشاءاللہ
اگر حیات مستعار باقی ہو تو ہدیہ ناظرین ہو گا۔

یہ بیشتر ذکر ہو چکا ہے کہ گراف بناتے وقت مدت، طول کی اکائیوں سے ظاہر کیجائے گی۔ لیکن مینار
میں طول کی اکائی ۱.۰۰۱ انگریزی انچ کے برابر ہے۔ ۹۹۹ میناری اکائیاں ۱۰۰۰ انگریزی انچوں کے برابر
لہذا ۱۰۰۰ انگریزی انچ کی پیمائش مینار میں ۹۹۹ سال کی برابر ہوگی۔ اور ایک سال ایک میناری انچ سے
ظاہر ہو گا۔

حیات دنیاوی دائرہ واقعات ہے جسمانی ہوں یا روحانی۔ واقعات جسمانی آثار ارضی و سماوی کے
زیر اثر ہیں۔ روحانی واقعات کا تعلق ایک ایسی دنیا سے ہے جس کا وجود چشم بصارت سے ممکن نہیں بلکہ چشم بصیرت
سے اسکو دیکھ سکنا ممکن ہو سکتا ہے پس انسان واقعات دنیاوی کا تخمینہ تجربہ گذشتہ کی بنا پر کر سکتا ہے لیکن واقعات
روحانی کے معاملات میں پریشان ہے اس لئے روحانی پہلو دیکھانے ہدایت کرنیوالے کی ضرورت ہوئی
ان امور کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کی چشم بصیرت تیز ہو۔ اور روحانی قوت دوسری مخلوقات سے زیادہ
تر۔ اسوقت وہ عالم شہود کے واقعات کے سمجھنے اور وحی الٰہی یا قانون قدرت کے استنباط کی قابلیت
رکھے گا۔ خود بھی صحیح و سالم کنارہ پر اوترے گا۔ اور وہ لوگ بھی صحیح و سالم رہینگے جو اس کو ناخدا سمجھکر اپنا
بیڑا اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ ان ناخداؤں کی آمد و رشد کے سنین کا صحیفہ مینار اعظم مصر ہے۔ نیز بعض ضمنی
واقعات بھی جو ہر ایک ناخدا کے سدراہ ہوتے رہے بصورت سنین ثبت کیئے گئے تاکہ اس کی اہمیت اندراج
سے وقوع کے وقت ناخدائے زمانہ کی صداقت روشن تر ہو جائے

ان واقعات کا زمانہ وقوع پیدائش آدم علیہ السلام سے محسوب ہو لہذا کل واقعات جو اس وقت

تک رونما ہوئے سنہ ادی بعد از خلقت آدم یعنی اوسی سال پیدائش کی یادگار ہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ مخلوقات کی ابتداء سے زمانۂ تاریخ کی ابتدا ہوئی پھر اس زمانے کو چھوڑ کر ایک آخری زمانے کے واقعہ سے اگرچہ وہ کتنا ہی اہمیت رکھتا ہو تاریخ کا ڈول ڈالنا ہٹ دھرمی ہو۔ اگر اس واقعہ سے سنین کا آغاز کیا جائے تو اس سے پہلے زمانے کے واقعات کا اندازہ اور گذشتہ تاریخ کا نشان کس طرح لگے گا۔

مینار اعظم کے اندر کل ضروری تعلیم کا موجود ہونا ہی اس کے اعجاز اور میر عمارت کے کمال علمی کی زندہ مثال ہے۔ مثلاً ایک زمانہ ایسا ضرور تھا جس میں کوئی وجود موجود نہ تھا۔ اگر کوئی وجود تھا۔ تو وہ خود قدرت ہی کا تھا جو واجب الوجود ہے۔ جو زوال و فنا آغاز و انجام کی حد سے باہر ہے۔ یہ زمانہ ایسا تھا جس میں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ قدرت نے اس تاریکی کو شگافتہ کیا ایک نور یا روشنی ظاہر ہوئی یہ روشنی کس عرصہ تک رہی علم تاریخ کی حد سے باہر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس نور کے گرد پروانوں یا ذرات کا جمگھٹا لگ گیا۔ ایک بادل سا یا بخارات کا تہ در تہ ڈل نظر آتا تھا۔ یہ مجتمع ہو کر زمین کی صورت میں ڈھلگیا۔ اور جب آبادی کے قابل ہوا تو اس کے آباد کرنیوالے کتم عدم سے وجود میں آئے مینار کی تحریر میں اس کو غار کے دوسری طرف کے راستے سے دکھلایا گیا ہے۔

یہ مخلوق لوازمات سے مستغنی تھی۔ نہ روشنی سے غرض نہ تاریکی سے مطلب۔ ایک زمانہ تک اسی طرح رہی اب قدرت کا ارادہ ہوا کہ وہ معرفت سے معمور ہوں۔ اپنی خلقت کی علت کو پہچانیں لہذا جلوۂ نور دکھایا۔ اس تاریکی کا خاتمہ ہوا الست بربکم کی گونج نے سب کے سر جھکائے زبان حال سے قالوا بلے کے نعرے لگائے۔ صناع مینار نے اس زمانۂ معرفت کا آغاز اس طرح ظاہر کیا ہے۔ روشنی کی شعاعیں راہ داخلۂ مینار سے ۲۶ درجہ ۱۰ دقیقہ ۷ ثانیہ کے زاویے سے اس راہ میں داخل ہوتی ہیں جس کے خاتمہ پر غار کا سطح راستہ بنا ہوا ہے۔ لہذا غار کے دوسرے کنارے سے دیکھنے والے کو ایک دھندلی سی روشنی دکھلائی دیتی ہے لیکن اس تاریکی میں یہ بھی بڑی غنیمت ہو۔ اس سے پیشتر جس راستہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ اس سطح پر کوئی زاویہ بناتا ہے جس کے باعث یہ دھندلی روشنی نظر نہیں آتی۔

فطرتاً ہر شے روشنی کی جانب مائل ہو۔ لہذا یہ روحیں بھی اسی طرف بڑھیں۔ کچھ ٹھیک راستہ پر صدق دل سے معترف فضیلت نور محبت میں چور۔ کچھ محض استعجاب میں اس نئی چیز کو دیکھنے کے لئے راہ بیراہ چل پڑیں۔ پہلی سلامتی کے ساتھ منزل مقصود پر پہونچیں۔ ضیائے نور سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اس کے تقرب کی غرض سے خمیدہ کمر ہو کر یا سلام کرتے ہوئے چل کھڑی ہوئیں دوسری اپنی کردار کی پاداش میں غار میں گریں۔ اندھیرے سے گھبرائیں۔ اور اسی دھندلی روشنی کی تلاش کرتی ہوئی اندرونی راہ کے ذریعہ قعر چاہ میں پہونچیں اس سے نکلیں تو ضیاء نور سے نظر خیرہ ہوئی۔ صداقت دلی سے معترف

ہوکر عظیم و تکریم کرتی ہوئی پہلے گروہ کے عقب میں رواں ہوئیں۔

پہلا گروہ مقربین تھا جو اپنے عشق میں مدہوش تھا۔ اس کے ہمراہ دوسرا نہ ان کا حوصلہ وجاعت بڑھانے والا مجنوں کا مجمع تھا۔ لہٰذا پہلے گروہ کے عشاق نورانی اثر سے منور ہوکر نورانی ہوگئے۔ اور اس نور کے نائب بن گئے۔ اسی پہلے گروہ کا دوسرا مخبر دوستوں کا وسیع حلقہ تھا ان کو نور سے انس تھا وہ عاشقوں کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اور سابقین کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ دوسرا گروہ ولادت کے قیدخانہ سے نکلکر اس پہلے گروہ کے عقب میں روانہ ہوا۔ اس کے درمیان اور پہلے گروہ کے درمیان کچھ زمانہ حائل ہوگیا۔ اس نور کے پروانے اپنی ہستی سے گذر کر نور پر تصدق ہوئے۔ اور زمین پر گرے سابقین اور تابعین کا سلسلہ جاری ہوا۔ پہلو نکو ملائکہ دوسروں کو اجنہ نام ملا۔ یہانتک کہ یہ راہ چلتے چلتے مقام تقاطع زینۂ اول تک پہونچے تو روشنی غائب ہوگئی۔ اب ہدایت کا مرکز ایک وجود جوہردار تھا جو عبدیت کے خطاب سے ممتاز علم کی مشعل ہاتھ میں لئے راہ دکھلانے کو موجود تھا

راہ مینار ابتدائے انتہا تک ۲۴ انچ مربع ہے۔ عرض و بلندی، لیکن جس مقام پر زینۂ اول کی سقف سقف مینارے ملی ہے وہاں زینہ کی چھت ۲۰ انچ کی بلندی پر ہے دونوں چھتوں کے درمیانی فاصلہ کو ایک محراب نے پورا کیا ہوا ہے۔ غار کیطرف سے آنیوالا آنکھیں نیچی کئے ہوئے کمر جھکائے ہوئے چلتا ہے سیدھا ہونے کی گنجائش نہیں راستہ نشیب و فراز کا معاملہ ہر ایک قدم آگے بڑھا اور مصیبت آئی۔ دیواروں کا سہارا لیکر اچھی طرح قدم جماکر دوسرا قدم اٹھاتا ہے۔ یہانتک کہ زینہ کے قریب پہنچتا ہے بند جگہ دکھلائی دیتی ہو۔ گھٹتی ہوئی کمر لرزتی ہوئی ٹانگوں کو آرام دینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ راہ سے ہٹکر محراب کے نیچے سیدھا ہوکر ستانے کی کوشش کرتا ہے۔ ستارے کی طرح چمکتی ہوئی روشنی جو اسوقت تک خضر راہ بنی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہو چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو ایک طرف روشنی کے آثار اور دوسری جانب اس روشنی کے عکس سے سیاہ پتھر کا چمکتا ہوا سرا دیکھتا ہے۔ جھک کر روشنی کیجانب نظر کرتا ہے تو اسی طرح ستارہ سی چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سیدھا ہوتا ہے تو غائب ہوجاتی ہے۔ پتھر کی عارضی چمک سے اطمینان نہیں ہوتا۔ آگے چلنے کا قدم بھی یارا نہیں۔ اسی جگہ مقام کرلینے کی سوچتا ہے تو کافی جگہ نظر نہیں آتی۔ لاچار ہوکر واپسی کی سوچتا ہے۔ پتھر کے سہارے وقت کاٹنے کی نسبت یہی بہتر معلوم ہوتا ہے الٹے پاؤں پھرتا ہے۔ روشنی پشت پر ہے۔ راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ دیوار کا سہارا لیتے ہوئے چاہ کے قریب تک پہونچتا ہے۔ اندھیرے میں کچھ معلوم نہیں دیتا۔ گڑھے میں گرپڑتا ہے سیدھا رہا تو روشنی کی شعاع اوپر سے گذرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ایک نقب بھی نظر آئی۔ بہزار کوشش اس میں گھسا لیکن دوزانو ہوکر۔ اور سر کو فرش سے ملاکر۔ اوپر کھسکتے تو کیسے۔ تلاش میں ادھر ادھر ہاتھ گھماتا ہے تو ایک لوہے کی میخ ہاتھ میں آجاتی ہو۔ اور اس کے سہارے اوپر کیجانب حرکت کرتا ہے۔

لیکن سرزمین پر جھکا ہوا گھٹنے زمین میں گڑلائے ہوئے اور میخ کا سہارا لیتے ہوئے۔ اگر بدقسمتی سے منہ کے بل گڑھے میں آیا تو تاریکی میں ہاتھ مارنے لگا دبی تنگ گھاٹی ہاتھ لگ گئی جس سے پہلی مرتبہ روشنی کی تلاش میں نکلا تھا۔ مصیبت کا خیال رونگٹے لال کئے دیتا ہے۔ بدن میں لرزہ پیدا ہوتا ہے لیکن لڑھکتا ہوا نشیب کیطرف چلا جاتا ہے۔ اور غار کے اندر گر پڑتا ہے۔ اس جگہ اکڑا ہوا بدن سیدھا کرتا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے اسی مقام کو اپنا مسکن سمجھتا ہے۔

اس میناری بیان کو قرآنی بیان سے ملاتے۔ ارواح ملائکہ و اجنہ و انسان اقرار ربوبیت کرنے کے بعد روشنی کیطرف آئیں۔ اجسام لطیف کی ارواح لطیف تر ہونے کے باعث منزل مقصود کیطرف بڑھیں۔ ملائکہ پیشرو۔ اجنہ ان کے ساتھ ساتھ۔ نور کی نورانیت کی کشش کشاں کشاں لئے جاتی ہے کہ خطاب آتا ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ خلافت کے حصول میں کوشش ہوتی ہی۔ کہ اچانک پھر آواز آتی ہے انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین ط یہ آواز کیا تھی بم کا گولہ تھا۔ ساری امیدوں پر پانی پھر گیا آپس کی کشاکش چھوڑ اس سے نجات کی تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر سوچ بچار کر عرض کی اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک ط کیا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائیگا۔ دیا دوسرے الفاظ میں ظالم ہوگا، اور ہمیں اس کی طرف سجدہ کا حکم دیتا ہے حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تیری تقدیس کے تذکرے ورد زبان رکھتے ہیں جواب ملا انی اعلم ما لا تعلمون۔ تم اپنے علم کا اظہار کرتے ہوئے اس کے خلاف قتل و غارت کے خصال کے الزامات لگاتے ہو حالانکہ تم خلافت کے اوصاف سے واقف ہی نہیں مجھے تم سے زیادہ علم ہے۔ میں جانتا ہوں کون خلافت کے سزاوار ہے اچھا تمہارا اس کا مقابلہ ہوگا۔ جو فتح پائے خلیفہ بنجائے۔ تم علم کے مدعی ہو یہی معیار امتحان سہی۔ آخر مغلوب ہوئے۔ حکم کے مقابلہ میں اعتراض کرنا اور خلیفہ منصوص کے مقابلہ میں آ ڈٹنا معرفت کے منافی ہے اور چاہ ضلالت میں گرنا اسی کا نام ہے جسکو میناری صناع نے ایسا نبھایا کہ لفظی نقشہ بھی اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ مغلوب ہوکر آخر اسی کے قدموں میں گرے اور اسی کے سہارے اس طرح ابھرے کہ کمال کو پہونچے۔ اس کے وسیلے سے مقرب بارگاہ بنگئے۔ مخالف کو گردن پکڑ کر دھکا دیا۔ وہ اسفل السافلین کو پہونچا دبی ہمیشہ کے لئے اس کا مقام ٹھہرا۔

تسلیم و متابعت کے سبب غیر جنس عزیز ہو جاتے ہیں۔ اور مخالفت کے باعث اپنے عزیز غیر جنس میں شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً ملائکہ متابعت آدم علیہ السلام سے مقرب بارگاہ ہوگئے۔ حالانکہ نور و خاک میں کوئی یگانگت نہیں۔ اور ابلیس باوجود قرابت یگانگت غیر جنس قرار پایا۔ خود قابیل پسر آدم علیہ السلام نااہل ہونے کے باعث غیر جنس محسوب ہوا۔ اسی طرح رفقائے نوح علیہ السلام آپ کی متابعت کرکے فائز المرام

ہوئے حالانکہ پسر نوح طوفان میں غرق ہوا نا اہل تھا۔ دوسروں کو جانے دیجئے۔ اپنے ہی گھر میں نظر دوڑایئے سلمانؓ فارسی عجمی الاصل نے متابعت کے باعث السلمان منا اہل البیت کا تمغہ پایا۔ اس کے زمانے میں لاکھوں عرب اور ہزاروں قریشی تیمی عدوی اموی ہاشمی موجود تھے لیکن اس رتبہ کو کوئی نہ پہونچا خود رسولؐ مقبول کا چچا ابولہب اپنی مخالفت کے باعث ہلاک ہوگیا۔ پھر دوسروں کا تو ذکر فضول۔ خلیفۂ رسولؐ موعود کی مخالفت ہلاکت کو پہونچائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ خواہ وہ خلیفہ قبل از ولادت ہو یا بعد از وفات مخالفت نائب مخالفت منیب ہے تخلف کرنا اور نجات کی امید یعنی چہ؟ بقول سعدیؒ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ÷ کایں رہ کہ تو می روی بترکستان ست

وما علینا الا البلاغ

خیر دوسرا اہم ترین واقعہ بعد از پیدائش آدم علیہ السلام قتل ہابیل تھا۔ جس کے باعث ایک ثلث انسانی آبادی کم ہوگئی۔ اور شریعت آدم علیہ السلام سے تخلف ہوکر ایک رخنہ پیدا ہوگیا جسکا رواج ابتک جاری وساری ہے۔

یہ پہلا دین الٰہی محبت ویگانگت، ملاطفت وموانست، تمدن ومعاشرت۔ عدل وکرم، رحم وایثار، عجز وانکسار، حلم ووقار، عفو وایثار، معرفت واطاعت، علم وعمل کا دین تھا۔ پہلا انسان اپنے وجود کے ساتھ اس شریعت کا معلم بنکر آیا۔ ایسے وقت میں ظاہر ہوا جبکہ بغض وعناد، جنگ وجدل، شر وفساد، نفسانیت وخودغرضی، طمع وحرص، لوٹ مار، سرکشی وطغیانی، جاہ طلبی وحکومت پرستی، ظلم واستبداد، قطع رحم، تکبر، شہوت پرستی، نفاق، حسد، اور کجروی وکج فہمی کا بازار گرم تھا۔ بھائی بھائی پر پڑوسی پڑوسی پر ہاتھ صاف کرنا ہنر سمجھتا تھا۔

آدم علیہ السلام کی بعثت کی غرض انسانیت کی تعلیم اور طریق معاشرت سکھانا تھا۔ عملاً وقولاً۔ دوست ودشمن کے ساتھ لطف ومدارا کے قاعدے عفو وایثار کے اصول، عبد ومعبود کے تعلقات بتلانے مقصود تھے۔ باپ محبت کی تعلیم دے خلقت موجودہ کو دین پر عمل کرنے کی نصیحت کرے اور پسر اپنے پدر کے حکم، شریعت محبت کے حکم کے خلاف اپنے بھائی کی ترقی سے خوش نہ ہو۔ اس کی عزت میں اپنی ذلت سمجھے۔ اس کا قتل کرنا جائز رکھے۔ اس سے زیادہ اور کیا رخنہ ہوسکتا ہے مخالفت کی گنگ گھر سے جاری ہو تو دوسروں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ بقولے ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اس ہونہار نیک کردار مطیع وفرمانبردار پسر کی بے وقت وفات اور جدائی کا صدمہ کیا کچھ نہ ہوگا۔ بس اس واقعہ کے بعد ۱۳۰ آدمی میں دوسرے بیٹے کی ولادت اس متوفی کا نعم البدل قرار پائی۔ یعنی تیسرا واقعہ ولادت شیث بن آدم علیہ السلام ہے۔

حضرت شیث یعنی ہبۃ اللہ کے بعد نسلوں کے شمار شروع ہو گئے۔ آبادی ترقی پر تھی۔ چنانچہ آپ کی عمر ۱۰۵ برس کی تھی۔ کہ انوش پیدا ہوئے۔ ممکن ہے یہ نام بھی محض اضافی ہو اصلی نام کچھ اور ہو۔ لوگ انوشیث کہکر پکارتے ہوں جس کا رفتہ رفتہ انوش بنگیا ہو۔ قینان دو لفظوں سے مرکب ہے قین اور ان۔ "ان" انوش میں موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قین نام کے ایک سے زیادہ شخص تھے مثلاً ایک قابیل تھا جس کا نام قاے تہا۔ لہذا اسکو قاے بن ایل اور دوسرے کو قاے بن انوکہکر پکارنا کچھ بعید نہیں۔ قاے بن ایل قابیل بن گیا اور قاے بن انوسے قینان۔

چونکہ این ان اور بن ہم معنی ہیں۔ یہ بہت صحیح ہے کہ قابیل قابن ایل عربی اور قاان ایل کلدانی زبان کے تلفظ ہوں اور پہلا قابیل ہو گیا دوسرا قاین۔ توریت میں قابیل کا نام قاین ہی آیا ہے۔

قینان بھی اس طرح سے قاانان ہوا۔ انان "ان" "ان" کا مرکب ہے۔ جس کے معنی بیٹے کے بیٹے ہوئے۔ لہذا یہ قاوہ شخص تھا جو آدم علیہ السلام کے پسر موعود شیث ہبۃ اللہ کے بیٹے کا بیٹا تھا نہ کہ وہ جو کہ آدم علیہ السلام کا پسر تھا۔ اغلباً یہ قینان وہی ہے جس نے چین میں سب سے پہلے دین آدم علیہ السلام کا وعظ کیا۔ چین یا شین چین۔ البستیوں کے ملک کو کہتے ہیں جیسا کہ خود چینی زبان کے الفاظ شان لنگ دخانہ لنگ، ہتیان شان وغیرہ ظاہر کرتے ہیں۔ چین میں پہلا مصلح کنفیوشش نامی گذرا ہے۔ اغلباً یہ نام کنف یوشیث ہوگا۔ یعنی کے پسر پورۂ یوشیث۔ اسی طرح۔ اگر غور کیا جائے تو کوئی ملک ایسا نظر نہ آئیگا۔ جسیں ہدایت کرنے والا اس خلیفۂ ارض کی نسل کا موجود نظر نہ آئے۔ البتہ مختلف ممالک کی تاریخ سے واقفیت کی ضرورت ہے۔

ملک عرب ہمیشہ سے مرکز توجہ عالم نظر آتا ہے۔ تاریخ ہنود سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مقام تیرتھ علاوہ ان مقامات کے جو ہندوستان میں موجود ہیں سمندر پار تھا جس کی زیارت کے لئے تمام مخلوقات جوق جوق جایا کرتی تھی۔ زمین یا تو آبادی کے قابل نہ تھی یا عزت و احترام کیوجہ سے اس مقام پر عبادت کے سوا بستی بساکر رہنا اور مشاغل دنیوی میں مصروف ہونا ممنوع ہوگا۔ الارض سے یا اوم ارتھ سے۔ اسی سرزمین کیطرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ "ایل واوم اللہ ایک ہی بات ہے۔" ارتھ "وارض" وعرش ایک ہی مقصد کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی تشریح اسفار قدیمہ سے ظاہر ہوتی ہے جس میں زمین کی قسم کھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے "کیونکہ وہ خدا کی چوکی ہے" چوکی عرش تخت ارض ارتھ مختلف ممالک کے الفاظ ہیں جن کا مقصد ایک ہی خیال کو ظاہر کرنا ہے۔

تیرتھ اغلباً تیری ارتھ یا گھر والی زمین کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص مقدس وجود نے اپنا گھر بنایا ہو۔ جیسا کہ لفظ استری میں یہی لفظ موجود ہے۔ اور "ایشیا" کا لفظ "ایش" استری کے ابتدائی حصہ میں ظاہر۔ لہذا "استری" ایش کے گھر والی ہوئی جس کو زمانۂ حال میں زوجہ۔ بیوی۔ عورت وغیرہ کہتے ہیں

صورت کا اد ارتھ ہونا یا ادم ارتھ ادس ارتھ یا است ارتھ ہونا ظاہر ہے "عو" "اد" "اوس" "است"۔ سب ایک ہی مقصد ظاہر کرتے ہیں۔ یہی الفاظ لفظ "ادم" میں موجود نظر آتے ہیں۔ "عودم" "اودم" "اوس دم" "است دم" "ادم" ایک ہی ہیں

حرف "د" عربی "ض" تقریبًا ہم مخرج ہیں کیونکہ "ض" کا تلفظ صرف حجازی زبان ہی ادا کر سکتی ہے دوسری زبان اسکو "د" "ذ" "دھ" یا "تھ" اور "ٹ" کی صورت میں ادا کرتی ہے۔ اندریں صورت "دھم" "ضم" ایک ہوں گے "ضم" کے معنی ملاپ اور وصل ہوتے ہیں۔ اور آدم سے "وصل او" یا "او کا ملاپ" مراد ہو گی

"او" یا "یو" روشنی کو کہتے ہیں پس "عو" "اوس" "است" "ایش" "او" نور کو ظاہر کرتے ہیں اور اس وجود کا نام جس میں یہ نور نظروں سے غائب یا مخفی ہونے کے بعد نظر آیا "آدم" "عودم" "اودم" "ادسم" یا "استم" کہلائیگا۔ "عود" "عد" "اود" "ادم" "او" "اوس" "ایش" "است" انہی الفاظ کی مختصر صورتیں ہیں جو آسانی تلفظ کے لئے رائج ہو گئیں۔

تری ارتھ یا گھر والی زمین اس مقدس ہستی کے مقام کی زمین ہوئی جو نور کی قائمقام تھی۔ قائمقام کو خلیفہ کہتے ہیں۔ لہذا اس زمین میں جو نور کے ظاہر ہونے کا مقام تھی اس کا نائب رہنے لگا۔ نائب کا ہر ایک فعل منیب کا فعل، اس کی ہر شے منیب کی ملکیت ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے منیب کا نوکر ہوتا ہے یا غلام لہذا جس مقام میں "خلیفہ" "نائب" "خادم" "مجسمہ" مقیم ہوگا۔ وہی مرکز حکومت، دار السلطنت، دار الخلافہ کہلائیگا۔ اس کے مکان سکونت کو محل شاہی بیت السلطنت، بیت ال کہیں گے۔

مکان سکونت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ایک حصہ نائب کی سکونت کے لئے ہوتا ہے اور دوسرا حصہ بادشاہ کے نام سے مخصوص کر دیا جاتا ہے اس میں مداخلت کرنے اور گھسنے کی ممانعت ہوتی ہے اس لئے یہ حصہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ کوئی خالص خادم دربار ہی اسکو کھولتا، صاف کرتا، مرمت کرتا یا آمد شاہی کے وقت پیشتر سے سجاتا ہے۔

آدم علیہ السلام اس ذات مقدس کے خلیفہ تھے جو نورانی تھا مجسمہ نور تھا۔ لہذا یہ نور منیب آدم اس کل عمارت کا مالک تھا۔ اسی کا مکان تھا۔ اور اسی کا مکین۔ اپنے کمرۂ خاص میں وہ جب چاہے آئے دربار عام کے مقام میں غیروں کو رہنے دے یا دھکے دیکر نکالدے۔ اسکو کوئی روک نہیں سکتا

آدم علیہ السلام تراب سے پیدا ہوئے قرآنی شہادت موجود ہے خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون اب یہ آدم جس کے مکان میں رہا جس نے تعلیم و تربیت کا ذمہ لیا۔ اس کا ربیب کہلائیگا۔ یعنی ایک باپ وہ ہوا جو باعث خلق ہے دوسرا باپ وہ جس نے حقیقی بدلے کے عوض فرائض تربیت انجام دیئے۔ لہذا یہ صاحب خانہ محترم ابو تراب ہوا اور ولادت علی مرتضیٰ کے اس بند کمرے میں ہونے سے ثابت ہوگیا کہ وہ بادشاہ

جس کے خلیفہ آدم علیہ السلام تھے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام ہی تھے۔ آپ کی کنیت ابوتراب ہونے کی وجہ یہی ہے
ال ایل، علی ایک ہی ہیں پس بیت ایل بیت اللہ، بیت اللہ سے بیت علیؑ مراد ہوگی۔ نہ کہ خدا کا گھر۔ ورنہ خدا
کے لئے جسمیت ماننی پڑے گی۔ جو محال عقلی ہے۔ اس لئے خدا کو رب الارباب واللہ الاآلہ کہتے ہیں وہ مکان
کا محتاج نہیں۔ لہٰذا یہ مکان اس کا گھر تھا جس پر الوہیت کا دھوکا ہوتا ہے۔ اسی لئے امام شافعی کی نسبت کہا
گیا ہے ومات الشافعی ولیس یدری علی ربہ ام ربہ اللہ۔ کہ شافعی مرگیا اور اسے سمجھ نہ آئی کہ علیؑ اس کا
رب ہے یا اللہ۔

اب ذرا اس آیت قرآنی پر غور کیجئے۔ انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی
فقعوا لہ ساجدین۔ یہ پیدا ہونے والا بشر "طین" سے خلق ہوا نہ کہ "تراب" سے۔ آخر الذکر گیلی مٹی کا نام ہے جس کے
گھر بنائے جاتے ہیں طین وہ مٹی ہے جو کیچڑ کے مانند ہو۔ اس کی طینت یا سرشت کا تراب ہونا مسلم ہے لیکن
ظرف بنانے کے لئے اسکو درست کرنے کی ضرورت ہے اب یہ کمائی ہوئی مٹی اور معمولی گارا برابر نہیں
ہوسکتے۔ البتہ اصلیت دونوں کی ایک ہے۔ گارا گھر بنانے کے لئے اور کمائی ہوئی مٹی برتن بنانے کے
لئے ہوتی ہے جس میں مختلف نفیس اشیا اور ارواح رکھی جاتی ہیں۔ برتن مکان کے اندر رہتا ہے۔ مکان برتن
کے اندر نہیں ہوتا۔ لہٰذا مکان کی بنا کا مقصد ظرف ہوتا ہے جو گنجینہ ہے۔

آدم علیہ السلام اس ظرف کے لئے جو خزانہ علم الٰہی کا صندوق تھا ایک مکان تھے۔ یہ ظرف معمولی
کمہار و مٹی کا نہیں تھا بلکہ اس مٹی سے بنا ہوا تھا جس سے آئینہ، آبگینہ، زجاجہ بنتے ہیں۔ لہٰذا یہ بشر آدم
علیہ السلام نہیں ہوسکتے جو تراب سے خلق ہوئے اور نہ وہ بشر یہ بشر ہوسکتا ہے جو من صلصال من حماءٍ
مسنون سے (سڑے ہوئے کیچڑ والی مٹی سے) پیدا ہوا ہو۔ اگرچہ تخم سب کی نسبت ایک ہی ہے لیکن جام
یا فانوس سے ظرف و مکان کو کیا نسبت "گوہر پاکیزہ جو ہر را چہ نسبت با رخام"

اس سلسلہ مذکور سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ صرف ایک ہی ایک بشر پیدا ہوا۔ نہیں نہیں بلکہ تتو تتو۔ چنانچہ
آدم علیہ السلام کے شاید ایک سو ایک سے زائد پسر و دختر ہوئیں۔ ان کی شادیاں جبارون کے درمیان
ہوئیں جس کا ذکر توریت میں موجود ہے۔ قابیل اپنے پدر محترم سے باغی ہوکر اغلباً اپنی سسرال میں گیا ہوگا۔ کیونکہ
اس کا نودہ کی سرزمین میں آباد ہونا مذکور ہوا ہے۔ قنوج کے راجاؤں کا نودہ کہلانا تاریخی واقعہ ہے۔

اسی طرح ان شکلوں کی ساخت سے بیشمار اعداد پیدا ہوتے ہیں لیکن جس طرح اولاد آدم علیہ السلام
میں سے ہمارا تعلق ایک سلسلہ مخصوص کے ساتھ ہے اسی طرح کل اعداد ساخت میں سے بعض سے ہمارا تعلق
ثابت ہوتا ہے۔ پس حسب مطلب اعداد لیکر دوسرے اعداد کا ترک کرنا قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔

آئندہ کی تاریخیں قلمبند کرنے سے پیشتر گذشتہ واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالکر ان کو ذہن نشین کر لینا
بہتر ہے۔ ابتدا میں دو قومیں نظر آتی ہیں۔ ایک حاکم۔ دوسرے محکوم۔ حاکم راستی پرست لیکن محکوم بعض دل کے

کھوٹے۔ پہلی قوم کو ملائکہ کہا گیا۔ اور دوسری کو جن یا ہندی بیان کے مطابق دیوتا اور دیت۔

اس دیت یا جن قوم کا ایک فرد علوم حاصل کرکے پہلی قوم میں معزز و ممتاز ہو جاتا ہے اور معلم بنتا ہے۔ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اقوام میں کشمکش اور جنگ ہے۔ اس فساد و عناد کو مٹانے کے لئے ایک تیسرا فرد آتا ہے جو نسلی اعتبار سے دونوں پہلی قوموں سے علیحدہ ہے۔ ان کو حکم ہوتا ہے کہ براہ راست تقرب کا دروازہ بند ہو گیا۔ تقرب کا حصول اس آنے والے کے ذریعہ ممکن ہے جو حاکم علی الاطلاق کا خادم بھی ہے۔ اور اس کا خلیفہ بھی۔ پس جو شخص اس خادم کی اطاعت کرے وہ مقرب ہوگا۔ لیکن عالم کو جاہل کی اطاعت کرنا معصیت ہے لہذا اس خادم کی اطاعت کرنے سے پیشتر اس کی فضیلت دیکھنا چاہتے ہیں۔ امتحان ہوتا ہے۔ یہ عالم اس خادم سے ہار جاتے ہیں۔ سب اس کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ الا قوم جن کا وہ فرد جو معلم بنا ہوا تھا۔ وہ علمی بازی میں ہار کر بھی اطاعت قبول نہیں کرتا اپنی نسلی امتیاز اس سے بہتر خیال کرتا ہے۔ اور اس جماعت سے کٹ جاتا ہے نکلتے وقت وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس خادم کی نسل کو گمراہ کردونگا صرف خاص الخاص اشخاص کو چھوڑ دوں گا۔ اس خادم کے دو بیٹوں میں فساد پیدا کرکے ایک کے ہاتھ سے دوسرے کی موت کا باعث ٹھہرتا ہے جسقدر نسل خادم بڑھتی ہے اس کی تدابیر کے تیر تیزی کے ساتھ چھوٹتے ہیں ملائکہ اس کی دسترس سے باہر ہیں۔

اس کی تجاویز اسقدر کارگر ہوتی ہیں کہ باوجود نو شخصوں کی تبلیغی کوشش کے گمراہی کا سلسلہ ترقی ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ شریعت کے احکام کی علی الاعلان مخالفت ہوتی ہے۔ تھوڑے سے اشخاص جو متابعت میں رہے بھی تو وہ مجبور و لاچار۔ آخر خادم قدیم واپس ہوتے ہیں اور اطاعت کے بدلے جزا مخالفت کے بدلے سزا یا مکافات عمل کی شریعت رائج ہوتی ہے۔۔ مگر شریعت کا حکم سننے والے تھوڑے مخالفوں کی کثرت۔ ادھر وعظ و پند کی آواز اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کی صدا کانوں میں پڑی۔ اور سنگباری شروع ہوئی۔ یعوق یغوث نسر ود اور سواع کے خلاف کلمہ سنا۔ اور ایذا دہی پر تل گئے۔ نزول عذاب کے وعدوں کی تاخیر نے اور بھی جماعت میں تفرقہ ڈالدیا۔ ادھر موت نے بھروسے کے لوگوں کو اپنے قبضہ میں کیا۔ جماعت پر رہا سہا وبا ذہی جاتا رہا کل ۸۰ مرد و زن کی جماعت باقی رہ گئی جس میں اپنے بیٹے پوتے پڑپوتے اور دیگر گذشتہ نبیوں کے بعض نام لیوا بھی شامل تھے۔ اور طرہ یہ کہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے کرتے ۹۰۰ برس کی عمر ہو گئی۔ لیکن سب محنت بیکار ثابت ہوئی۔ بلکہ اپنے ساتھیوں میں سے بھی بعض شریعت کو جھوٹ کا دفتر اور شارع کو دروغ گو سمجھکر دشمنوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

صبر و استقلال کی کوئی حد ہوتی ہے۔ پانچسو سال سے زیادہ مصائب سہتے گذر گئے جسقدر یہ ایک معبود کی عبادت و اطاعت پر زور دیتے اتنا ہی وہ یعوق و یغوث و نسر کی پوجا کا پرچار اور ان بے سر پیر بھروں کی پوجا کرتے۔ آخر مایوس ہوکر بدعا کی۔ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا

فانک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا (خدایا اس زمین (الارض) خاص پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو نے چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی فاجر و کافر ہی ہوگی۔ دعائے نبی تھی۔ رنگ لائی۔ زمین خاص جس میں آدم علیہ السلام خلیفہ مقرر ہوئے جو مقدس المقدس اور بڑی تیرتھ کی جگہ تھی اور نسل آدم علیہ السلام سے پر تھی۔ پانی میں ڈوب گئی۔ نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لیکر کشتی میں سوار ہو گئے اور ایک سال کے بعد جب کشتی کوہ جودی پر ٹھہری تو خشکی پر اترے قصہ حضرت نوح علیہ السلام میں علاوہ تاریخی واقعات کے جغرافی حالات اور قدرتی سامان یعنی وہ وسائل جس سے نئی زمینیں ظاہر اور پرانی بستیاں یا ممالک غائب ہوتے ہیں معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخی وجود تو یعوق، و یغوث، و نسر و ود و سواع کی تمدنی و معاشرتی اہمیت ہے جس نے اس بندہ خدا کی نصیحت کو رنگ نہ لانے دیا۔

کلام پاک میں صرف اسی قدر مذکور ہے۔ رکوع ۱ پ ۲۹ سورہ نوح (قال نوح رب انہم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خسارا ۝ ومکروا مکرا کبارا ۝ وقالوا لا تذرن آلھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا ۝ وقد اضلوا کثیرا) ترجمہ۔ نوح نے عرض کی پروردگارا انھوں نے مجھ سے تخلف کیا (مجھ سے مخالفت کی یا میری نہیں سنی) اور اس کی پیروی کی جس کی مال و دولت اور اولاد نے خسارے کے سوا اور کوئی نفع نہیں دیا۔ اور انہوں نے مکر بڑا فریب کھیلا۔ اور ان سب نے کہا خبردار اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اور نہ ہرگز ود، سواع، یغوث، و یعوق و نسر کو چھوڑنا۔ اس طرح بہتوں کو گمراہ کر دیا۔

آیۃ مذکورہ بالا میں علاوہ مخالفت آنحضرت کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ (۱) خلقت موجودہ کسی ایسے مالدار صاحب اولاد کثیر کی اطاعت میں منہمک تھی جو گمراہ و فاسق و فاجر تھا (۲) انھوں نے مجتمع ہو کر زبردست فریب دینے کا مشورہ کیا۔ قرارداد یہ پائی کہ (نوح کی مخالفت پر کمر باندھو) اور اپنے معبودوں اور اپنے لیڈر کو نہ چھوڑو (۳) و و سواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر کوئی تاریخی ہستیاں تھیں یا اس قوم کے معبودوں کے داعی۔ جو تعلیم نوح علیہ السلام کے مخالف بت پرستی کی تعلیم دیتے تھے۔

نمبر اول تو ایک معمہ ہے جسکا ذکر اس وقت فضول ہے۔

نمبر دوم یہ اجتماع شخص مذکورہ (نمبر ۱) کے ہوا خواہوں نے قائم کیا تاکہ نوح علیہ السلام کے خلاف مشورہ کریں۔

نمبر سوم۔ نوح علیہ السلام کے مخالفت کرنیوالے اور آپ کی مخالفت کی تعلیم دینے والے تھے۔ غالباً مصری نجوم تاریخ میں گاتھ کا لفظ موجود ہے۔ زیادہ تلاش کی ضرورت نہیں۔ عربی میں اسکو غاث تلفظ کریں گے۔ اسی طرح نبوگش۔ گھوش الفاظ بھی موجود ہیں۔ پس یغوث (یو غوث) اور نبوگس ایک ہی وجود ہوا۔ نبو اور نبی میں زیادہ فرق نہیں۔ گاتھ یورپ کی مشہور قوم گذری ہے۔ لہذا یغوث اس قوم کا رہبر ہوگا۔

اب یعوق کو لیجئے۔ لفظ یو کو ہم پہلے دیکھ چکے۔ اس کے معنی نبی ہیں۔ عبرانی میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ یوایل کا نام

اسفار انبیا کے دیکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔

لہذا یوق سے یوعوق (یعنی عوق) مراد ہوئی۔ عوق کو عناق کا پسر بتلاتے ہیں۔ پس یوق عناق کا پسر (عوق بن عوبن قا) تھا۔ اس کا نام عوق بن عوق مشہور ہوگیا ہوگا۔ اس عوق کو عوج بھی کہتے ہیں جو طوفان نوح میں بایاب اترا۔ یہ پانچ مختلف حیثیت اور رسوخ کے لوگ تھے جو مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اور ہر ایک نے اپنی اپنی قوم کو مخالفت پر آمادہ کرنے کی ٹھانی۔

قرآنی تاریخ نے ان مشہور و معروف قبائل دنیا کے بزرگ لیڈروں کا وجود زمانہ نوح علیہ السلام میں ثابت کر دیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ تیرتھ کے موقعہ پر مختلف مقامات سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے مقام سے بڑھکر اس پرچار کے لئے کوئی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ مقام جو ہدایت کی سرزمین کہلاتا تھا گمراہی پھیلانے کا مرکز قرار دیا گیا۔

دعا نے نئی رنگ لائی۔ سمندر میں طغیانی آئی۔ بارش نے ساون بھادوں بھلا دیئے۔ زمین کے اندر سے چشمے پھوٹ نکلے۔ ایسا ہونا کچھ تعجب خیز یا ناممکن نہیں۔ زلزلہ بارش طوفان امواج آندھی وغیرہ غیر معروف مناظر قدرت نہیں۔ زمین کا پھٹنا عموماً ایسے ایسے امور آج کل بھی مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ سمندر کی سربفلک لہریں میلوں تک خشکی میں دوڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔

عرب۔ افریقہ۔ امریکہ۔ آسٹریلیا۔ ایشیا۔ یورپ کے نقشوں کو لیکر ان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر عرب کو دھکیل کر مشرق کیجانب کھسکائیں تو خلیج فارس غائب ہو جائیگی اور عرب کا جنوب مشرقی سرا ایک مقام میں بندر عباس کے قریب آملے گا۔ افریقہ کا مشرقی گوشہ سقوطری بھی اسی طرح راس باب المندب کو بند کرتا ہوا عدن سے آملیگا۔ اسی طرح جنوبی امریکہ افریقہ سے شمالی امریکہ یورپ سے ملحق ہو جائیگی۔ اور کل قطع خشکی ایک نظر آئے گا۔ پس جس وقت کسی طاقت کے دباؤ میں علیحدہ ہو کر ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ ان کے چاروں طرف کے سمندر کا پانی اتنی ہی طاقت کیساتھ اس خلا کیطرف بڑھے گا۔ جو اس جدائی سے خشکی کے اندر پیدا ہو گئی۔ بعینہٖ یہی واقعہ اس وقت ظاہر ہوا۔ خلیج فارس۔ بحر قلزم بند بحیرہ میں۔ پانی کا ریلا۔ اس تمام علاقہ پر عبور کر کے اگر کل آبادی عرب، عراق عرب، مصر، سوڈان، ایران وغیرہ کو صاف نہ کر دیتا تو اور کیا کرتا۔ البتہ سطح مرتفع کا بچا رہنا ممکن ہے۔ کشتی نوح علیہ السلام اسی طوفان کی لہروں کی ٹکروں سے کوہ جودی کی چوٹی پر ٹھہری

نوح علیہ السلام کے ہمراہ آپ کی اولاد یعنی تین پسران کے عیال اور ساتھیوں کو ان کے عیال سمیت ملا کر کل اسی نفوس اور ہر قسم کے چرند و پرند وغیرہ کا ایک ایک جوڑہ تھا۔ لہذا یہ نئی بستی یا کالونی بسانے والے اسی جمیعت اور سامان کیساتھ زمین پر اترے۔

زمین مقدس تو سمندر بنی ہوئی تھی۔ پانی کے کنارے کنارے بستیاں بسا کر رہنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ

سے علیحدہ رہکر بسر کرنے کی ٹھانی

مخالفت کا بیج کسی طرح سے نوح علیہ السلام کے گھر کے اندر کاشت ہوگیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ سام علیہ السلام وصایت پدر کے لئے منتخب ہوئے۔ حام بڑا تھا اسکو ناگوار ہوا ہوگا۔ مخالف ہوگیا گھر سے نکالا گیا۔ اس کی زوجہ اور بیٹا اس جلاوطنی کے باعث اس کو چھوڑ گئے

گھر سے نکلکر حام نے ادہر ادہر پھرنا...... اور آفتاب پرستی کا وعظ کرنا شروع کیا جوان تنو مند سیاہ فام تھا۔ آخر کچھ ساتھی پیدا کرلئے۔ روایات سے حام کا نام اطلس معلوم ہوتا ہے دوبابل پادری ہسلپ)

ادہر اس کے پسر کو جس کا نام کش تھا۔ دادا کی تربیت اور ہر وقت کیساتھ رہنے نے چار چاند لگا دیئے علوم میں طاق ہوگیا عقل وخرد خداداد اور بھی سونے پر سہاگہ ہوئی اس کی تزویج یافث کی لڑکی سے ہوئی وہ بھی دادا کی محبت سے ہر طرح اس کی مدمقابل تھی۔ حام نے بھی اس ازدواج کی خبر سنی محبت پدری نے جوش مارا اس کے علاوہ اس کو معلوم تھا صحف انبیائے وعلوم کے خزانے گھر میں موجود ہیں۔ اگر ایسا عالم پسر ان علوم سے واقف ہوجاتے تو آیندہ کے لئے ترقی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آخر کچھ سوچکر بھائی یافث کے گھر پہونچا۔ اور نئے رشتے کی توقع پر اس سے یہ درخواست کی کہ کسی طرح گھر کے اندر لیجا کر بیٹے اور بہو سے ملاوے۔ قدیم روایتوں سے اس واقعہ کا تعلق مور اور سانپ سے تبلایا جاتا ہے۔ مور اپنی خوبصورتی اور رعنائی میں شہرہ آفاق ہے اور سانپ کا جانی دشمن۔ یافث کی زوجہ حسین تھی۔ اور زوجہ حام کی دشمن بھی۔ کیونکہ گھر بھر میں ایک یہی بڑی بوڑہی تھی۔ ہر شے اس کے اختیار میں۔ اس کا قبضہ زوجہ یافث کو ناگوار تھا۔ موقعہ اچھا سمجھکر کہدیا گھر کی کار مختار تمہاری بیوی ہے اس سے کہو تو تمہارا مطلب پورا ہو سکتا ہے اس طرح پر حام کو اپنی زوجہ سے ملنا اور سوال کرنا پڑا۔ عورت ہوشیار تھی سمجھ گئی کچھ دال میں کالا ہے یافث کی زوجہ سے دل میں کھٹکا لگا ہوا تھا گھر میں لیجانے سے انکار کردیا۔ البتہ بیٹے بہو سے خاوند کا پیغام کہنے پر رضامند ہوگئی۔ حام نے یہی غنیمت سمجھا اور اسکو سمجھا گیا کہ صحف انبیا میں سے اس علم کو سیکھنے کے لئے بیٹے بہو کو ترغیب دے جو غیبیات سے متعلق ہے جسکو وہ علم ہوتا ہے وہی نبی ہوتا ہے۔

حام تو یہ کہکر چلتا بنا۔ اس کی بیوی نے یہ سب کچھ اپنے بیٹے بہو سے کہدیا۔ دونوں نے سنا۔ بہو نے جو ہر وقت گھر میں رہتی تھی اس علم کی چاشنی چکھی۔ اس کی معلومات بڑھ گئیں۔ آخر اس نے اپنے شوہر کو بھی یہی پھل کھلایا۔ دونوں نے اس پھل کو چکھا۔ ساتھ ہی اپنی نافرمانی کا خیال پیدا ہوا اس لئے مالک خانہ یعنی نوح علیہ السلام سے کترانے لگے۔ اور دوسرے علوم کے مطالعہ کے بہانے سے ادہر ادہر ہو جاتے رہتے تھے چنانچہ

ف پادری ہسلپ نے حوالجات قدیم کی رو سے اسکا نام جنیت (یا جنت) لکھا ہے۔ قدیم تصاویر میں اس کو بجلی سے تعبیر کیا ہے ہندوستانی تذکروں میں بھی جینتی کا ذکر موجود ہے۔

کتاب پیدائش توریت اور قرآن شریف کی آیات پر غور کرنے سے یہ معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔ توریت میں مذکور ہے کہ شیطان سانپ کے دہن میں بیٹھکر جنت میں داخل ہوا۔ اور حوا کو بہکا کر ممنوع پھل کھلایا یعنی شیطان نظر نہیں آتا تھا بلکہ یہ الفاظ شیطانی سانپ کی زبان سے ادا ہوتے تھے۔ سانپ داروغہ جنت تھا۔ طاؤس بھی ایک دروازہ کا حاجب تھا۔ خیر جب حوا نے پھل کھالیا اور آدم کو بھی کھلا دیا تو وہ ننگے ہوگئے۔ اور درختوں کے پتوں سے ستر ڈھانپنے لگے۔ ان کو باغ عدن میں نہ دیکھکر" ان کے ربّ (پالنے والے نے) کہا۔ اے آدم تو کہاں ہے جس کے جواب میں دونوں میاں بیوی نے ڈر کر جوابدیا۔ یہاں ہیں۔ اور چہرہ پر مخالفت کے باعث ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ پتوں سے اپنا ستر ڈھانکتے ہوئے سامنے آئے۔ تو ان کے ربّ نے کہا تمہاری بے گناہی کس نے لے لی؟ آدم نے کہا اس عورت نے جو تو نے مجھے دی ہے اس ممنوع درخت کا پھل مجھے کھلا دیا۔"

یہ سب بیان ثابت کرتا ہے کہ خدا کا باغ میں چلتے ہوئے دکھلائی دینا اور دونوں میاں بیوی کا خوفزدہ ہو کر پتوں میں چھپ جانا سب استعارے ہیں۔ نوح علیہ السلام اس جوڑے کے پالنے والے تھے ان کا گھر باغ علوم تھا۔ ان میں سے ہر ایک علم کی کتابوں کے مطالعہ اور اس کے نتائج علمیہ سے مستفید ہونے کی اس جوڑے کو اجازت تھی۔ لیکن صرف علم الغیبات کی کتابیں دیکھنے اور اس کے نتائج علمیہ سے مستفید ہونے کی ممانعت تھی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ایک ظنی علم کی بنا پر غیب بینی کا دعوی کرنا مدعی نبوت ہونا تھا۔ نبوت (پیشنگوئی، غیب بینی ہے۔ وہ اسی وقت سچی ہو سکتی ہے جبکہ عالم الغیب کیطرف سے آوے جس کا علم یقینی ہو ظنی نہیں۔ پس ایک ظنی علم کی بنا پر مدعی نبوت ہونا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے نہ صرف خود ہی ہلاک ہوے بلکہ جہان کو ساتھ لے ڈوبے۔ چونکہ رہبر کاذب اور اس کے تابعین کچھ ظاہر علامات کی بنا پر حکم لگائیں اور عمل کریں۔ راز حقیقت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ اس لئے آئندہ ہمیشہ اس علم اور اس کے مدعین سے بچنے کے لئے توریت میں نہایت واضح حکم موجود ہے۔ زبور بھی اس سے خالی نہیں۔ انجیل بھی سانپوں کے بچوں کے تذکرے سے خالی۔ اور اسلام میں ایک سرے سے اس علم کا سیکھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ کیونکہ اس علم کا عالم ہونا اور اس کے نتائج پر غور کرکے حکم نہ لگانا طاقت بشری سے باہر ہے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ اس واقعہ میں شریک ہونے والے سب کے سب گھر سے نکالے گئے "فاهبطوا منها ولكم في الارض مستقر ومتاع الى حين۔ (ترجمہ) اس گھر سے نکلو اور اس قطعہ زمین مخصوص میں تمہارے لئے رہنے کی جگہ اور مرتے دم تک سامان معیشت کافی ہے۔ یا دوسری آیتہ کے مطابق قال اهبطوا بعضكم لبعض عدو۔ تم آپس میں دشمن ہو یہاں سے نکلو۔ یہاں تمہارا کوئی کام نہیں۔ لہذا حام کی بیوی اس کا بیٹا اور بیٹے کی بیوی یافث اور اس کی بیوی سمہ اپنے متعلقین کے گھر سے خارج ہوئے۔

یافث ترکستان کی جانب گیا۔ کش اور سیمی (میاں بیوی) اپنے کئے پر پشیمان قریب ہی رہے۔ حام کی بیوی حام کیطرف جا رہی۔

یہ دونوں یعنی کش اور اس کی بیوی معافی کے طلبگار ہوئے اور ان کو معافی ملی۔ لیکن جس وقت سام کو وصی مقرر کیا گیا یہ مخالف ہو گئے۔ اور کش نے نبوت کا دعوے کیا۔ شریعت نوح کی قیود اٹھ گئیں۔ حام کے دین کا حامی ہو گیا اور اپنے خسر یافث کیطرف چلا گیا۔ اسکا باپ حام یا ایت یا اٹلس افریقہ میں پہلے سے موجود تھا۔ دونوں ممالک میں آفتاب پرستی کے وعظ ہونے لگے۔ قدیم تواریخ مصر و وسط ایشیا و ہند آفتاب پرستی سے انکاری نہیں۔

لہٰذا یہ جوڑہ آیندہ آنیوالی دنیا کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ نہ صرف نسلی امتیاز کے باعث بلکہ روحانی اعتبار سے بھی۔ اور سیاسی و تمدنی حیثیت سے بھی۔

(البتہ اس تاریخی سلسلہ کو ناموں کے اشتراک نے بہت ہی پیچیدہ بنا دیا ہے۔ مثلاً عو یا اُو نام کے بیشمار افراد ملتے ہیں۔ اسی طرح قابیل کے نام کی وجہ سے ایک کے افعال دوسرے کے سر عاید ہو گئے۔ آدم ابوالبشر علیہ السلام اس اشتراک لفظی کا سب سے زیادہ شکار بنے۔)

روحانی حیثیت سے تو اس طرح پر کہ دعوی نبوت کیا وہبی علوم کے مقابلے میں علوم کسبیہ سے کام لیا اور خدا کی پرستش کے مقابلہ میں آفتاب آتش اور اصنام کی پرستش رائج کی لیکن اس مقصد کا حصول بغیر غلبہ و استیلا کے ناممکن تھا۔ اس لئے چین تاتار۔ ایران، عراق عرب، شام، مصر اور دیگر ممالک آباد ان کی دستبرد سے نہ بچے۔ عناصر پرستی نجوم پرستی اور بت پرستی علاقہ مفتوحہ میں جبراً داخل کی گئی۔ بادشاہی کے ساتھ ساتھ تمدنی و سیاسی حالت بھی بدلجاتی ہے جغرافی حالت میں تغیر آجاتا ہے۔ رسم و رواج قدیم مٹایا جاتے ہیں۔ اور حاکم قوم کے رسم و رواج بہتر خیال کئے جاتے ہیں۔ دیوار چین کی تعمیر اس امر کا بہتر سے بہتر ثبوت ہے کہ ان اقوام کے متواتر حملوں سے تنگ آکر اسقدر عظیم الشان شہر پناہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جسکے بنانے میں لاگت اور محنت کا اندازہ کرنا آسان کام نہیں۔

الغرض۔ آمدم برسر مطلب۔ سام علیہ السلام کی وصایت سے گذشتہ مخالفت کا بازار از سر نو چمکا۔ یہ امتہائے قدیہ کے تذکرے تھے۔ جنکا ذکر مجملاً کلام مجید میں آیا۔ یہ دکھلایا گیا کہ خلیفہ منصوص سے کسطرح مخالفت ہوا کی۔ اور اسکا نتیجہ مخالفین کو کیا ملا۔ تاکہ امت موجودہ ان تذکروں سے فائدہ اٹھائے اور حقیقت خلافت حقہ و خلافت شوری میں تمیز کرنا سیکھے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک ذی حیوۃ کے لئے فنا لازمی ہے۔ پیغمبر ہو یا نبی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

عـہ توریت کے مطابق قابیل اپنے پدر سے علیحدہ ہو کر جنوب کی سمت روانہ ہوا اور نودہ کی سرزمین میں جا رہا۔ تاریخ قدیم ہند بتلاتی ہے کہ نودہ رہنگان قنوج کا لقب تھا لہٰذا قابیل ہند میں آباد ہوا۔

اس لئے اس کی جگہ قائمقام مقرر ہونا بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہدایت کا تقرر۔ ورنہ رسالت بیکار اور شریعت مہمل ہو جاتی ہے۔ شریعت قانون کلیہ یا اصول کو کہتے ہیں لیکن ان اصول کا سمجھنا اور وہی صحیح استنباط کرنا جو مقصود مرسل وحی تھے۔ اس شخص کے وجود کو چاہتے ہیں جو طرز تحریر کے بارے واقف اور عالم کامل ہو۔ تاکہ استنباط احکام فروعی میں غلطی نہ ہو۔ اہل الاصول کے سمجھنے میں خطا نہ کرے۔ خداوند عالم ہی ایک ایسی ہستی ہے جو حالات قلوب اہلیت و اہمیت شخصی سے واقف تر ہے۔ اس لئے ایسے شخص کا تقرر اسپر فرض معین ہو بیشتر اس کے کہ رسول یا نبی کو دنیا سے اٹھائے۔

حضرت ابوالبشر سے لیکر زمانہ عیسیٰ علیہ السلام تک یہی اصول رائج نظر آتا ہے۔ اگرچہ اجتماع نے ہمیشہ اس قانون کے توڑنے کی کوشش کی اور عموماً اپنے مقصد میں دنیاوی نقطہ نظر سے کامیاب بھی ہوئی لیکن اس کامیابی سے قانون قدرت نہیں بدلا نہ جاہل عالم ہوا۔ کیونکہ مخالفت سنت شیطانی تھی۔ روحانیت یا ملکوتیت سے خالی۔ پس اس سنت کا عامل ملکوتی حدود میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ ان علوم کا وارث و عالم ہو سکتا ہے جو نفس ملکوتی کو قدرت نے عطا کئے ہوں

قرآنی حقانیت کی بڑی زبردست شہادت۔ تصدیق یا گواہی واقعات آیندہ کی خبر ہے جسکو مختلف انبیا کے تذکروں میں بہ تکرار بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ قانون قدرت تو یہی ہے کہ رسول نبی، خلیفہ وصی امام خدا خود ہی مقرر کرتا ہے۔ بندوں کے انتخاب پر نہیں چھوڑتا لیکن عادت مخلوقات یہی ہے کہ اس الٰہی تقرر کے خلاف اعتراض کرتے رہے۔ اپنا رہبر و معلم تقرر الٰہی کے خلاف بلکہ اس کے مقابلہ میں خود منتخب کیا کئے۔ چونکہ خدائی قانون بدل نہیں سکتا اور شیطانی سنت کی متابعت کیجانب رجحان زیادہ ہے اس لئے صاحب قدرت نے تو اپنے قاعدے کے مطابق مستقل شریعت مقرر کرتا ہے اور جماعت نے اس شیطانی طریقہ کا عامل ہونا ہے جس کا گذشتہ زمانہ میں یہ نتیجہ نکلا۔ بقول مولانا روم ؒ

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ❖ گفتہ آید در حدیث دیگراں

یہی ہدایت کا طریقہ اور نصیحت کرنے کا بہترین راستہ ہے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ خداوند عالم اپنے نور ہدایت کو کامل کرکے رہے گا۔ اگرچہ یہ کافروں پر گراں گذرے اور وہ اسکے مٹانے مصنوعی خلافت و امامت کے قائم کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔

اس کے علاوہ اس تفصیل پر تو غور کیجئے کسقدر مفصل اور کتنے طریق سے اس خلافت کا تذکرہ کیا۔ اگر مجملاً کہدیا جاتا کہ پیشتر بھی خلفا مقرر ہوئے۔ ان سے روگردانی ہوئی۔ اور سزا دیگئی تب بھی کافی تھا لیکن اس تفصیل سے کچھ اور ہی معاملہ نظر آتا ہے مثلاً پہلی خلافت کے تقرر میں ایک مقرب بارگاہ اپنی مخالفت کی باعث راندہ درگاہ قرار پاتا ہے۔ نکالدیا جاتا ہے لعنت ابدی کا طوق گلے میں پڑتا ہے۔ اسی خلیفہ کی مخالفت کا اسکا صلبی پسر عاق شمار ہوتا ہے لعنت کا طوق گلے میں پڑتا ہے۔ گھر سے خارج ہوتا ہے۔

اس خلافت کا سلسلہ بڑھتا ہے۔ یہانتک کہ اسی خلیفہ کی نسل میں ایک نبی کی مخالفت سے سب مخالفین طوفان میں گھر جاتے ہیں (طوفان آب ہو یا طوفان جنگ وخونریزی)۔ اس کا بیٹا پوتا بھی مخالفت کے باعث خاندان نبوت سے الگ کر دیئے جاتے ہیں۔ شجر نبوت نمو پر ہے۔ لیکن شجر مخالفت نے بھی اپنی بالیدگی میں کمی نہیں کی دعوی خلافت کرنے سے کام چلتا نہ دیکھکر وہ دعوے کر بیٹھتا ہے جسکا مدعی اول منکر خلافت بھی نہ تھا۔ ابلیس خلافت بشر کا منکر تھا لیکن نہ علیین میں سے ہونیکا دعوی تھا اور نہ خدا کا منکر تھا۔ قابیل اور اولاد قابیل نے اپنا لوہا زور منوایا۔ اپنے کو دوسروں کی نسبت اعلی ثابت کرنا چاہا لیکن اپنے سے افضل بھی کسی کو سمجھا اور اس کو اپنا الہ تسلیم کیا۔ اب زمانے نے کروٹ لی۔ خلافت وعلو مرتبت فرسودہ منزلیں تھیں۔ لہذا ربوبیت کا دعوی کیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ذلیل ترین وضعیف ترین مخلوق الہی کے ہاتھ سے اپنی سزا کو پہونچا۔ ساری خدائی کرکری ہو گئی۔

اب کوئی زینہ ترقی کا باقی نہ تھا جس کے حصول کی سعی ہوتی۔ دوسروں پر ظلم وستم توڑنے اور ضعیفوں کی گردن مروڑنی شروع کی۔ نبی کی ہدایت سے منہ موڑا۔ اپنی طاقت اور کس بل کے بھروسے پر ناصح مشفق کی تکذیب کی۔ آخر ہوائی طوفان نے ان پہلوانوں کو اس طرح پچھاڑا کہ ہڈیاں چور ہو گئیں۔ دوسری قوم نے آندھی کے ڈر سے پہاڑ کھود کر گھر بنائے۔ نبی کی مخالفت کی شعائر اللہ کی بیحرمتی کو فخر سمجھا۔ رعد کی سی گرج سے ہلاک ہو گئے۔

ایک اور قوم اٹھی اس نے طریق عدل کو تجاوز کیا۔ لینے کے وزن دوسرے تھے اور دینے کے اور۔ نبی کی نصیحت سے مخالفت کی۔ زمین میں دھنس گئی۔ اور زندہ درگور ہو گئی۔ ایک دوسری قوم نے خلاف فطرت عمل شروع کر دیا۔ نبی کی نہ سنی۔ مخالفت کی۔ آخر ان کا طبقہ الٹ گیا۔ آگ اور گندھک کی بارش ہوتی رہی۔

اب ایک قوم اٹھی پستی سے اوج کی طرف بڑھی۔ قدم قدم پر رہنما موجود تھے۔ گذشتہ امتوں کے واقعات بیش بہا سبق تھے آخر بام ترقی پر پہونچکر یہ بھی گری اپنی مقتدر رہنماؤں کی مخالفت نے ان کی قومی ہستی کو طوفان ذلت ورسوائی میں غرق کر دیا۔ ان کی قومی ہستی اہمیت انکا اعزاز ان کا فخر وامتیاز قصہ پارینہ ہو گیا۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے سبق آموز عقلمندوں کے لیے حکمت ومعرفت کا سرچشمہ۔ عاقل وہی ہے جو دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھے جس طرح اور جس وجہ سے پہلوں نے ٹھوکر کھائی۔ اس سے اپنے آپ کو بچائے۔ ورنہ تازیانہ عقوبت تو حیوانوں کو بھی راہ مستقیم پر چلا دیتا ہے۔

اس طرح مختلف عنوانوں سے اس خلافت اور اس کی نیابت وصایت کی مختلف شکلیں۔ اخلاق کے بہترین سبق۔ رحمت کے ابر نیساں کی بہار اور ہدایت ومتابعت کے ثمرات دکھلانے مقصود تھے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ مقصد ہدایت کی متابعت سے بیگانے بیگانے بنجاتے ہیں۔ اور وہ ان ہدایت سے متوسل ہو نیوالے مہلک گذرگاہوں سے اس طرح نکل جاتے ہیں کہ بال تک آنچ نہیں آتی۔ آتش گل دریا ہیں۔ خار گلزار اور باد سموم نسیم سحر بنجاتے ہیں۔ اس دامن کو چھوڑکر دوسرے دامن سے سہارا لینے والے کس طرح ہلاک وبرباد ہو ہیں۔ کوہ ہو کر کاہ بنجاتے ہیں۔ اور ہوا کے جھونکوں سے اُڑاُڑکر کبھی اس راہ کے کنارے کبھی اس راہ کے وسط

ہیں۔ آج پانی کے بھنور میں تو کل آگ کی لپٹوں میں۔ اوج سے پستی کیجانب بڑھتے جاتے ہیں۔
زمانہ کا دور پلٹتا ہے۔ بغاوت کی اصلاح اور مخالفت کی ظلمت کو نیست و نابود کرنے کے لئے مہربان شفیق بادشاہ خود ہی آجاتا ہے۔ اخلاق کریمانہ اطوار لوکانہ و سلوک خسروانہ سے ڈرا کر دھمکا کر انعام و اکرام سے اور آیندہ کی جزا و سزا کے وعدہ و عیدے ان کی بغاوت و سرکشی کو فرو کرتا ہے۔ یہ قوم اپنے بادشاہ کو بادشاہ تسلیم کرتی ہو۔ اس کے قوانین پر چلنے کے وعدے اور عہد و پیمان ہوتے ہیں۔ آخر یہ بادشاہ اپنے دار السلطنت کیطرف مراجعت کرنے سے پیشتر اپنا نائب ضرور مقرر کریگا۔ سر دربار اسکا تقرر ہوگا۔ فرامین کے اجرا کے وقت اسکا پروانہ تقرری تحریر کیا جائیگا۔ تاکہ اس کی نیابت میں شک نہ رہے۔ اور اس کی مخالفت کی خواہش پیدا نہ ہو۔ یہ امر ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ پہلی خلافت سے مخالفت کرنے والے کو دوسرے گروہ کے درمیان سے نکالے جانے کا حکم ہوا تھا۔ آخر اس آخری زمانے میں اس فرمان شاہی کی تحریر میں مناقشت کرنیوالوں کو قوموا عنی (میرے پاس سے نکل جاؤ) کا حکم ہوا۔ ہر شخص کا ہر ایک قوم کا ایک خاص طرز کلام ہوتا ہے مخصوص لب ولہجہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ دیگر شخصیت و قومیت میں ممتاز نظر آیا کرتی ہو۔ نقاد سخن طرز گفتگو اور انداز ادائے مضامین سے اس کی قومیت و شخصیت پر فوراً حکم لگا دیتے ہیں۔ مثلاً ذیل کے دو شعروں سے کہنے والوں کی قومیت فوراً ظاہر ہو جائے گی

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو (۱) ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے۔
سوداؔ کے جو بالیں پہ اٹھا شور قیامت (۲) خدّام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

پہلے شخص کے الفاظ اس کے عجز و انکسار اور عبد مجبور رونا چار ہونے کو ظاہر کرتے ہیں جس کے نصیب عمر بھر رونا ہے۔ یہ ہے نسلی امتیاز۔ فوراً کہنا پڑتا ہے کہ پہلا شاعر اپنی قومیت میں سادات عظام سے تعلق رکھتا ہو باوجود کمال ذاتی اس پر نازاں نہیں۔ سر نخوت سے خالی ہو۔ لیکن وہی مضمون جب دوسرے شاعر کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو تمکنت شاہی اور نخوت ذاتی کی جھلک دکھلائی پڑتی ہو۔ سپاہیانہ جہالت مترشح ہو اسکی قومیت اس کے الفاظ میں نظر آتی ہے تو ترکی خیالات ساغر دل میں چھلکتے ہوئے ملتے ہیں۔

جب اسی تنقیدی نظر سے ہم اُن الفاظ پر جو قرآنی صورت بیان میں منکر اول ابلیس کی نسبت دیکھتے ہیں اُخرج منہا فانک رجیم وان علیک لعنتی الی یوم الدین (اس است سے نکل جا کیونکہ تو رجیم ہے۔ اور تجھپر قیامت تک میری لعنت ہی) اور پھر مناقش زمان آخر کی نسبت قوموا عنی ... پڑھتے ہیں تو بے اختیار زبان پر کہنا پڑتا ہے کہ کہنے والا ایک ہی ہو۔ لیکن نوعیت کلام کا موضوع جداگانہ ہو۔ پہلا کلام اپنے نائب کے اختیارات اور قدر و منزلت دکھلانے کے لئے تھا۔ اور دوسرے میں خود اپنی مخالفت کے خراب نتائج ظاہر کرنے مقصود تھے۔ کہنے والا ایک ہی ہو۔ خود قرآنی شہادت موجود ہو کہ اس کہنے والے کی زبان زبان خدا۔

سے۵ توبل اور توین تاتاری قوم کے مایہ ناز ہیں۔ پہلا شہنشاہ و جابر اور دوسرا مدعی نبوت۔ دونوں بھائی تھے۔

عین عین خدا۔ دست تو دست خدا ہے۔ جبھی تو وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (اے رسول جب تو نے سنگ ریزے پھینکے۔ تو وہ تو نے نہیں پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے) درست ہو سکتا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ جس انسانی ہاتھ میں یہ قابلیت موجود ہے کہ ید اللہ کہلائے۔ اسی زبان میں یہ قابلیت ہوگی کہ لسان اللہ کہلائے اور احکامات قدرت کو اپنے الفاظ میں ڈھالکر دوسروں تک پہونچائے۔ یا منشاء قدرت کے مطابق ان الفاظ کو تغیر و تبادل کا جامہ پہنائے۔ تو مواعنی کہے یا فاخرج منہا سنائے۔ ہر ایک حال میں لسان اللہ ہے۔ اسی خیال کو شاعرانہ انداز میں اس طرح پر ظاہر کیا گیا ہے۔ ؎

اللہ بولتا ہے انہیں کی زبان سے

لہٰذا اس وثیقہ تقرری کی تحریر میں جو وصیت نامہ کہلاتا ہے مناقشہ و منازعہ کرنیوالے تابعین بالیقین یا رعیت فرمانبردار و با وفا نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ بادشاہ سے اس کے نائب کی تقرری کے پروانہ لکھا جانے میں تنازع کر رہے ہیں یہ معلوم ہو کہ پہلے مخالف کو نکالدیا گیا لعنت کا طوق پہنایا گیا۔ لیکن ببول کے درخت میں آم نہیں لگتے۔ نہ گلاب کے پھول اس میں نکلتے ہیں۔ نہ کتے کی دم سیدھی ہوتی ہے۔ نہ بگڑے ہوئے دل اصلاح پذیر ہوں گے۔ ادہر رحمت للعلمین یہ نہیں چاہتا کہ یہ لوگ عذاب میں پھنسیں ان کے انکار کو انکار حکم کے درجے تک پہونچنے سے پیشتر ہی ان کو اپنے سامنے سے نکالدیتا ہے۔ ان کے خیالات کو محض لفظی جامہ پہننے کی مہلت ملتی ہے۔ فعل کی صورت میں آنے نہیں دیتا مبادا عذاب میں گرفتار ہوں۔ اس لئے فوراً حکم دیتا ہے "میرے پاس سے دفع ہو جاؤ (یا دور ہو جاؤ) نکلجاؤ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے سامنے تنازع کرنا جائز نہیں" یہ جھگڑالو بیچ کے جھگڑالو بعل دربار نبوت سے نکلکر رہے۔ مگر کس حیثیت سے نکلے مخالفت کا رنگ چہرہ پر، رسول کی ناراضی کا تازیانہ پشت پر، نفاق کا اظہار زبان سے۔ اس شعر کو ان کے حسب حال سمجھنا چاہئے۔ ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

لہٰذا جو ہاتھ ید اللہ کے ہاتھ میں ہوگا وہ تو دست قدرت میں پہونچیگا۔ لیکن جو ہاتھ دربار سے دھتکارے ہوؤں کے ہاتھ میں ہو اس کا ید قدرت سے ملنا مشکل۔ بقول سعدیؒ

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کایں رہ کہ تو می روی بترکستان ست

حکم الٰہی سے مخالفت اور پھر اس سے ملاقات کی توقع اور انعامات کے حصول کی امید بھلا "کانٹے بوئے ببول کے انبہ کہاں سے ہوں" "یہ منہ اور گرما گرم حلوا" کہنے والے کہہ سکتے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں۔" وہ رسول کیسا تھا جس کی صحبت کا اثر دوسروں پر نہ پڑا جس کی تعلیم آئینہ دل کو اغیار تو اغیار ہی ہیں ان کو رہنے دیجئے۔ احباب کو درست نہ کر سکی۔ یا تو یہ تعلیم کامل نہیں۔ یا احباب رسول سے مخالفت رسول کے سرزد ہونے کا خیال غلط۔

اعتراض بجا سوال بجا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تحقیق مدنظر ہو کہ مخالفت۔ عدل و توازن کا ارادہ ہو نہ کہ مغالطہ دہی اور رابطہ فریبی کا۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی عمر ۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تبلیغ تقریباً ۹۵۰ سال۔ ذرا تقابل تو کیجئے پہلے ۹۵۰ سال کی محنت سے کل اسّی نفوس نکلے اور پھر ان میں سے بھی کم ہو گئے۔ کیا تعلیم نوح علیہ السلام ناقص تھی۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ ناقص کبھی کامل کا خلیفہ۔ نائب یا رسول نہیں ہو سکتا۔ قدرت کامل۔ اسکا علم کامل۔ اس کی تعلیم کامل۔ پھر وہ ادھورے علم کیوں رکھے۔ کیا اس میں قدرت نہیں کہ کامل تخم پیدا کرے۔ یا بنا سکے نہیں سو ظاہر ہوتا ہے کہ کامل کا نائب وہ ہو گا جس میں اپنے منیب کی جھلک نظر آئے۔ نہ کہ وہ جو اس کے بالکل برعکس ہو محض نام رکھ دینے سے صفات پیدا نہیں ہو سکتیں۔ زنگی کو عمر بھر کافور کہتے رہئے۔ زنگی ہی رہے گا۔ کافور نہیں بن جائیگا۔ کیونکہ اس کا مادہ قابلیتاً تاریک ہے۔ سفید نہیں ہو سکتا۔ قلعی کی چمک ظاہری ہوتی ہے۔ اس سے اصلیت نہیں بدل جاتی۔ قلعی شدہ شے ظاہری مشابہت کے باعث سونے چاندی کی کہلائے گی۔ قلعی اتری اور اصلیت ظاہر ہوتی اسی طرح فیض صحبت کے اثر سے فسادی کچھ عرصہ کے لئے صالح نظر آتا ہے۔ لیکن صحبت کا فیض بند ہوا۔ اور یہ اثر بھی جاتا رہا۔ مقناطیس کا اثر لوہے پر بھی، اور فولاد پر بھی یکساں ہے مگر فولاد اس اثر کو قبول کرنے کے بعد کسی قوی خارجی اثر کے بغیر اس (اثر) کو نہیں چھوڑتا۔ اور لوہا بنا وہ بجدا۔ اثر قبول کرنے کے بعد جب تک مؤثر موجود ہے۔ اصل مقناطیس سے بھی زیادہ تر اثر دکھلاتا ہے۔ ظاہری اثر سے اسکو حقیقی مقناطیس اور فولادی مقناطیس پر فوقیت حاصل ہوتی ہے لیکن ادھر مؤثر غائب ہوا۔ ادھر یہ جیسا پہلے تھا وہی لوہے کا ٹکڑا رہ گیا۔ نہ کشش کی طاقت ہے نہ وصل کی۔ جو ذرے اسکو مقناطیس سمجھکر اس سے آملے۔ ان کو بھی پست ہونا اور اوج ہوا کر فرش خاک پر گرنا پڑا۔ بعینہ یہی حال روحانی دنیا میں بھی موجود ہے۔ رسول مقناطیس روحانی ہے۔ اس کی تعلیم بدرجہ اثر مقناطیس۔ اثر قبول کرنیوالے کچھ راسخ العقیدہ ہوتے ہیں اور کچھ فاسد العقاید جب تک رسول موجود ہے۔ یہ آخری گروہ اپنا عیب پوشیدہ رکھنے کی غرض سے اظہار اطاعت و انقیاد میں راسخ العقاید والایمان لوگوں پر سبقت لیجاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ زبانی عہد و پیمان، القاب و آداب میں سب سے آگے پھر نبی اور مخالف اثر سے اصلی تعلیم کو بچانے میں سب کے پیچھے۔ کیونکہ یہ ان کل میں مؤثر کے اثر سے علیحدہ ہو کر اپنی بدلی ہوئی طینت کا اثر دکھلانا پڑتا ہے جسکو منافقت یا ایمان کہنا بیجا نہ ہو گا۔ اسی ظاہرداری کے معیار سے خداوند عالم نے ان کی شناخت قائم کی ولتعرفنھم فی لحن القول رتو ان کے انداز گفتگو سے ضرور ان کو پہچان لیگا) یعنی تھوتھا چنا باجے گھنا سے ڈھول کی پول کھولدی۔

راسخ العقیدہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ رسول حاضر ہے یا غائب۔ اس کا جانشین نظروں کے سامنے ہو یا پنہاں۔ وہ اس اثر کو جو انھوں نے قبول کیا ہے قائم رکھتے ہیں۔ اور دوسرے وجود بھی ان کے اثر

لے اگر عمر نوح ۹۵۰ سال ہو۔ ۱۰ اور کہ قرآن شریف کے مطابق ۹۵۰ سال

سے متاثر ہو کر مقناطیس بنجاتے ہیں۔ مومن ہو جاتے ہیں۔ حق محتاج الفاظ نہیں۔ صداقت کسی بیان کی دست نگر نہیں۔ بلکہ الفاظ و بیان حق و صداقت کے محتاج ہیں۔ اگر بیان میں صداقت نہیں۔ کتنا ہی فصیح کیوں نہ ہو۔ عدالت میں گر جاتا ہے۔ قابل قبول نہیں ہوتا۔

ایک اور مثال سے اس معاملہ کو سمجھئے۔ زمین زمین ہی کہلائے گی۔ خواہ بنجر ہو۔ ریگستان ہو۔ پتھریلی ہو زراعتی ہو۔ یا آبادی کی۔ ابر رحمت گھر کر آتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ زمین کیسی ہے بنجر زمین پر بھی اوسی طرح برستا ہے۔ جیسا کہ زراعتی زمین پر۔ ریتلی زمین پر یا پتھریلی زمین پر۔ لیکن زراعتی زمین اس آب رحمت سے سیراب ہو کر راز قدرت کے جلوے نمایاں کرتی ہے۔ ایک تختہ سبزہ زار ہوتا ہے جس کی نازک پتیاں زبان حال سے شکر منعم ادا کرتی ہیں۔ پتھریلی زمین میں جو قطرہ پتھر پر گرا بیکار گیا۔ اچھی جگہ گرا شان قدرت دکھا کر رہا۔ اگرچہ حوادثات کی ہوا نے اسکو پھولنے پھلنے کا موقع نہ دیا۔ لیکن وہ قطرہ جو ریگستان و بنجر زمین میں گیا۔ اظہار قدرت قادر کرنے میں عاجز رہا۔ کیونکہ مادہ قابلہ اس قطرہ کے اثرات کو قبول کرنے کیلئے اس زمین میں موجود نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ خاردار جھاڑیاں اونٹ کٹارے اور ببول کے درخت نکلیں۔ گل و ریاحین، اثمار و فواکہ کی اس زمین سے توقع نہیں ہوتی۔

اسی طرح ابر رسالت برسا۔ خوب جھکر برسا گھر گھر کر برسا۔ فائدہ ان ہی نفوس کو پہونچا جو مادہ قابلہ رکھتے تھے۔ جو اس سے سیراب ہونے کے خواہشمند تھے۔ ابر رسالت کے قطرات تعلیم کے پیاسے تھے۔ انھوں نے تعلیم پا کر عمل کے میدان میں رسول کی تعلیم کی حقیقت کا شمس فی نصف النہار ثابت کر دکھائی اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ سے دوسروں کو تعلیم رسول سے فیض حاصل کرنیکا سبق دیدیئے۔ دنیا کو اپنا گرویدہ بنا گئے قلت اعداد میں اپنی کثرت کے ثبوت دیگئے۔ اپنی ظاہری فنا سے ابدی بقا کے خلعت حاصل کئے۔ خراج شکر و تحسین کے نذرانے ان کی بارگاہ کی زیبائش قرار پائے۔ اپنی ہستی مٹا کر تعلیم رسول کا بیج زمین قلوب میں کاشت کیا۔ اپنے خون سے سینچا۔ شجر اسلام اُگا۔ وحدانیت و حقانیت کا باغ ہرا بھرا ہوا معرفت کے پھول کھلے۔ اور اپنی مہک سے بہتوں کو متوالہ و شیفتہ بنا گئے۔ اب بھی بنا رہے ہیں اور آئندہ بھی بنا ئینگے اے سعادتمندو! تمہاری سعی مشکور! تمہارا ذکر بلند! تمہاری ہستیاں مقدس! اور تمہارے کارنامے چراغ ہدایت اے کربلا والو! تم اپنی آنکھ سے اپنی طاقت اور کثرت دیکھو۔ اپنے سبق کو تم نے حصول تعلیم رسول کا مقدمہ بنا کر اپنی ارواح کو روح رسول سے وصل کر دیا فسلام اللہ و برکاتہ و رحمتہ علیکم من یومنا هذا الی یوم الدین۔

ابر رسالت بخیل نہ تھا کہ زراعت پر برستا اور دوسروں کو ترساتا۔ اپنی اپنی کوشش ہے جس نے جو مانگا ملا۔ دنیا مانگی۔ دنیا ملی۔ دین کی خواہش اور عقبیٰ کی طلب ہوئی وہ مل گئے۔ اور جس نے نہ دنیا کیطرف نظر کی۔ نہ عقبیٰ کا ارادہ کیا بلکہ خوشنودی الٰہی ہی فقط اس کا مقصد تھا۔ اس کی رضامندی ہی اس کی خواہش

دتمنا تھی۔ اس کو وہ عطا ہوئی۔ پھر جو کوئی بھی رضائے قدرت کا مالک ہو۔ وہی مرتضی ہے۔ اس کی طرف
راہ نما ہے۔ رازدار قدرت ہے بادشاہ ہے کسی دوسرے مخلوق کا محتاج نہیں بلکہ خود وسیلۂ تقرب
خدا ہے۔ رسول مرتضی ہو تو خلافت رسول ارتضی سے خالی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ منیب کے اوصاف کی جھلک
نائب میں دکھلائی دینی ضروری ہے۔ ورنہ صادق و کاذب میں تمیز نہ ہوگی۔

یہ تھی تعلیم رسول عربؐ جو سرتاج انبیائے سلف تھے کہ اس کی تعلیم نے ایسے ایسے عارف پیدا
کردیئے۔ جو انبیائے سلف کی تعلیم سے ظاہر نہ ہوئے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر عیسےٰ علیہ السلام تک اس معیار
پر ان کے تابعین کو پرکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور کوئی نبی یا رسول ایسا
نہیں ہوا جس کی تعلیم نے اسقدر اثر دکھایا ہو۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا شاگرد رشید تین مرتبہ ان حضرت کے
شاگرد اور پیرو ہونے کا انکار کرجاتا ہے۔ آدم و نوح علیہما السلام کے پسر اُن کی مخالفت پر تل
جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام صرف ایک نفس ایسا حاضر کرسکے جو حکم الٰہی سے دریا میں گرنے کو تیار آگ میں
جلنے کو موجود۔ دشمنان الٰہی سے جنگ کرنے کے لئے مستعد۔ لیکن نبی اسلام علیہ وآلہ الالف التحیۃ والسلام
کی تعلیم نے بچے بوڑھے جوان شیرخوار مرد و عورت میں ایسی روح پھونکدی کہ ہزار سے جوان کے مقابلہ
سے خوف ہے نہ لاکھوں تلواروں سے نہ پیاس کا صدمہ ہے نہ ہلاکت کا رنج فکر ہے تو یہی کہ صداقت
اسلام میں فرق نہ آئے۔ جان جائے لیکن تعلیم نبی زندہ رہے اپنے اوپر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں
اسلام بال بال بچ جائے اسپر آنچ نہ آئے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

زبانی دعوے کرنا آسان ہے اور اس وعدہ کو نبھانا مشکل۔ اور پھر دوسرے کے وعدہ کو نبھانا اور
بھی مشکل تر۔ نبی اسلام کی صداقت پر اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہوسکتی ہے جو کربلا میں پیش ہوئی۔
جس کی مثال و نظیر دنیا پیش نہیں کرسکتی۔

احباب رسول یا اصحاب رسول کہلانا بڑی بات نہیں۔ لیکن اپنے افعال سے محب رسول یا صحابی
رسول ثابت کردکھانا مشکل ہے حضرت یوسف علیہ السلام عرصہ تک زندان مصر میں مقید رہے۔ آپ اس
زندان میں تنہا نہ تھے۔ بلکہ اور لوگ بھی مقید تھے۔ ان کو آنحضرت علیہ السلام کا ساتھی ماننا پڑتا ہے قرآنی
شہادت موجود ہے یاصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ اے میری قید
کے ساتھیو کیا مختلف رب بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار۔ کیا یہ قیدی اصحاب یوسف علیہ السلام ہونے کی وجہ
سے مقدس نفوس بن گئے۔ ہرگز نہیں پھر اصحاب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تو مومن و منافق سب
طرح کے افراد شامل تھے۔ کیا سب کو مقدس کہنا جائز ہے۔ اگر سب کو مقدس کہئے تو مخالفت خدا لازم
آتی ہے۔ جو اصحاب رسول میں سے بعض کو منافق کہتا ہے۔ اذا جاءک المنفقون قالوا نشہد انک لرسول اللہ

واللہ یعلم انک لرسولہ ، واللہ یشہد ان المنٰفقین لکٰذبون ○ جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو زبان سے) کہتے ہیں۔ تو البتہ اللہ کا رسول ہے۔ اور خدا جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ اور خدا اس امر کی گواہی دیتا ہے۔ کہ منافق لوگ (اپنے اقرارِ رسالت میں) جھوٹے ہیں۔ لہٰذا رسول کے پاس آمد و رفت رکھنے والوں میں منافقوں کا موجود ہونا بنصِ قرآن ثابت ہو گیا۔ ان آمد و رفت رکھنے والوں کو صحابی کہئے گا یا نہیں؟

اس بیان سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچا کہ تعلیمِ رسول کا کمال زیادہ لوگوں کو مسلمان بنانے میں نہیں تھا بلکہ ایسے فرد پیدا کر لینے میں تھا جن کا مثل و نظیر ابتدائے بشریت سے لیکر انتہائے زمانہ تک اگر لیکر تلاش کرے سے بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ ایسے ہی نفوس کی دیکھا دیکھی سے بہت اشخاص شاملِ اسلام ہو گئے۔ کچھ تفحصِ حالات کی غرض سے۔ کچھ تحقیقات کرنے کے لئے اور بعض محض فساد و شر کی نیت سے، زراعتِ اسلام کو برباد کرنے کی غرض سے جماعت میں شامل ہو کر دلوں کو پراگندہ کرنے کی خاطر۔ یہ آخری گروہ سخت ترین دشمنانِ اسلام ہے اس لئے خداوندِ عالم نے اس کی علامتِ شناخت "طرزِ گفتگو" قرار دیا۔ اور "منافق" کا خطاب دیکر صحابیت کے فخر کے دھوئیں اوڑا دیے۔ ان کے کفر کا الزام رسول کے ذمہ نہیں۔ رسول کا کام تو تبلیغِ احکام ہے۔ کسی کو مسلمان کرنا اسپر فرض نہیں اس لئے صاف لفظوں میں فرما دیا۔ وما علےٰ رسولنا الا البلاغ۔ رسول کا کام تو صرف تبلیغِ احکام ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ لست علیہم بمصیطر تو اے رسول ان پر داروغہ نہیں

خیر آمدم بر سرِ مطلب طوفان کی آمد کے وقت عمرِ سام بن نوح علیہما السلام سو سال تھی انکے بیٹے ارفکسد ہوئے شالخ ہوئے۔ اور شالخ کے عبر۔

نسّاب شالخ کو صالح اور عبر کو ہود کہتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود پر اور ہود علیہ السلام قوم عاد کے لئے مبعوث ہوئے۔ قوم ثمود فنِ سنگ تراشی میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ پہاڑ کے اندر کھود کھود کر شہر بسائے ہوئے تھے۔ ایسے ایسے صناع کہ ان کی بنائی ہوئی پتھر کی مورتیں آجتک اصلی اور زندہ نظر آتی ہیں۔ ملک دکن میں گولکنڈہ کے قریب ایلیفنٹا غار کے اندر اس گذشتہ صنعت کی مثالیں موجود ہیں۔ ملک سوڈان کے جنوب میں جو قلزم سمندر کے قریب ہے اس میں بھی اسی طرح پہاڑ کاٹ کر چٹانوں کے اندر وسیع محل اور دیگر عمارتیں موجود بتلائی جاتی ہیں۔ یہ سب عمارتیں زمین دوز ہیں۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قوم جنوبی افریقہ میں بود و باش رکھتی تھی۔ حفاظت کے لئے اس قسم کے زمین دوز مکانات بنائے تاکہ بے خبری میں غنیم چھاپہ نہ مار سکے۔

افریقی ثمودی قبیلہ کا قصہ اس قسم کے ایک قبرستان کے کتبہ سے بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اپنے گھروں میں بڑے عیش میں بسر کر رہی تھی کہ اچانک ایک دن آسمان پر ابر محیط دکھلائی پڑا آٹھ روز تک یہ ابر اسی طرح محیط رہا۔ اس کے دھوئیں کے قسم کے بخارات نے اس تمام آبادی میں تعفن

کا بازار گرم کر دیا۔ مُردوں کو اگلے ٹھکانے لگانیوالا بھی کوئی نہ بچا۔ ان واقعات کو قلمبند کرنیوالا خود موت کا منتظر تھا۔

قرآنی بیان کے مطابق یہ قوم صیحہ سے ہلاک ہوئی۔ جس کا ثبوت کوہ ویسویس واقعہ اٹلی سے بہم پہونچتا ہے۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے اس قوم کے وجود کا پتہ لگانا مشکل ہو جس کا وجود آناً فاناً صفحۂ ہستی سے مٹجائے گمان غالب ہو کہ ثمود سامد کی اولاد ہوگی۔ جس کے نام سے سامد ریگھا زمانۂ حال میں مشہور چلا آتا ہے۔ سامد اغلباً سمدرا کا نام ہو۔ جو برہما کی نسل میں (بلکہ اس کا پسر) تھا۔ سمدرا کی نسل جو اسندھ کہلاتی ہے۔ سندھ سمندر کو کہتے ہیں اور سمدرا بھی سمندر ہو۔ پس تاریخی اعتبار سے یہ قوم حام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے کی آماجگاہ قرار پائی۔

سامد نے بھی علم غیب جاننے کا دعویٰ کیا۔ نہ صرف اس کی نسل بلکہ ان کے تابعین بھی اسی دعوے کی بنا پر ہستی عالم الغیوب یا نبوت نوح علیہ السلام سے منکر ہوئے۔ علاوہ ازیں سندھ ریگستانی علاقہ ہے پانی کی قلت ہونا ممکن ہو اونٹنی کا معجزہ طلب کرنا اس خیال کا مؤید نظر آتا ہے کہ ثمود سامد یا سندھ کی اولاد ہے۔ جو عراق عرب سندھ افریقہ میں بستی تھی۔ علامت الٰہی کے مٹانے کی پاداش میں ہلاک ہوئی۔

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد پر مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بڑے قد آور، طاقتور اور زبردست تھے اس قوم کی دو شاخیں تھیں ایک یمن افریقہ و ہند وغیرہ میں حکمران تھی۔ دوسری ایران افغانستان بلوچستان سیستان وغیرہ میں۔ پہلی عاد اولیٰ۔ یا عاد ذات ارم کہلاتی ہو۔ ان کا حاکم شدّاد تھا جس نے دعویٰ خدائی کیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اس قوم کی ہدایت پر مامور تھے۔ شدّاد نے ایک باغ نمونۂ فردوس بنوایا۔ نصیحت ہوا کی۔ قوم نہ مانی۔ آخر آندھی آئی۔ اور ان سب کو ساحل فنا پر پہونچا گئی۔

قرآنی شہادت اس تاریخی واقعہ کو ان الفاظ میں ادا کرتی ہو۔ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد۔ کیا تو ارامی عاد (باغوں والی قوم عاد) کیطرف غور نہیں کرتا۔ جو بڑے بڑے جثّہ والے تھے۔ یہ ایسی قوم تھی جن کا نظیر و مثیل تمام زمین پر پھر پیدا نہیں کیا گیا۔ فصب علیھم ربک سوط عذاب۔ ان ربک لبالمرصاد۔ انھوں نے جب نافرمانی داعی الی الحق (ہود) کی تو تازیانۂ عذاب ان پر گرا۔ کیونکہ تیرا رب رب الافواج و مسبب الاسباب ہو۔ پیل و مان کو چیونٹی کے ذریعہ مروا ڈالتا ہو۔ وہ کمزور سے کمزور مخلوق کو زیادہ سے زیادہ طاقتور کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اور اس کمزور کو غلبہ دیتا ہو۔ چنانچہ اسی قوم عاد کا یہ حال ہوا کہ کانھم اعجاز نخل خاویہ۔ وہ درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ کیطرح لڑ کھڑاتے پھرتے تھے۔ کہیں قدم نہ جمتے تھے۔ بڑے بڑے کڑیل جوان اور تنومند پہلوان غشیاں کھاتے جاتے تھے۔ ان کی قومیت جاتی رہی۔ ان کی طاقت ٹوٹ گئی۔ ان کی شان و شوکت قصۂ پارینہ ہوگئی۔ جو قرآنی شہادت سے ثابت ہو۔ فتولی عنھم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت

لکم ولکن لا تحبون الناصحین۔ ہود علیہ السلام ان کی جانب سے واپس ہوئے ان سے کہا اے میری قوم میں نے تم کو (پہلے ہی نصیحت کر دی تھی۔ مگر تم (ایسے بد دماغ اور بد سرشت ہو) کہ نصیحت کرنیوالے سے محبت نہیں کرتے ہو۔ (بلکہ اس کے دشمن جان ہو جاتے ہو) آخر اپنی کرتوت سے یہ دن دیکھے۔

اقوام عالم کی ابتدائی نسلوں کا معلوم کرنا مشکل ہے جب تک کہ ہر ایک قوم اپنا شجرۂ نسب پیش نکرے اگر یہ شجرۂ انساب میسر ہوں تو پھر آسانی سے ناموں کی شناخت ہو جاتا اور اس نسل کی شاخ کا وہ زمانہ جس میں وہ اصل شجرۂ نسب سے علیحدہ ہوئی معلوم ہونا ممکن ہے۔ ابتدائی زمانہ کے اکثر نام ایسے پائے جاتے ہیں جو دراصل محض تلفظ کا رد و بدل ہوتے ہیں۔ ذیل کے چند نام عربی و ہندی شجرۂ انساب سے مثال کے طور پر پیش ہوتے ہیں۔

عربی نام	ہندی نام	عربی نام	ہندی نام
کیومرث (کے اومرث)	مریچ	لناظ	نہش
یادن (یوعوان)	الو۔ یادنا	سندھ	سمدرا
ہند	انڈو	بنو عاد	الو ہاد
ود	بدھ	عناق۔ (عوبن قا)	ناگ ناگا

اسی طرح لفظ کایستھ بھی "کے" (قا) و "شیث" سے مرکب معلوم ہوتا ہے۔ اہل ہند اپنے خیال میں ان کو مخلوط النسل سمجھتے ہیں اغلباً یہ نسل قابیل اور شیث کی نسل کی میل جول سے بنی۔ اور کایستھ کہلائی۔

افریقہ کے ملک سوڈان کو ایتھیوپیا کہتے ہیں جس سے مراد ایتھیپ کا ملک ہے۔ ایتھیپ یونانی زبان کا لفظ ہے جو سنسکرت کی ایک شاخ ہے۔ ایتھیپ اور ایت یپ ایک ہی لفظ ہیں۔ ایت کے معنی آفتاب اور یپ کے معنی ورد کرنیوالا۔ اس مرکب لفظ سے مراد آفتاب پرست ہوئی۔

یونانی نوشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پہلے شخص کا نام جس نے آفتاب پرستی کی بنیاد ڈالی ایتھیپ تھا۔ عربی تاریخ سے اس شخص کا نام حام ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا حام اور ایتھیپ ایک ہی وجود قرار پائے۔

(دو بابل پادری سلپ)

خیر عشر کی عمر جو تیس سال ہوئی تو فلج کی پیدائش ہوئی۔ فلج سے رعو پیدا ہوئے۔

نساب و مؤرخ رعو بن فلج کو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ نہ صرف رعو کو بلکہ فلج (دخنر) کو بھی بادشاہ کا پسر بتلاتے ہیں فلج کو دنیا کی طرف التفات نہ تھی سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کی اس لئے آپ کا اکلوتا پسر اپنے دادا کا قائمقام ہوا۔ اور حفاظت دین کیساتھ ساتھ حفاظت خلق کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔

اس تاریخی ہستی کا مقام سلطنت معلوم کرنے سے پیشتر یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ اولاد سام بن نوح علیہ السلام کو داعی شریعت نوح علیہ السلام بغرض ہدایت خلق کے لئے دور و دراز مقامات میں جانا پڑا تا کہ

خلقت کو اس جھوٹی تعلیم کی متابعت سے بچائیں جو حام اور اس کی اولاد نے چاروں طرف پھیلا رکھی تھی

موجودہ زمانہ کی وہ قومیں جو راؤ کہلاتی ہیں۔ اسی رعو کے پسر سروج کی اولاد معلوم ہوتی ہیں۔ سروج عبرانی طرز تحریر ہے جس میں "یا" کو "جیم" سے بدلدیا جاتا ہے۔ عربی طریقہ تحریر کے مطابق اسکو سروے پڑھا جائیگا۔ "سارعوے" یا "پسر رعو" اصلی نام نہیں بلکہ عرفی نام ہے جو مشہور ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ بادشاہ جو شریعت نوح علیہ السلام کا داعی تھا۔ علوم میں طاق ہوگا۔ اس نے جان کے دشمنوں اور شریعت کے مخالفوں کے درمیان عمر بسر کرنا تھی وہ شجاع و دلیر و عالم ضرور ہوگا۔

تاریخ عالم پر نظر ڈالنے سے صرف ایک نام ایسا نظر آتا ہے جس میں یہ کل صفات موجود ہیں "راون" کا نام تاریخ ہند میں شہرت رکھتا ہے۔ اسمیں کل صفات محمودہ کا جمع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا علم مسلّم اس کی شجاعت کے افسانے رائج اس کے نظم و نسق سلطنت و ہر دلعزیزی کے قصے مشہور۔

راون یا رعوؔ ایسا عالم ہو کر اس عجیب و غریب قصہ کا موجب نہیں ہو سکتا تھا جو اس کی نسبت مشہور ہے یہ سب مخالفین کی گل افشانیاں ہیں۔ ورنہ دراصل بنائے فساد وہی تبلیغ مذہب تھی جس کے لئے اس کی زندگی وقف تھی

یہ قصہ اگرچہ اس مضمون سے تعلق نہیں رکھتا لیکن تشخیص و تعیین بنائے فساد میں مدد ضرور دیتا ہے۔ قصۂ فساد اس طرح بیان ہوا ہے۔ "روپ نکھا" "راون کی بہن" "لچھمن جی برادر راجندر جی" سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اپنے مقام سکونت سے ننگا اردلی پربت پر پہونچتی ہے۔ خود درخواست کرتی ہے۔ اور اس کے جواب میں لچھمن جی اُس کا ناک کاٹ ڈالتے ہیں۔ یہ حال راون دیکھتا ہے تو سیتا جی کو زبردستی لے بھاگتا ہے۔ اور آخر جنگ عظیم برپا ہوتی ہے جس میں دکن کے وہ حکمران جو راون کے عمال مقرر کرنے کیوجہ سے صحرا نشین ہو گئے تھے۔ اور انکی رعایا جو جبرا دین قدیم سے اس مذہب راون کی ترویج کے باعث دست بردار ہوتی تھی اپنے آبائی مذہب کی حمایت اور بادشاہوں کی..... امداد میں اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ راون کے مقرر کردہ عمال دگور زمقتل و منکوب کئے جاتے ہیں۔ اور اس گروہ کی امداد پر جس کا جرنیل ہنومان جی کی شخصیت ہے لنکا پر حملہ ہوتا ہے۔ آخر ملک فتح ہو جاتا ہے۔ فاتح مظفر و منصور خوشی کے نقارے بجاتے شاہی قیدیوں کو ہمراہ لئے مراجعت کرتے ہیں

اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں کون فاتح ہوا اور کون مفتوح۔ کس نے غلبہ پایا اور کسکو مغلوب ہونا پڑا صرف بنائے فساد کی تشخیص ہمارا مدعا اور اس جنگ کی وجہ کی تعیین ہماری غرض ہے۔

"روپ نکھا" ایک عورت ہے اور لچھمن جی مرد محض معمولی سی بات پر اس کی ناک اڑا دینا ان کی شان شجاعت کے خلاف ہے۔ بہادر تو عورتوں اور کمزور ناتوانوں پر ہتھیار اٹھاتے ہی نہیں۔ نا ممکن ہے کہ اس جیسا رنجکار سے بہادر کشتریوں کے نام کو اس طرح سے بٹہ لگایا ہو۔ دنیا کی نظر میں بدنامی سے موت بہتر ہے۔ اگر ایسا

فعل ان سے عمل میں آیا تو وہ بہادر نہیں ہو سکتے۔ جو کمزور سے ایک نہتی عورت سے۔ اور پھر ایک ایسے شخص سے جو جنگ کے لئے نہیں بلکہ سائل بنکر دروازے پر آیا ہو یہ سلوک کرے۔ مخالف قومیں اپنے دشمنوں کی یاد کو ملعون کرتی ہیں۔ ان کے عیوب و نقائص بیان کرتی ہیں۔ لیکن ایسا طعن جس میں خود اپنی فضیحت و رسوائی کیساتھ ساتھ دوسرے کی ذلّت مد نظر ہو۔ بیوقوفی ہی کہلائے گی۔ لہٰذا اصل بنا ئے فساد "روپ نکھا" کا عشق یا "لچھمن جی" کا ظلم محض بناوٹی اور شاعرانہ تخیل ہے جس نے اس قصہ کو دلچسپ بنانے کے لئے نہ صرف حسن و عشق کی کے کیرکٹر شامل کئے بلکہ اپنی خیالی وسعت کی بدولت "ہنومان جی" کو جو فنون جنگ میں ماہر عقل و ہنر کے زیور سے آراستہ تھے وحشی "بندر" بنا دیا۔ شاعر کا منشا صرف ناظرین قصے کی دلچسپی تھی جب تک ایسے عجائبات پیدا نہ کرے اس کو کامیابی ممکن نہ تھی۔ مذہبی جنگ کا رنگ دکھلاتا تو اس کی کامیابی ناممکن تھی۔ اور شہرت بازار عدم کی سیر کرتی ہوتی۔

دوسری جانب راون کی شجاعت کے یہ افسانے کہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جس طرف نکل جاتا ہے پرے کے پرے صاف کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ یا یہ قصہ کہ چوروں کی طرح آتا ہے فریب دیتا ہے۔ اور زبردستی سیتا جی کو اٹھا لیجاتا ہے۔ اثنائے راہ میں یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس کا شکار کیا گل کاریاں کرتا جاتا ہے جس سے اس کی چوری یا سرزوری کا پتہ لگ جائیگا۔ ایک زبردست عالم باعمل اور ایسی حرکت کہ پرائی استری پر ہاتھ ڈالے۔ اگر ایسا ہوتا تو سیتا جی کا دامن عصمت ضرور پھٹ جاتا۔ بادشاہ جابر صاحب اختیار، خواہش نفسانی کا مغلوب۔ ادھر سیتا جی حسین جوان۔ بےکس و بے یار۔ اور پھر قبضہ ظالم میں گرفتار۔ اسکے گھر میں اس کے محل میں، بلکہ اس کے عشرتکدہ میں۔ اگر وہ ایسا ہوتا کہ پرائی عورت پر ہاتھ رکھتا تو اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ دامن تمنا گل آرزو سے بھر چکا ہوتا جسکو جبراً دوسری حد سے اٹھا لایا۔ اس سے جبراً اپنی خواہش پوری کر لینا بعید نہیں ہو سکتا۔ اس کا ایسا نہ کرنا اس کے ظلم کے افسانوں کی قلعی کھولتا ہے۔ اور اس واقعہ کی تحقیق کیطرف متوجہ کرتا ہے جس کے باعث راون سیتا کو لے گیا یا لچھمن جی نے اپنی بہادری کا ثبوت دیا۔

راون عالم تھا علم دوست تھا۔ اس کے داعی ہر طرف ہدایت کے وعظ سناتے پھرتے تھے دکن میں ان وعظوں کیوجہ سے اس کی تقلید و اطاعت کرنیوالے کھڑے ہو گئے۔ حکومت نے دبانا چاہا لیکن راون کی امداد نے حکومت کا عصا توڑ ڈالا۔ صاحبان تخت صحرانشین ہوئے۔ اور راون کے طرفدار تخت پر قابض ہو گئے۔ سگریو وغیرہ ایسے ہی راجہ تھے۔ جو راون کیوجہ سے جنگل میں مارے مارے پھرتے تھے۔

ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ راون کے داعی اپنے مذہب کا وعظ ہر چہار طرف سناتے پھرتے تھے۔ عورتوں میں عورتیں اور مردوں میں مرد۔ اس موقعہ پر سیتا جی اور لکشمن جی کے سوا اور تیسرا موجود نہیں۔ روپ نکھا اپنے مذہب کا وعظ سناتی ہے۔ لکشمن جی سے مباحثہ ہو جاتا ہے۔ آخر وہ مرد ہے اور یہ عورت۔ لاجواب ہو جاتی ہے

اور منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہتی علمی بازی کا ہیں مات کھا کر راون سے امداد کی طالب ہوتی ہے تاکہ
حق ظاہر و غالب ہو۔ لکشمن جی عالم تھے۔ دوسری دکن کی اقوام کے مانند نہ تھے کہ اس عورت سے
لاجواب ہو جاتے۔ راون روپ نکھا کے ہمراہ خود آتا ہے اور مباحثہ میں غالب ہوتا ہے۔ لکشمن جی
رامچندر جی کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ تاکہ راون کا جواب دیں۔ روپ نکھا نے ممکن ہے ان کو اسطرف کا پتہ
دیا جدہر ان کو تلاش شکار میں دیکھا ہو۔ ممکن ہے راہ دکھلانے کے لئے کچھ دور تک خود بھی ہمراہ گئی ہو لیکن
شکاری کی تلاش آسان نہیں۔ ایک عرصہ گذر گیا۔ پرائی حدود میں مخالفوں کے درمیان راون کا اس
طرح واپسی کا منتظر رہنا خطرناک تھا۔ اگر اس کی موجودگی کی خبر اس کے مخالفین کو ہو جائے اور وہ
آگھیریں تو بجز جان بچانے کی شکل اس لئے واپسی بہتر سمجھی۔ حق واضح ہو چکا تہا۔ سیتا جی نے اغلب ہے حق کو
تسلیم کیا اور اس کے ہمراہ روانہ ہوئیں۔ روانگی کے وقت اپنے جانے کی جگہ کا پتہ اور آتنائے راہ میں
مختلف اشیاء وغیرہ راستہ دکھلانے کی غرض سے پھینکتی رہیں جس کے ذریعے رامچندر جی ان کی تلاش
میں لنکا کیجانب روانہ ہوئے۔ اور ان راجاؤں سے ملاقات ہوئی جو حکومت سے بدر ہو کر بادیہ
نشین ہو رہے تھے۔ ان سے مدد کی توقع اسی وقت ممکن تھی جبکہ ان کی مدد کیجائے اور راون کے اثر کو
لوگوں کے دلوں سے مٹا کر پہلے مذہب کو رواج دیا جائے۔ اس لئے ان دونوں بہادر رامچندر نے
پہلے یہی کام کیا۔ نئے حکمران مارے گئے قدیم راجہ گدی پر بیٹھے۔ وعظ ہوئے۔ راون کے ظلم کی داستان
سنائی گئی۔ لوگوں کو اس کی طرف سے متنفر اور مظلوم کی امداد پر برانگیختہ کیا۔ اسطرح پر لشکر فراہم کر کے
لنکا پر چڑہائی ہوئی۔ مگر کا بھیدی لنکا ڈہائے۔ ہنومان جی ایک عالم فاضل اور بہادر سورما تھے۔ ان
کو معلوم تھا سیتا جی کس محل میں راون نے مقیم کیا ہے۔ رامچندر جی کے اس دردناک قصہ نے ان کو اپنا
طرفدار بنا لیا۔ اور وہ خود ہی سفیر بنکر راون کے دربار میں گئے۔ اس فرضی قصہ سے تمام رعیت کو راون کی
خلاف بھڑکا دیا۔ ہر طرف مخالفت کی آگ بھڑک اوٹھی۔ دربار کی سفارت کی نوبت آئی۔ تو علم کے سامنے
سوائے ہٹ دہرمی کے اور کیا بن سکتا تھا۔ آخر مذہبی رنگ نے جہادی صورت اختیار کر لی۔ لیکن گھر
کی مخالفت اپنا رنگ دکھاتی ہے نتیجہ درشکست ہونا تہا۔ ظاہر ہوا۔ جو ساتھ رہے وہ کھیت رہے۔ جو
دشمنوں سے مل گئے۔ وہ بچ گئے۔ اس طرح پر اس مبلغ ہدایت کو دنیا سے سفر کرنا پڑا۔ اب سلسلہ ہدایت
قومی کی جگہ "نسلی اور شہری" ہدایت کا سلسلہ شروع ہوا جس کا وجود آئندہ مبلغین کے کارناموں سے
ظاہر ہوتا ہے

انسانی دنیا میں ہدایت کے تین دوروں کا خاتمہ ہو کر چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلا
دور آدم علیہ السلام سے شروع ہوا آپ کی نسل اوسی شریعت کی تبلیغ کرتی رہی یہانتک کہ حضرت ادریس
(اخنوخ) علیہ السلام سے نئی شریعت کا دور جاری ہوا اور نوح علیہ السلام تک جاری رہا۔ نوح علیہ السلام

تیسری شریعت لیکر آئے وہ تبلیغ ہوا کی۔ یہانتک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت شروع ہوئی۔ تو یہ سلسلہ صرف آپ کی ذرّیت میں محدود ہوگیا۔ بقیہ کل نسلیں اس سلسلہ سے خارج ہوگئیں۔

مینار کے بنانیوالے نے بھی اس دور کو قائم رکھا۔ پیدائش ابراہیم علیہ السلام کو اسی دور سے سنگ بنیاد سے شروع کیا اور رفتہ رفتہ کمال انتہائی تک منتہی کیا۔ جو اسوقت تک حد ترقی انسانی تھی۔

اب تیسرے دور کے نبی اور وصی کم ہونے لگے۔ دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے۔ نئی نسلیں پرانی نسلوں کی قائمقام ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح شجرۂ نبوت میں نئے پھل کا موسم آیا۔ پہلے پھل جھڑنے شروع ہوگئے۔ شاخوں نے نئے لباس پہنے۔ نئی شاخیں اور نئی کونپلیں برآمد ہوئیں۔ پہلی جھڑ گئیں۔

توریت کیمطابق وفات نوح علیہ السلام کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ۵۰ سال کے تھے اور ان کے والد ماجد اس سے آٹھ سال پیشتر انتقال فرما چکے تھے۔ تخت کیانی پر نمرود ایکا ذی رونق افروز تھا۔ حیات نوح علیہ السلام میں سام اور ان کی اولاد کی جسقدر قدر و منزلت تھی ان کی آنکھ بند ہوتے ہی غائب ہوگئی۔ دنیا کی آنکھیں پھر گئیں۔ حکومت کے ذریں طپانچہ کی طمع نے حقیقی وارث علم الٰہی اور خلافت حق سے روگردانی کرا ڈالی۔ صرف معدودے چند ساتھی جن میں زیادہ تر اولاد کی تعداد تھی رہ گئے۔

ادھر نمرود نے میدان خالی پایا جس کا خوف تھا وہ چل بسا۔ دنیا کو حیات نوح علیہ السلام میں جو پاس و لحاظ یا خوف نہاں ان کی وفات کے بعد زائل ہوچکا تھا۔ حاکم دنیا کی جانب جھکے پڑتے تھے۔ اس کی طبیعت نے جولانی دکھائی۔ باپ دادا نے نبوت کے دعوے کئے۔ لیکن یہ دن نہ دیکھ سکے کہ دنیا ان کے قدموں پر جھکتی پھرے بلکہ تازیانۂ عقوبت سے بھاگتے ہی رہے۔ آج وہ دن ہے کہ اپنے بیگانے قدموں پر سر جھکاتے ہیں جو کہنے کرنیکو تیار اس لئے ربوبیت کا دعویٰ کر دیا۔ اور اپنا بُت اپنے باپ دادا کے بُت بنوا کر بتکدہ میں رکھوائے ان مورتوں کے قدموں پر ان پتھروں اور لکڑی کے ٹکڑوں کو اشرف المخلوقات سجدہ کرنے کے لئے جھکی۔ اس لئے کہ اس اطاعت سے نمرود خوش ہوتا تھا انعام و اکرام کی توقع تھی لیکن اس شخص کی اطاعت سے جسکو خدا نے اپنے تقرب و انعام و اکرام اُخروی کا وسیلہ قرار دیا تھا یہ سونے چاندی کے خوشگوار انعام دنیوی کہاں۔ نقد و ادھار میں زمین و آسمان کا بل ہے۔ الغرض اگر دولت کے خزانے بھی ہوں تو خلیفۂ برحق تو سب کو مساوی ہی دے گا۔ یہ رقمیں، بڑی بڑی جاگیریں، اونچے خطابات ایسے ملتے۔ دنیا کی مال و دولت، حشم و خدم، اونٹ گھوڑے، پیدل اور رسالوں کی کمان، درباری اعزاز کہاں۔ اور فاقہ مستی کی بہشت اور اس کے انعامی وعدے کہاں۔ حاضر حاضر ہی ہے اسکو چھوڑ کر امید موہوم کے پیچھے کون پڑے۔ "غائب" کی تلاش میں "حاضر" بھی غائب ہو جائے۔ دنیا کا دستور ہی یہ ہے۔ اسمیں نہ شکایت ہے نہ گلہ۔ اگر وصی نوح علیہ السلام سے روگردانی کرنیوالے اور نمرود کے قدموں پر

سرجھکانے والے برحق ہوں تو آیندہ بھی یہ طریقہ حق کہلائیگا۔ انسان کو حق حاصل ہی کہ دو چیزوں میں سے جو ایک دوسرے کے مقابل ہوں ایک کو اختیار کرے یہ کوئی نہیں چاہتا کہ اچھی چیز چھوڑ کر بُری چیز لیوے۔ لہذا جس چیز کو وہ اختیار کریگا وہ اس کی نظر میں حق ہوگی۔ اور دوسری جہت کو "ناحق" سمجھیگا۔ اپنی اپنی سمجھ ہے۔ دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ جبراً کسی کو اپنا ہمخیال بنائے۔ "غیرحق یا ناحق" سے زبردستی روگردانی کرا دے۔ لا اکراہ فی الدین۔ دین و اعتقادات میں زبردستی نہیں چلتی۔ البتہ دلائل و براہین سے حق کو واضح کرنا فرض ہی۔ اسی کو تبلیغ کہتے ہیں۔ اگر حق واضح ہونے پر بھی کوئی کذب کو صدق یا ظلم کو عدل بت پرستی کو خداپرستی یا اجماع مخلوق کو نقش الٰہی سمجھے۔ تو وہ جانے اس کا کام۔ ما علینا الا البلاغ۔ نہ رسول اولی پروار وغہ نہ اوصیائے رسول ان کے چوکیدار۔ لست علیہم بمصیطر۔ تو ان پر کوتوال مقرر نہیں ہوا کہ جبراً اپنا ہمخیال بنائے۔ پھر ہم جبر کرنے والے کون۔

انسان کیا اور اس کے فہم و ادراک کیا۔ اس کی عقل صرف اس حد تک رہنمائی کر سکتی ہی جو اس کے محسوسات میں آئیں۔ الٰہی انتظامات کو دریافت کرنا کٹھن ہی۔ کیا ذرا سی چیونٹی۔ اور کتنا بڑا قوی الجثہ ہاتھی۔ پاؤں تلے دبائے تو نشان بھی نظر نہ آئے۔ لیکن یہی بے حقیقت ہستی اس دیو نژاد جثہ کو خاک کا تودہ بنا دیتی ہی۔ کیا ذرا سا مچھر بڑے بڑے شہر یار خان اس کے سامنے ناچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نمرود کے لئے ربوبیت کا دعوے آسان ہی نبھانا مشکل۔ اپنی اختراعات یا رفاہ عام کے امور کی اصلاحات کی بنا پر ایسا دعویٰ کرنا باطل ہی۔ اصلاح عقل و فہم کی ضرورت ہی۔ دو دمانِ ہدایت کا ایلچی مشعل معرفت ہاتھ میں لئے دلائل و براہین کے ساتھ غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ لیکن کلدانیوں کے خداؤں کے معبود اور بابل کے فرمانروا کے دربار تک رسائی نہیں ہوتی۔

کارخانۂ قدرت کا ایک سنگتراش کا شاگرد ہوتا ہے۔ آذر تنجانۂ نمرودی کا مہتمم بلکہ روح رواں تھا ایسے ایسے بت بناتا کہ حسن خود اس کی دستکاری پر فریفتہ ہو جاتا۔ اوّل استاد و شاگرد میں ہی تکرار ہوئی جس کو آذر کی دھمکی نے دبا دیا۔ لیکن یہ ایسا نشہ نہیں تھا کہ ہرن ہو جاتا۔ یہ حکیمِ ملت منتظرِ وقت تھا کہ اس انسانی صنعت کو شکست کرے اور دربار نمرود تک پہونچے

عید میلہ آ پہونچی۔ سب مرد و زن بوڑھے بچے۔ باہر نکلے۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑنا شروع کیا۔ وہ صنعت انسانی کے نمونے جو کل تک اشرف المخلوقات سے خراج سجدہ لیتے تھے۔ آج ایک انسان کے ہاتھ سے پامال ہو رہے ہیں کُل بتوں کو توڑا۔ صرف بڑے بت کو جو نمرود کا بت تھا رہنے دیا۔ بسولا اس کے شانے پر رکھا اپنے مقام پر واپس آ منتظر وقت ہو بیٹھے۔

آخر شام ہوئی۔ لوگ گھروں میں واپس آئے پجاریوں کا شور و غوغا بلند ہوا۔ شدہ شدہ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آگیا کہنے والے نے کہا وہی کہتا تھا لاکیدن اصنامکم میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ ہاتھ کروں گا۔

آخر طلبی ہوئی اور پوچھا گیا۔ افعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیم۔ اے ابراہیم کیا یہ فعل ہمارے بتوں کے ساتھ تیری کارستانی ہے؟ جواب ملا بل فعلہ کبیرھم۔ ان کے بڑے نے کیا ہوگا۔ اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھو کیسی دلیل ساکت تھی۔ ایک بولنے والا انسان ایک بے حس و بے حرکت کو معبود سمجھے۔ اللہ اللہ۔ ایسا خفیف ہوئے کہ گردنیں جھک گئیں۔ آخر بول اٹھے تو جانتا ہے یہ بول نہیں سکتے۔ پھر ان سے دریافت کریں تو کیسے۔ حجت غالب ہوئی۔ کہنا پڑا پھر بھائی ایسوں کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ جو نہ بول سکتے ہیں نہ اپنے سے شر کو دفع کر سکتے ہیں۔ جو اپنے نفع نقصان پر قدرت نہیں رکھتا تمہیں اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ آخر اجماع ہوا۔ شوریٰ کا دور چلا۔ رائیں دینے لگے۔ فیصلہ یہی ہوا کہ ابراہیم کو دربار شاہی میں پیش کر کے آگ میں جلوا دیا جائے تاکہ آئندہ عبرت ہو۔ آتش ان کا الٰہ تھی اس کے سپرد کرنا اپنے خدا کا غضب نازل کرنا تھا۔ معلوم تھا کہ جو آگ میں گیا زندہ نہ آیا۔ اس طاقت سے ابراہیم کا مقابلہ ممکن نہیں اور پھر ایسی حالت میں جبکہ ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑے ہوئے ہوں آخر جس روز کی تمنا تھی وہ بھی آیا۔ ایلچی بادکیل قدرت دربار نمرود میں پہونچا۔ یا یوں کہئے کہ روحانیت کا فرشتہ بت پرستوں کے خدا کے دربار میں مجرموں کی حیثیت سے حاضر ہوا۔

مستغیث نمرود کے سامنے اپنا بیان پیش کر چکے۔ فرد جرم لگی۔ ملزم سے جواب طلب ہوا۔ نمرود نے دریافت کیا اے شخص تو میرے بت کیطرف کیوں سجدہ نہیں کرتا۔ کیا تو میری ربوبیت کا منکر ہے؟ آنحضرت نے اسکا جواب دیا۔ ربی الذی یحیی ویمیت میرا رب (مربی) تو وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ یہ سنکر نمرود نے کہا۔ انا احی وامیت میں بھی تو حیات و موت پر قادر ہوں۔ دو مجرموں کو اسی وقت طلب کیا ایک کو قتل کیا اور دوسرے کی جان بخشی کی۔ اب ابراہیم علیہ السلام نے مزید توضیح کی اور کہا اگر یہی بات ہے تو سُن ربی الذی یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب۔ میرا رب (مربی پالنے والا) تو وہ ہے کہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو وہی ہے تو تو مغرب سے نکال میں قائل ہو جاؤں گا۔ یہ ایسا زبردست جواب تھا کہ جس سے فبھت الذی کفر نمرود کا فق رنگ رہ گیا۔ سکتہ میں آگیا آخر اس مرد خدا کو آگ میں ڈالنے کا حکم صادر کیا۔

اظہار حق کی ایک کڑی منزل باقی تھی وہ آگ جس کی پرستش کی بنیاد قابیل نے قائم کی جسکو آفتاب کا مظہر مانکر ہوشنگ نے سجدہ کیا اور اس کی الوہیت کا واعظ بنا۔ ابھی تک ان کے دلوں میں عظیم المرتبت تھی الوہیت نمرودی سے منکر ہونا نار کی الوہیت سے انکار نہ تھا وہ اس کی خاصیت سے واقف تھے۔ ان پر ان کے اس الٰہ کی مجبوریت و عبودیت کا روشن کرنا بھی لازمی اور ضروری تھا۔ آتشکدہ پہلے ہی سے

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے دربار میں بحیثیت مجرم حاضر ہونا ایک دوسرے واقعہ کی یاد دلاتا ہے جو وفات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی رونما ہوا۔ وہاں نمرود حاکم تھا جو بت پرستوں کا رب بنا یہاں بھی حدیث رسول الشؤم الخ ... نے وہی مشابہت پیدا کر دی خلیل اللہ کا پیارا ... بغیر معصوم ہاتھوں کو بندھے ہوئے بادشاہ کے سامنے رسیوں سے بندھا ہوا پیش ہوا اور اس کے بعد بھی اس نمرودی طریق پر عمل ہوتا رہا۔

آتشکدہ بنا ہوا تھا۔ نمرود کی خفت نے اس میں ہیزم کے انبار لگا دیئے تو پہلے سے کئی گنا تیز ہو گیا۔ اس کے قریب جانا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

اس آتشی گھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مشین (فلاخن یا گوپیا) کے ذریعہ پھینکے گئے۔ کوئی دوسرا شخص ہوتا حکم سنتے ہی کانپ اٹھتا۔ آتشیں منظر دیکھتے ہی تھرا جاتا۔ نمرود کے پاؤں پڑتا۔ سجدے کرتا۔ معافی مانگتا لیکن یہ تجرۂ علیہ کا نام لیوا، مظہر قدرت کا خلیفہ کائنات کا حاکم بنا۔ انسان سرکش اس سے بغاوت کرے تو کرے اجزا اس کی اطاعت سے گریزاں ہوں تو چوں۔ دیگر مخلوقات عالم میں سے کوئی شے ان کی (خلفاء اللہ) کی مخالفت نہیں کر سکتی۔ آگ اسکو کیونکر جلائے جو ایسی ہستی کا خلیفہ ہو جس نے آگ کو آگ بنایا اس میں جلانے کی خاصیت ودیعت رکھی۔ مثل مشہور ہے جو چیز انسان بنا سکتا ہے اسکو توڑ بھی سکتا ہے۔ جو چیز دے سکتا ہے اسکو لے بھی سکتا ہے اور دوسری شے سے بدل بھی سکتا ہے۔ اسی طرح سے وہ ہستی جس نے آگ میں جلانے کی خاصیت پیدا کی اسکو سلب بھی کر سکتی ہے۔ اور بدل بھی سکتی ہے۔

آتش ان کے لئے آتش ہے جو اس کے عبد کہلانے کے مدعی ہوں۔ مٹی پتھر کی مورتوں کے حضور سر نیاز جھکاتے ہوں۔ بیجان کو جاندار سے افضل سمجھتے ہوں۔ قاعدہ کی بات ہے دسترس اسی پر ہوتا ہے جو اپنے سے کمتر ہستی اور ماتحت شخصیت ہو۔ اپنے مافوق پر دست قضا نہیں چل سکتا جب تک وہ مافوق اسی میں مصلحت نہ سمجھے۔ لہذا آگ کا خطرہ ان ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو عمر بھر ان بتوں کو پوجیں۔ اور اس کو الوہیت کے درجہ پر سمجھتے رہیں۔ اب ان سے پھرنے کا خیال بغاوت ہے۔ اور بغاوت کا نتیجہ سزا لیکن وہ شخص جو اصنام و عناصر پر حاکم ہو اسکو ان سے کیا حذر وہ جسکو چاہے توڑ ڈالے۔ خارج کردے بجھا دے یا پھینک دے۔ بلندی سے پستی پر پھینکے یا پیکر سرے بنائے اور پانی میں ڈالدے اس کا اختیار ہے۔

جسوقت ابراہیم علیہ السلام آگ کیجانب مشین سے پھینکے گئے تو موجودات عالم میں ضرور تہلکہ پڑ گیا ہوگا آتش بھی اس سے باہر نہ تھی۔ لہذا حکم خالق خلق پہونچا یا نار کونی بردًا وسلٰمًا علی ابراھیم۔ اے آگ خاصیت بدل۔ خبردار ابراہیم کا رونگٹا بھی نہ جلے بلکہ خوشگوار برودت کی خاصیت اختیار کر۔ ہمارا بندہ خاص تیرا مہمان ہوتا ہے جو تجھ پر حاکم ہے وہ تیرے گھر آتا ہے۔ با ادب ہو تعظیم دے۔ حق اطاعت و مہمانی بجا لا۔

ادہر ابراہیم علیہ السلام ہوا میں آگ کے قریب ہوئے شعلے استقبال کے لئے بڑھے وہ رسیاں جن کے ذریعہ ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے جلکر گر گئیں۔ زبانۂ آتش پھول بن گئے۔ مہمان عزیز پر پھول برساتے ہوئے قیام گاہ تک لائے۔ وہ دہکتے ہوئے انگارے جھلسنے والی خاکستر پھولوں کا بستر بنی اور جلتے ہوئے لکڑیوں کے انبار گل و یاسمین بن گئے۔ نمرود اور اس کے درباریوں کے لئے یہ دوسری شکست تھی جس سے ثابت ہو گیا کہ ایسی طاقت ایسی قوت ایسا وجود ضرور ہے جو خاصیت طبائع بدلدینے پر قادر ہے اور وہی قادر مطلق حقیقی الہ ہے جس کو یہ شخص اپنا معبود سمجھتا ہے جس کی مخالفت پر اجماع انسان ایک طرف۔ ستارے معطل ہو ...

ایک طرف آتشی خاصیت ایک جانب۔ فرداً فرداً اور مجموعی حیثیت سے، اسکو اسکے ارادہ سے اسکے منصب سے
ہٹا نہ سکے۔ تلوار کی آنچ، آگ کے شعلوں کی بھبک، دشمنوں کا نرغہ۔ قید یا اسیری اس کے مدعا میں حارج
نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے قدم کو ڈگمگا نہیں سکتی۔ کیونکہ اسکو یہ منصب عطا کرنیوالا قادر مطلق
یا لامحدود قوت ہے۔ اور اپنے چُنے ہوئے کے فعل کو خاص اپنا فعل قرار دیتی ہے۔ وما رمیت اذ رمیت
ولکن اللہ رمیٰ اے رسول وہ کنکریاں جو تونے پھینکی تھیں وہ تونے نہیں پھینکیں۔ بلکہ وہ ہم نے پھینکیں۔
تم تو محض نائب ہو۔ یہ مخالفت تم سے نہیں۔ تمہاری عمر کا بڑا حصہ ان کے درمیان گذرا کبھی تم سے برسر
پرخاش نہیں ہوئے لیکن اعلان نیابت ہوتے ہی ان کی حالت کا بدلجانا بتلاتا ہے کہ یہ مخالفت ہم سے
ہے۔ اس لئے جو فعل بھی تمہارے ہاتھ سے ان کے خلاف واقع ہوتا ہو وہ ہماری طرف منسوب ہوتا ہے
تمہارا قول ہمارا قول ہو اور تمہارا فعل ہمارا فعل۔ تمہاری مخالفت ہماری مخالفت اور تمہاری محبت ہماری
محبت کہلائے گی۔ تمہاری بیعت ہماری بیعت ہو۔ پس خلیفۂ خدا کو لسان اللہ، ید اللہ، جنب اللہ، اور عین اللہ
کہنا برحق ہے۔

انسان اشرف المخلوقات، احسان فراموش ہستی، سے یہ ممکن ہو کہ لسان اللہ کو کاٹنے کی سعی کرے
اذن اللہ پر پتھر برسائے ید اللہ کو طوق و زنجیر یا رسی میں باندھے۔ جنب اللہ کو مجروح کرے۔ عین اللہ
پر خاک اڑائے۔ ہر جنب اللہ پر تلوار چلائے۔ لیکن عناصر میں یا دیگر موجودات میں یہ دل گردہ نہیں کہ اس طرح
کے ستم ڈہائے۔ لوہا ان کے ہاتھ میں موم ہوجاتا ہے۔ عقدے کھل جاتے ہیں۔ آتش گلزار، سمندر گہوارہ،
ہوائی کرہ تخت سیر اور ماہی مقام تفریح ہوجاتے ہیں۔ جس کو قدرت حاکم مقرر کرتی ہو وہی حاکم ہوتا ہے
دنیا و مافیہا اسی کے مطیع ہوتے ہیں اگرچہ انسان اس کا مخالف اجنات اس کے دشمن ہوں لیکن اس کی مخالفت
سے خلیفۂ منصوص معزول نہیں ہوجاتا۔ اور نہ مخلوقات کا بنایا ہوا خلیفہ خلیفۂ منصوص کہلاتا ہو۔ نمرود، نمرود
ہی رہا خلقت کے اجتماع سے خلیل اللہ نہیں بنا اور نہ ابراہیم علیہ السلام اپنے مخالفین کی کثرت اور اپنی
تنہائی کے باعث نبوت اور خلت سے معزول ہوئے۔ یہ تو قانون فطرت ہو۔ نوکر کی توہین آقا کی توہین
کہلاتی ہو۔ لہذا آقا کا فرض ہو کہ اپنے ملازم کی عزت برقرار رکھے۔ تاکہ خود اس کی عزت بنی رہے۔ اور
وہ واجب التعظیم و قابل احترام متصور ہو۔ خلیل اللہ نے اپنے آقا اپنے مربی کے اوصاف نمرود کو گنوادیئے۔
جو آقائی و مربی عالم ہونیکا مدعی تھا۔ نہ کہ خلاق عالم ہونیکا۔ ورنہ اس دوسری صورت میں دلائل و براہین مذکورہ
قاطع نہیں ہوسکتے۔ رفاہ عام کی اصلاحیں جو اس کے ذریعہ اور اس کی تجاویز پر کاربند ہونے سے ظاہر ہوئیں
ان سے بنی نوع انسان اس کے مرہون احسان تھے وہ محسن نوع انسان و محسن قوم تھا مربی عالم نہ تھا۔
مربی عالم صرف وہی شخص ہوسکتا ہو جو حیوۃ و ممات پر قادر ہو۔ اور تمام موجودات کونی و مکانی پر متصرف
ہو۔ قانون معلومۂ قدرت کے خلاف ان موجودات کو چلا سکتا ہو۔ سورج کو مغرب سے نکالنے پر قادر ہو

وہ ہے مربی عالم۔ وہ ہے واجب التعظیم و تکریم۔ اس لئے کہ وہ حاکم مخلوقات الٰہی ہے۔ خلاق عالم نے کل موجودات عالم کو اس کے قبضہ تصرف میں دیدیا ہے کیونکہ اس نے اپنا نفس رضائے الٰہی کے بدلے میں فروخت کر دیا۔ خدائے خلاق عالم نے اس کا نفس خرید لیا اور اپنے کارخانہ قدرت کا اسکو مختار بنا دیا۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ۔ خداوند عالم مومنین سے ان کے نفسوں کو خرید چکا (زمانۂ ماضی مطلق میں جبکہ زمانہ کی ابتدا بھی نہ تھی) اور ان کو اس کے عوض میں جنت رضائے الٰہی عطا کی۔ آقائے عالم و مربی دو جہاں یہی مومنین ہو سکتے ہیں۔ جو اپنی جانوں کے بدلے رضائے الٰہی کے مالک ہو گئے۔ اور خداوند عالم اپنی رضا ان کے حوالے کر کے جو کچھ ان کا کہلاتا تھا اس پر قابض و متصرف ہو گیا۔ پس ان کے ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک، مال و دولت، اولاد و ناتی، ملازم، غلام سب خدا کی ملکیت قرار پائے اور اس کے نام سے منسوب ہو گئے۔ لسان اللہ۔ ید اللہ۔ عین اللہ۔ جنب اللہ۔ حزب اللہ۔ نبی اللہ۔ ولی اللہ کہلائے ورنہ خداوند عالم اس سے بہت زیادہ بلند ہے کہ وہ آنکھ ناک کان ہاتھ زبان اعوان و انصار یا خوشخبری دینے والے دوست وغیرہ کا محتاج ہو۔

حضرت خلیل اللہ نے اپنے مربی کے اوصاف نمرود کو بتلا دیئے کہ میرا مربی تو وہ ہے جو سورج کو مغرب سے نکال سکتا ہے حالانکہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ اگر تو مربی ہونیکا مدعی ہے تو ہمت کر اور دعوی کو سچ کر دکھلا۔ نمرود مبہوت ہو گیا لیکن تاریخ ان ہستیوں کے وجود کا پتہ دے رہی ہے جنھوں نے سورج کو مغرب سے نکالکر ظاہر کر دیا کہ دعوئے خلیل غلط نہ تھا۔ وہ مربی عالم ہستیاں ہمارے وجود میں ملتی ہیں جو رضائے الٰہی کے مالک ہیں۔ ایک لسان اللہ ہے تو دوسرا ید اللہ ہے۔ عین اللہ و حزب اللہ اسی گروہ میں مل سکتے ہیں ان کے غیر میں نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ خدا کی ملکیت، دوسروں کے حضور نہیں جھک سکتے۔ ورنہ اگر حزب اللہ بتوں کا سجدہ کرنیوالے ہوتے تو بت پرستی ثواب اور بت شکنی عذاب کا باعث ہوتی۔ واذ لیس قلبس

الغرض خلیل اللہ تین روز آتشکدہ میں رہے۔ تاکہ نمرودیوں کو اپنی غلطی خوب ثابت ہو جائے۔

بیان بالا سے ظاہر ہے کہ بادشاہی (یا سلطنت) قہر و غلبہ یا احتجاج مخلوقات سے خلافت حقہ (نبوت و امامت) میسر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ وہ درجات رفیعہ ہیں جن کو خداوند عالم نے اپنے ہی قبضہ قدرت میں رکھا ہے۔ مقرب ترین مخلوقات یعنی فرشتوں کو بھی اس انتخاب میں مداخلت نہیں۔ گنہ گار و کوتہ اندیش انسان تو اور بھی ابعد تر ہے۔

کلام پاک میں ان قصوں کا تذکرہ بکثرت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک قصہ جو تفصیل و تکرار مذکور ہوا ہے ضرور اس امت میں واقع ہوا یا آئندہ ہوگا۔

حضرت خلیل اللہ کے ساتھ آتش نمرودی کا واقعہ رحلت نوح علیہ السلام سے چودہ سال بعد ظہور میں آیا۔ (مطابق تاریخ توریت)

اس واقعہ کے بعد نمرود نے آنحضرت کو اپنی حدود سے خارج کر دیا اور آپ نے بابل سے ہجرت کی
بابل کے تخت کے وارث نمرود اور افریقی حاکم فرعون کہلاتے تھے۔ جو شخص اس زمانہ میں
مصر وغیرہ پر حاکم تھا وہ بھی راہ راست سے منحرف تھا۔ منشائے الٰہی کے مطابق اتمام حجت ضروری تھی۔ بابل سے روانہ ہو کر
حضرت خلیل ع اس کی جانب آئے۔ فرعون معجزات باہرہ دیکھ کر ایمان لے آیا۔ اپنی لڑکی ہاجرہ کو کنیزی میں پیش کی دوسری
لونڈی قطورہ آپ کی زوجہ سارہ کی خدمت کے لئے حاضر کی نیز بہت سا زر و جواہر حشم و خدم جہیز کے طور پر نذر کیا۔
مصر سے روانہ ہو کر آنحضرت جرار میں مقیم ہوئے۔ یہ شہر عرب و فلسطین کی حد پر واقع ہے۔ اس آمد و رفت میں تقریباً
پانسو سال صرف ہوئے۔

اپنی کتاب "دو بابل" میں پادری ہسلپ نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ مصر جلاوطنوں کی بستی تھی۔ نمرود کا حضرت خلیل اللہ کو
نکالنا اور آپ کا مصر کیطرف روانہ ہونا بھی اسی بیان کی تائید کرتا ہے کہ مصر جلاوطنوں کے لئے قیامگاہ تھی دوسری اطراف
ان کے لئے بند تھے۔

ایرانی تاریخ سے جمشید کا نام ہابیل یا ہیبل بھی معلوم ہوتا ہے۔ اولاد جمشید کا نام جو سپید کابل کی دختر سے پیدا ہوئی۔
نال کثرتائل بیان کیا جاتا ہے یعنی ہیبل کے زندریاز (اہیبل)۔ زندریازا ہندی شوپاشا کے مقابل ہے جو ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے
فریدوں یا آفریدوں ہوشنگ کے نسل سے تھا۔ آفرید اُدرن اس کا عرفی نام ہے یعنی اود کے بیٹے کی نسل۔
یونانی تاریخ اور ہندی تاریخ سے منوجی اور مینیز کے حالات پر غور کیجئے۔ تو منو سہ بن اود اور مینیز سہ بن ایرز
یا ایرش کی دوسری صورت ہے۔ اود یا ایرش ہوشنگ کا نام ہے جسکو چند مرتبہ ناگا قوم سے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ لہذا منوجی یا مینیز اسی
اود کے جو ناگا نسل سے تھا پسر تھے۔ ایرانی تاریخ سے اوشنگ کے دو پسر تہمورث اور جمشید (یا ہیبل) ہیں جمشید کا رفاہ عام
کے کاروبار میں انہماک منوجی کا قوانین معاشرت مرتب کرنا اور مینیز یا مصرائیم کا مصر کو بود و باش کے قابل بنانا ان کو ہمدرد
نوع انسانی ہونا ظاہر کرتا ہے۔ ان کے مخالفین یا باغیوں کی سزا قتل و جلاوطنی ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ زمانہ حال میں بھی ایسے
اشخاص جو بنی نوع انسان کی بہبودی میں مخل نظر آتے ہیں "کالا پانی" (دیا انڈیمان) کے ٹاپوؤں میں بھیجے جاتے ہیں
تاکہ ان کا اثر وبائے عام ہو کر بقیہ نوع انسان کے فساد کا باعث نہ ہو۔

خیر بابل سے نکل کر خلیل اللہ مصر ہوتے ہوئے جرار میں آ بسے۔ چھہتر سال کی عمر ہو گئی۔ باوجودیکہ غربت بابل کے
بدلے رحمت الٰہی نے تونگری، حشم و خدم، سب سامان راحت عطا فرمائے تھے مگر سرور ولد سے ابھی تک آنکھیں آشنا
نہ تھیں۔ مردوں کی نسبت مستورات کو لاولدی کا زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔ یہی حضرت سارہ کا حال ہوا اسی خیال سے انہوں
نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجازت دیدی اور ہاجرہ کی رفاقت منظور کی۔

گھر انسان کے لئے تفکرات دنیوی سے ایک گونہ آزادی دینے کے لئے ہوتا ہے جس میں اس کی زندگی کی ساجھی
اسکی دلجوئی کرتی اور حوصلہ بڑھاتی ہے وہ اپنے استقلال اور خانگی تفکرات میں ہمت و جرأت، صبر و حلم، جفاکشی اور محنت
کی زندہ تصویر ہے۔ شوہر درماندہ و مضمحل، بار تفکرات میں دبا ہوا گھر میں آیا۔ اور اس نے اس کی دلجوئی شروع کی بزرگی

جاتی رہی۔ شگفتگی آگئی۔ اور پھر مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد و منتظر وقت ہو بیٹھا لیکن جب ہی شگفتگی پژمردگی ہو جاتی تو انسان کو نہ گھر میں چین ملتی ہے نہ باہر آرام۔ اسوقت وہ بے صبر و تحمل بیباک ہو جاتا۔ وہ نفوس نہایت ہی اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں جو اسوقت بھی متحمل نہ ہوں فرائض منصبی اسی جوش و خروش، اور اسی انہماک سے ادا کرتے ہیں جو پہلے ظاہر ہوتا تھا۔

بیوی کی بیقراری اور لاولدی کی شکایت لب خلیل پر دعا بنکر آئی۔ رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ بار الٰہا! دل کی پژمردگی کھول۔ اپنی بارگاہ سے پاک اولاد عطا فرما۔ اولاد طیب کی دعا ہے نہ کہ غیر طیب کی۔ دعائے خلیل ہے۔ اور پھر ایسے کریم کی بارگاہ میں جو دشمنوں، اور مخالفوں، نافرمانوں اور باغیوں کی دعا بھی مسترد نہیں کرتا۔ شیطان نے قیامت تک مہلت مانگی۔ وقت معلوم تک عطا کی۔ حالانکہ اطاعت حکم سے انکار کرچکا ہے۔ بغاوت ظاہر ہو چکی ہے۔ اب پہلی خدمات کا صلہ مانگتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ زندہ رہا تو سرکشی کا بازار گرم کریگا۔ لیکن وہ جواد و کریم قادر مطلق ہے اس کی گرفت سے کوئی مخلوق نکل نہیں سکتی۔ وہ ان کی خواہشات کے مطابق عطا کرتا ہے ان کے ظرفوں کا امتحان لیتا ہے اور دیکھتا ہے آیا شکر نعمت بجالاتے ہیں یا نہیں۔ اسکی نعمت سے متمتع ہوکر اس کی معرفت میں ترقی کرتے اور اسکے مقرر کردہ امین، ولی نعمت، نائب، یا خلیفہ کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں اس کی نعمت اس کے حکم کیمطابق صرف کرتے ہیں [illegible]

پھر خلیل کی دعا کیوں مستجاب نہ ہوتی جب مدعا پسر طیب پسر کی استدعا تھی بطن ہاجرہ سے اسی سال دعائے خلیل نے پسر حلیم یعنی اسمعیل کی صورت میں ظہور کیا۔ ظاہر ہے کہ پاک چیز کے لئے پاک ظرف کی ضرورت ہے اگر ظرف پاک نہ ہو تو چیز نجس ہو جائے گی۔ طیب نہیں رہ سکتی۔ اگر چیز ظرف میں آنے کے بعد بھی طیب ہی تو معلوم ہو گیا کہ ظرف پاک ہے اسکو مالک نے چیز ڈالنے سے پیشتر پاک کر لیا ہوگا۔ سوفی ظرف ہوتا تو پانی سے صاف کر لیا جاتا۔ لیکن یہ بطن مادر وہ ظرف تھا کہ دست قدرت کے سوا اور کوئی اس تک رسائی نہیں رکھتا۔ ایمان کا پانی۔ عرفان الٰہی کے نور کی جھلک۔ صدق نیت و صداقت عمل اس ظرف کو پاک کر سکتے ہیں۔

اور ایسی مومنہ باخلاص تھی اور اس اخلاص میں اسقدر ترقی کی کہ خداوند عالم نے دعائے خلیلؑ کے مطابق ذریت طیب اس کے بطن سے پیدا کی۔ اور اس مومنہ با اخلاص کی طہارت نفس پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ اولاد طیب اور بیوی مطہر ان دونوں کی خلیلؑ اگر قدر نہ کرتے تو کیا کفران نعمت کرتے۔ (معاذ اللہ منہا)

عام مشاہدہ کی بات ہے جسقدر بادشاہ کی عزت یا دوست کی محبت دل میں ہوتی ہے۔ اسی قدر عطیہ کی عظمت و وقعت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس ظرف کی قدر و منزلت بھی بڑھ جاتی ہے جس میں وہ عطیہ یا دوست کی یادگار بند ہوکر پہونچی یا آئندہ محفوظ رکھی جاتی ہے۔ اسی سے بادشاہ کی عظمت اور دوست کی محبت کا اندازہ کیا جاتا ہے حضرت خلیلؑ کو خداوند جلیل عطیہ طیب کرامت فرمائے وہ کس طرح اس کی قدر نہ کرتے۔ اس کی قدر کی بلکہ اس کے ظرف کی قدر کی اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جو حضرت سارہ کو ناگوار گذرا۔ بیوی اور بیٹے کی تعظیم خلاف قاعدہ بھی مکروہ معلوم ہوتی۔ اور مناسب سمجھا کہ یہ دونوں ماں بیٹے الگ کر دئے جائیں۔ تاکہ ابراہیم (علیہ السلام) سے خلاف قاعدہ امور عمل میں آتے ہوئے نہ دیکھوں۔ اپنی لونڈی قطورہ اپنے شوہر کے حوالہ کی اور ہاجرہؑ و اسمعیلؑ کو گھر سے نکالنے

کے لئے مضر ہوتی اس غریب کو کیا معلوم تھا خلیل اللہ کس لئے بیوی بیٹے کی تعظیم کرتے تھے

اولاد طیب ہو تو عزیز تر ہوتی ہے باپ کی پیری کا سہارا ہوتی ہے بچپن سے کل امور میں اسکو تعلیم و تربیت دیجاتی ہے یہاں بھی یہی ہوا۔ اسمٰعیل صغر سنی ہی میں شریک پدر ہو کر حاجرہ انہی کے وقت ایک فریق قرار پاسے شرائط عہدنامہ کے اسی طرح پابند ہوئے جیسے کہ پدر آنحضرت۔ لیکن حضرت خلیل اللہ معمولی شخص نہ تھے بلکہ خداوند عالم کے رسول اور برگزیدہ بندے تھے۔ اسمٰعیل شرائط عہدنامہ کی تکمیل میں پدر باپ کیطرح اسی وقت مقدرت ور کہ سکتے تھے جبکہ آنحضرت بھی نبوت کا درجہ حاصل کرلیں۔ چونکہ تکمیل شرائط میں آپنے اپنے پدر کے برابر حصہ لیا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ آپکو اسی زمانہ طفولیت میں نبوت مل گئی تھی۔ اگر نہ ملی تو خلیل اللہ کیطرح تکمیل شرائط ممکن نہ تھی۔ غیر نبی نبی کا ہمسر نہیں ہوسکتا۔ نبوت کے لئے اہلیت چاہئے جو درجہ خلیل میں موجود ہے۔

دو نبیوں کا ایک جگہ رہنا فضول ہے جبتک ان میں سے ایک ماتحت قرار نہ پائے۔ لہٰذا اسمٰعیل کا بغرض تکمیل خدمات منصبی باپ سے علیحدہ ہونا ضروری تھا۔ باپ سے اس عمر میں علیحدہ ہونا آسان ہے لیکن ماں کی جدائی مصیبت ہے لہٰذا حضرت ہاجرہ اپنے لخت جگر کی محافظ بنکر ان کے ہمراہ گئیں۔

اولاد کی جدائی سخت امتحان ہے۔ بیوی کے کہنے سے بیٹا اور وہ بھی سعید بیٹا، اکلوتا بیٹا جدا نہیں کرسکتے لیکن حکم خدا۔ دوست کا فرمان۔ مالک کا اشارہ اس کڑی منزل کو آسان بنا دیتا ہے۔ دینے والا حفاظت کا وعدہ کرتا ہے زمین مقدس میں بیت محترم کی مجاوری۔ آنیوالوں کی تعلیم و تربیت کی خدمت سپرد کرتا ہے۔ ہدایت خلق کے لئے بیٹے کی جدائی منظور کی۔ اور اسمٰعیل و ہاجرہ کو علی الصباح بیابان فاران میں چھوڑ آنے کے لئے تیار ہوگئے۔

سواری چلی تین شخص بستی سے نکلے۔ ایک بچہ دوسری عورت اور تیسرا بوڑھا۔ ان میں دو نبی۔ ایک باپ ایک بیٹا۔ تیسرا ان دونوں کے درمیان رابطہ۔ یا مجسمہ ایمان۔ مومنہ با اخلاص۔ کیونکہ ایمان وہ رشتہ۔ رابطہ یا تعلق ہے۔ جو دو نبیوں کو ہمخیال بناتا ہے بلکہ دو متقیوں اور خدا پرستوں کو ایک خط پر لے آتا ہے۔

یہ مسافر ایک مقام پر پہونچے۔ سواری سے اترے۔ بیوی بچا نیوالا واپسی کا عزم کرتا ہے۔ غریب عورت اپنے شوہر کے چہرے پر حسرت کی نظر ڈالتی ہے پھر اپنے نازوں کے پالے کمسن بچے کو دیکھتی ہے۔ ساتھ ہی اپنے چار طرف نظر دوڑاتی ہے نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ سایہ کے لئے کوئی شجر دکھلائی پڑتا ہے۔ جہاں تک نظر پہونچتی ہے ریگستان ہی دکھلائی دیتا ہے موت کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ آخر شوہر سے دریافت کرتی ہے۔ اے سرتاج کونسا قصور ایسا ہوا جس کی پاداش میں ہمیں اس گوشے کے مقام میں چھوڑے جاتے ہو۔ کچھ جواب نہ پاکر پاس کو جھکر کہتی ہے۔ اے ابراہیمؑ۔ اگر مجھ پر رحم نہیں آتا اپنے خوردسال بچہ پر رحم کرو۔ یہ جنگل کچھ دیر میں آتش نشان بنجائیگا۔ یہاں نہ بستی ہے نہ شجر۔ نہ کہیں پانی کا نشان۔ یہ معصوم کس طرح زندہ رہیگا۔ بیوی کے کلمات اور بچہ پر آنیوالی مصیبت کا خیال بوڑھے باپ کے دل کو پوچھنا چاہئے جس نے عمر بھر تمنا کرکے ایک بچہ پایا ہو اور اسکو صحرائے لق ودق میں بے یار و مددگار چھوڑنا پڑے۔ خلیل اللہ بھی انسان تھے۔ دل بھر آیا لیکن حکم خدا سے مجبور۔ لب پر مہر سکوت۔ حسرت سے بیوی اور بیٹے کی طرف دیکھتے ہیں آخر

سواری کیطرف بڑہتے ہیں بیکس بیوی بیقرار ہوکر دوڑتی ہے۔ اور دامن شوہر سنبھالکر تیسری دفعہ دریافت کرتی ہے اے نبی اللہ اس خونی میدان میں ہمکو کس کے حوالے کئے جاتے ہو۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ ادہر پسر حسرت و یاس سے باپ کا چہرہ اور ماں کی بیقراری دیکھتا ہے۔ چہرہ پر اداسی چھاجاتی ہے۔

زبان خلیلؑ میں یارا نہیں کہ بیوی کے سوال کا جواب دیں آخر انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور اپنے عزیزوں کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وہ تابع فرمان مومنہ باخلاص اس اشارے کو دیکھتی ہے۔ دامن قبا ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے اور خدائی سہارے پر جو بیٹھتی ہے۔

خلیل اللہ روانہ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں ماں بیٹا ان کی طرف ٹکٹکی باندہے دیکھ رہے ہیں۔ یہانتک کہ سواری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ کچھ دیر تک امداد غیبی کے منتظر رہے۔ آخر بیچارہ رحمت نظر دوڑائی۔ دہوپ سے بچنے کے لئے جائے پناہ تلاش کی۔ اس صحرا میں جائے پناہ کہاں۔ دور فاصلہ پر ایک تنہ کھجور دکھلائی دیا۔ اسی کو غنیمت سمجھا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اسی رُخ چلنے کے لئے کھڑے ہوگئے حضرت ہاجرہ نے پانی کا مشکیزہ دوش پر لیا بچے کا ہاتھ پکڑا اور روانہ ہوئیں۔ ریت کا سفر۔ راہ بیراہ۔ پیادہ پا ایک نازنین کا پالا جسکا پہلا سفر ہو صغیر السن ہو کیونکر چلے۔ دہوپ چڑہتی آتی ہے ریت گرم ہو رہی تھی۔ منزل مقصود دور۔ آخر میدان میں شرارے چمکنے لگے مسافروں کو پیاس نے گھیرا مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا۔ ادہر سورج کی تپش زمین کی حدت۔ اور سب پر بڑہکر گرم ہوا کے جھونکے ان بیکسوں کی مصیبت بڑہا رہے تھے بچہ پیاس سے بلبلا اٹھا۔ چلنا دشوار ہوا۔ بہزار دقت کچھ فاصلہ طے کیا۔ طاقت نے جواب دیا۔ اور زمین گرم پر گر پڑے۔ عرب کی دہوپ مشہور ہے۔ ماں مصیبت کی ماری کیا کرے کہاں سے پانی لائے۔ آخر بچے کو گود میں اُٹھایا اور روانہ ہوئی۔

بچہ پیاس کی شدت سے بیتاب ہے دہوپ کا سفر ہے ماں کی گود میں سہی۔ لیکن بیرونی اثرات اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتے

دونوں وہاں منزل مقصود پر پہونچی چادر سر سے اُتار اوس تنہ کھجور پر ڈالی سایہ کیا بچے کو جو اسوقت بیہوش ہوگیا تھا لٹایا خود پانی کی تلاش میں ہر سو نظر دوڑائی۔ ریگستان میں دوپہر کیوقت سخت دہوکا ہوتا ہے۔ ریت کے ذرے اس طرح چمکتے ہیں کہ پانی بہتا ہوا معلوم ہوتا ہے جسکو سراب کہتے ہیں یہی نظارہ حضرت ہاجرہ کے پیش نظر تھا مشکیزہ سنبھالا سراب کا رُخ کیا۔ دوڑتے دوڑتے تھک گئی لیکن پانی کا پتہ نہ چلا۔ پہاڑی کے دامن میں پہونچی تو ریت کے سوا اور کیا رکھا تھا۔ اوپر چڑہی بچے کیطرف نظر دوڑائی اسکو تنہا اور بیقرار دیکھکر ماں کی مامتا پھر واپس دوڑ پڑی۔ بچے کے پاس پہنچی پیاس سے حالت غیر دیکھی۔ پھر نظر اٹھائی۔ دوسری طرف پانی کا دریا بہتا ہوا نظر آیا۔ پھر دوڑی۔ یہانتک کہ اس طرف کا ٹیلہ نظر آیا۔ پانی کا دریا غائب ہوگیا۔ آخر واپس ہوئی۔ اس دہوپ کی دوڑ دہوپ نے خستہ کر دیا تھا۔ بچے کی زندگی سے مایوسی تھی۔ واپس آکر اسکو جاں بلب پایا۔ امداد طلب کرنے کے لئے قریب کے ٹیلے پر چڑہی۔ استغاثہ بلند کیا۔ کوئی ہو تو جواب دے آخر اسی بیکسی و بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور دل سے اُس قادر مطلق کیطرف متوجہ ہوئی جو کارساز عالم ہے۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی وہ میدان بے آب و گیاہ آباد کرنا منظور تھا ہوائے رحمت چلی۔ بچہ کو ماں نے جانکنی کے عالم میں، ایڑیاں رگڑتے دیکھا تھا۔ ماں کا کلیجہ تھا۔ نازنین رو رہی تھی۔ قسمت دونوں کے

سرہانے کھڑی ہنستی تھی۔ اور زبان حال سے گویا تھی۔ جلدی نہ کرو۔ ابھی یہ بن گلزار ہوا جاتا ہی

بچے کے ایڑیاں رگڑنے سے ریت ہٹی۔ پانی کا چشمہ رواں ہوا۔ اس صغیر کو اس عالم بیہوشی میں خنکی محسوس ہوئی۔ کرب و بیقراری کم ہوئی۔ ماں نے اس طرف دیکھا بچے کو ساکن پایا سمجھی چل بسا۔ چلا کر روئی۔ یہاں تک کہ ہاتف غیبی نے صدا دی اور سبب گریہ دریافت کیا۔ بیچاری نے اپنا قصہ دہرایا۔ پوچھنے والے نے پوچھا آخر ابراہیمؑ نے تمہیں کس کے حوالے کیا تھا بولی: "خدا کے"۔ ہاتف نے کہا اے ہاجرہ پھر تجھے کیا غم۔ جا اپنے بیٹے کو دیکھ وہ زندہ ہی۔ پانی تو اس کے قدموں میں موجود ہے تو بیفائدہ رنج کر رہی ہی۔

نظر اٹھائی۔ بیٹے کے پاؤں پانی میں تر نظر آئے اسکو کروٹ لئے ہوئے پایا خدا کا شکر کیا۔ قریب آئی بیٹے کو اٹھایا ہاتھ منہ دھلایا۔ پانی پلایا۔ مشکیزہ پانی سے بھرا۔ اور چشمہ کے گرد ریت اکٹھی کر کے اونچے کنارے بنائے۔ پانی کیا نکلا کھجور کا تنہ بھی سرسبز ہو گیا۔ خوشے نکل آئے اور رسیدہ ہو گئے۔ دونوں نے خوب سیر ہو کر کھائے۔ شکر منعم ادا کیا جس نے اس مصیبت سے رہائی دی۔

ادھر ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو کر دوپہر کیوقت ایک چاہ کے قریب پہونچے۔ دھوپ اور پیاس سے امن کا مقام دیکھا اتر پڑے۔ پانی پیا سستائے۔ اُن دو صحرا نوردوں کا خیال دل میں لائے جو اسی دھوپ کیوقت صحرائے لق و دق میں تھے جہاں نہ پانی تھا نہ سایہ۔ خیال آتے ہی دل بھر آیا اپنے خالق کیطرف رجوع کر کے عرض پیرا ہوئے۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیہم وارزقہم من الثمرات ط انک انت السمیع الدعا ع۔ خدایا میں نے تیرے خانہ محترم کے نزدیک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی ذریت کو مقیم تو کیا ہی۔ لیکن تو میرے دل کے حال سے واقف ہی تو ہی ان کا کفیل ہی اچھی لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور اُن کو میوہ جات (پھل) کھلا دیا ان کو دودھوں نہلا۔ فارغ البال بنا اور صاحب اولاد کر، تو ہی دعاؤں کا بہتر سننے والا ہی۔ دعائے خلیل بھی مستجاب ہوئی۔ شام سے پہلے پہلے قافلہ تجار اسمٰعیل و ہاجرہ کی تنہائی کا مونس اور موجودہ شہر مکہ کی آبادی کا سنگ بنیاد قرار پایا۔ [illegible] تک اس واقعہ کو ۴۰۴۸ برس ہوئے۔

دعائے خلیل بے اثر نہیں ہو سکتی جسوقت بھی دعا کی مستجاب ہوئی۔ جو مانگا ملا اور اس سے بھی زیادہ ملا۔

اسمٰعیل علیہ السلام دس سال کے سن میں باپ سے جدا ہوئے اور خدمت الٰہی کے لئے وقف ہو گئے بیت اللہ کے مجاور اور معلم امت قرار پائے۔ کم سنی حارج نبوت نہ ہوئی۔ تو امامت میں یا ایمان میں کیوں حارج ہونے لگی۔ اگر نبی طفلی میں فرائض منصبی ادا کر سکتا ہی اور اس کی تعلیم قابل تعمیل ہی۔ تو خلیفہ رسول و شاہد نبوت بھی مقرر ہو سکتا ہے۔ اور بڑے بوڑھوں پر اس کی حکم کی تعمیل فرض عین ہو گی۔ اُس کی خورد سالی حکومت کی منافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بزرگی بعقل است نہ بسال و فضیلت بعلم ست نہ بمال و تقدم بعمل ست نہ بقال۔ بڑا وہی ہی جو عقلمند ہوتا ہی۔ طول عمر پر بڑائی منحصر نہیں عالم دولتمند سے افضل ہی۔ امامت یا پیش قدمی اعمال پر منحصر ہی۔ باتیں بنانے سے لیڈر نہیں بنتے بلکہ عملی تعلیم دینے کر

خود کر کے دکھلانے سے امامت ملتی ہے۔ جان چُرانے سے درجات عالیہ حاصل نہیں ہوتے بلکہ حکم الٰہی کے مطابق اپنی جان نذر کرنے سے
حضرت خلیل اللہ کو بیٹے کی جدائی اور بیٹے کو باپ سے علیحدہ ہونا بھولا بھی نہ ہوگا کہ قربانی پسر کے لئے تحریک شروع
ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام خواب میں دیکھتے ہیں۔ اسمٰعیلؑ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہوں اس کے خون سے تمام زمین گلرنگ ہو رہی
ہے۔ پہلے دن تو کچھ خیال نہ کیا۔ دوسری شب پھر یہی دیکھا۔ تو دن بھر پریشانی اور فکر دامنگیر رہا۔ تیسری شب یہی کیفیت
پھر دیکھی یقین ہو گیا۔ خداوند عالم اسمٰعیلؑ کی قربانی کا حکم دیتا ہے۔ صبح ہوتی اُٹھے سوار ہو بیت اللہ پہنچے۔ عید اضحیٰ بیٹے
کیساتھ منائی۔ دوسرے روز بیوی سے لیکر بیٹے کو لباس فاخرہ میں ملبوس کرایا۔ دوست کے گھر دعوت کے لئے روانہ
ہوئے۔ بیٹا ساتھ ہے۔ چودہ پندرہ سال کا سن ہے۔ بچہ نہیں ہے۔ اثنائے راہ میں اس سے ذکر آتا ہے یا بنیّ انی اریٰ فی
المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔ اے میرے پارۂ جگر میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اے
قرۃ العین تو بتلا تیری کیا رائے ہے۔

باپ نے کس دل سے یہ سوال پیش کیا ہوگا۔ اور اسوقت آپ کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی؟

لیکن اگر باپ حکم خدا کا تابع ہے تو بیٹا بھی اسمٰعیلؑ ہے۔ نہیں ہرگز نہیں کہ دو دو ہاتھ ہوتے ہوتے دم نکلتے ہوں چھری
کے نیچے گردن رکھنا صاحب ایمان کا کام ہے۔ ایرے غیرے اس میدان میں نہیں جم سکتے۔

باپ کا ارشاد۔ پدر کا سوال۔ اور پھر پدر بھی وہ جو رسول اللہ ہے خلیل اللہ ہے۔ فوراً عرض کی یا ابت افعل ما تؤمر
ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ ابا جان جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے تعمیل کیجئے سر مو فرق نہ ہونے پائے۔
انشاء اللہ آپ مجھے صابرین سے پائیں گے۔

کیوں نہ ہو۔ یہ شرف اسی خاندان نبوت کو ہے۔ باپ تعمیل حکم الٰہی میں اپنے ہاتھ سے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کے
لئے تیار ہے۔ اور بیٹا راہ خدا میں ذبح ہونے کو ہمہ تن موجود۔ زندگی اور موت میں ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ آج موت نہ آئی
کل آئی۔ پھر راہ خدا میں مرنے سے بہتر اور کون سی موت ہوگی۔ آج بھاگ کر جان بچائی کل کو عورتوں کی طرح بستر پر جان
دی۔ کیا نفع ہوا بقولے مفت بدنام ہوئے لوگ ہنسائی ٹھہری۔

ہاں یہ موت کی کسوٹی ہی ایسی زبردست ہے جس پر ایمان کی پرکھ ہوتی ہے دل کی جانچ کیجاتی ہے۔ بڑا سخت امتحان ہے
بڑے بڑے کڑیل جوان اس امتحان میں بزدلوں کی طرح اچھلتے اور بھاگتے نظر آتے ہیں یا ایسے دم بخود ہو جاتے ہیں۔
کہ گویا ان کی اماں جان اس جہان سے تشریف لے گئیں۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

ایمان والوں سے اس گھڑی کی خوشی پوچھے جبکہ وہ عروس مرگ سے ہمکنار ہونے کی خوشی میں مستانہ وار قدم
اٹھاتے ہوں۔ بیچارے جھگڑے کیا جانیں خدا کیا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل میں مزا کیسا ہے؟

ہم اس ذکر کو چھوڑتے ہیں کہ باپ نے اپنے اکلوتے پسر کے گلے پر چھری پھرائی اور یہ دیکھتے ہیں کہ اس حکم کی غایت کیا تھی
کیوں باپ کے ہاتھ سے بیٹے کے گلے پر چھری رکھوائی۔ اگر قربانی ہی منظور تھی تو پھر گلا کیوں نہ کٹنے دیا؟

(۱) یہ مذکور ہو چکا کہ باپ بیٹا دونوں ہی نبی تھے۔ نبی خادم الٰہی ہوتا ہے اور براہ راست خدا سے توسل رکھتا ہے

دوسرے نبی کا ماتحت نہیں ہوتا۔ اگر ماتحت ہو تو وہ وصی نبی ہوگا۔

نبی کے فرائض میں ہے کہ ہر وقت اپنے مالک کی خدمت انجام دے۔ اور بیٹے پر فرض ہے کہ باپ کی خدمت کرے پیری میں اسکا سہارا ہو۔ انسان سے ایک وقت میں دو فریضہ ادا نہیں ہو سکتے۔ لہذا باپ کے ہاتھ سے بیٹے کو ذبح کرا دینا ان تمام تعلقات کو منقطع کر دینا ہے جو جسمانی لحاظ سے باپ بیٹے کے درمیان ہوتے ہیں اگر ذبح واقع ہو جاتا تو ابراہیم علیہ السلام بیٹے سے خدمت نہیں لے سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے اپنے تعلقات منافع اور توقعات اپنے ہاتھ سے قطع کر دیئے اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام نے بھی اپنے کل تعلقات وغیرہ دنیاوی چھری سے قطع کرا دیئے۔ لہذا نہ باپ بیٹے سے خدمت طلب کر سکتا ہے۔ نہ بیٹا باپ سے جلب منافع کی توقع رکھتا ہے۔

(۲) نذر شدہ شے یا قربانی نذر کنندہ کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور اس کی ملکیت قرار پاتی ہے جس کے حضور نذر پیش کی جاتی ہے۔ اندریں صورت اسمٰعیلؑ ملکیت خلیلؑ سے نکل گئے۔ اور خدا کی ملک قرار پائے لہذا نہ باپ کو بیٹے سے کوئی شکایت ہو سکتی ہے نہ بیٹے کو باپ سے۔

(۳) امانت الٰہی کو وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسکو اپنی جان کی پرواہ نہ ہو۔ اسی کو خداوند عالم نے حامل امانت الٰہی کی کسوٹی مقرر کیا ہے یا ایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للّٰہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین (اے رسول تو کہہ، اے لوگو جو ہدایت یافتہ (یہودی) کہلاتے ہو۔ اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ تم دوسرے لوگوں کی نسبت اللہ کے زیادہ دوست (محب یا اولیاء) ہو تو تم مرنے کی خواہش کرو۔ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ولا یتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیھم واللّٰہ علیم بالظلمین لیکن وہ ان افعال کی بنا پر جو وہ کر چکے آرزوئے مرگ کبھی نہ کریں گے۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

بنا بریں خداوند عالم نے ایک قاعدہ مقرر فرما دیا جس سے اولیاء اللہ شناخت ہو سکتے ہیں پس جو کوئی بھی اس قاعدے پر پورا اترے وہی ولی خدا ہے۔ اور ہدایت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر خداوند عالم نے خلیلؑ و ذبیح علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو حقیقی اولیاء اللہ اور نقلی اولیاء اللہ میں سرسری نظر سے دیکھتے ہی فرق معلوم ہو جائے۔

خلیل اللہ نے بخوشی خاطر آگ میں جلنا منظور کیا لیکن ایک گمراہ کی اطاعت منظور نہ کی۔ حکم ملتے ہی بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بلکہ چھری اس کی گردن پر پھرائی۔ حالانکہ اولاد ایسی شے ہے جسکے لئے انسان تو انسان حیوان بھی اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور حتی الوسع آنچ نہیں آنے دیتے۔ پس خلیلؑ اللہ جیسے اولیاء اللہ میں شمار ہوں گے۔

اسمٰعیلؑ نے باپ کے خواب کا ذکر سنتے ہی مرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ گویا وہ ہر وقت موت کے متمنی تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جواب دینے سے پہلے کچھ سوچتے۔ لیکن یہاں تو ذکر ہی نرالا ہے ادھر سوال ہوتا ہے کہ تمہاری رائے کیا ہے۔ ادھر ساتھ ہی جواب ملتا ہے جس طرح آپ کو حکم ہے عمل میں لائیے میں ذبح ہونے کے لئے تیار ہوں یہ اولیاء اللہ کی شناخت ہے

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالئے۔

(۱) شب ہجرت بستر رسول پر تلواروں کی چھاؤں میں کون آرام کریگا وہی جو موت کا طالب ہو۔ اور کوئی یہ دل گردہ نہیں رکھتا۔ ولی اللہ ہو تو آرزوئے مرگ رکھے۔ غیر ولی اللہ اس مقام پر رو پڑتے ہیں۔ موت کی خیالی صورت آنکھوں میں رعشہ پاؤں میں تشنج زبان پر فریاد ہے آتی ہے۔ ہائے واویلا شروع ہو جاتی ہے۔ آنحضرت کو کہنا پڑتا ہے۔ کہ لاتحزن ان اللہ معنا۔ غم (جزع فزع) نہ کر۔ اللہ ہمارا مددگار ہے وہ ہمارے ساتھ ہے۔

ولی اللہ ہوتے تو موت سے ڈرنا کیسا۔ اس کی آرزو ہوتی۔ اس کی خیالی صورت ہلال عید ہو جاتی۔

(۲) جہادوں پر نظر ڈالئے صرف وہی لوگ جو عروس مرگ کے متمنی ہیں مرتے مارتے نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج صرف یہی لوگ ہیں باقی تو محض دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ اولیاء اللہ ہوتے تو دشمنوں میں گھستے مرتے یا مارتے۔ جان کا خوف ہی نہ ہوتا

عمرو بن عبدود کی پکار ہے۔ سوائے ایک شخص کے دوسرا کوئی بھی آرزوئے مرگ نہیں رکھتا۔ ولی اللہ ہوتے تو آرزوئے مرگ سینہ میں لئے ہوئے مقابلہ پر نکل کھڑے ہوتے۔ تمنائے موت کرتے۔ موت سے بھاگنا با بانگ بلند کہہ رہا ہے کہ ان کو اپنی کیفیت اپنے احوال معلوم ہیں اس برتے پر ابد تک موت کی آرزو نہیں کر سکتے کیونکہ ظلم کی مہر ان پر ثبت ہے۔

(۳) اولیاء اللہ کا قاعدہ ہے کہ ادھر رائے پوچھی (حکم کی ضرورت نہیں) اُدھر لبیک کی صدا بلند ہو جاتی ہے ورنہ بادشاہ جابر کی فوج کے سپاہی بھی حکم ہوتے ہی جان دینے پر تل جاتے ہیں پھر دونوں میں فرق کیا ہو سکتا ہے خلیل اللہ صرف رائے دریافت کرتے ہیں۔ دوسری طرف ولی خدا ہے فوراً مستعدی ظاہر کرتا ہے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان کے طالب نہیں اس کے بہت سے منظر دیکھ لئے۔ صرف کاغذ قلم دوات طلب کرتے ہیں۔ ہدایت نامہ تحریر کرنا چاہتے ہیں (اپنے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے جن پر ان زعمهم انکم اولیاء للہ صادق آتا ہے جو ہر وقت جان بچانے کی فکر میں رہے۔) تاکہ وہ گمراہ نہ ہوں اولیاء اللہ کی شناخت کے لئے کہا تک سہولت پیدا کی۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ جان دینا تو درکنار حکم کی اطاعت نہ کرنیوالے اولیاء اللہ نہیں ہو سکتے بلکہ اس قابل ہیں کہ اس گروہ سے خارج کئے جاویں۔ اور علاً فوموا عنی کا درہ لگا کر سب کو اولیاء اللہ کی جماعت سے باہر نکالدیا۔ ایک جگہ سے نہیں نکالا بلکہ دو جگہ سے۔ صحن مسجد سے نکالا۔ دروازہ بند کر دیئے۔ کیونکہ خدا کے گھر میں اُس کے دوست ہی آمد و رفت رکھ سکتے ہیں۔ بار دوم خانہ نبوت سے نکالا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ خانۂ نبوت اور خانۂ خدا اولیاء اللہ کیلئے ہے غیروں کے لئے نہیں کیونکہ حکم الہی یہی تھا طہرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ پس جن کا طواف واعتکاف ارکوع وسجود محض خدا کے لئے تھا اور کبھی کسی غیر کے لئے نہیں ہوا ان کیلئے بیت اللہ موجود۔ بیت رسالت حاضر۔ ایک زچہ خانہ ہے تو دوسرا استراحت کا مقام

عام مسئلہ ہے ظرف اپنے مظروف سے عالی رتبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ مظروف کی قدر و منزلت کے باعث ظرف کی قدر

ومنزلت بڑھجاتی ہے۔ آدم علیہ السلام کی قدر ومنزلت فرشتوں سے بڑھ گئی۔ کیونکہ وہ اس نورالٰہی کے مظروف تھے جو باعث ایجاد خلق تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کی تعظیم کے لئے اس لئے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ آپ کی نسل میں اسوقت یہی ایک پسر تھا اور وہی مظروف نورالٰہی تھا۔ اسی پسر کو قطع تعلق کرنے کیلئے اسکو درگاہ الٰہی میں نذر کرنا پڑا۔ تاکہ نورالٰہی غیراز ملک الٰہی کسی ایسے کیطرف منسوب نہ ہوسکے جو غیراز ذات باری ہو اور اس نور کے ظرف کو اس کی عزت کے لئے جھکنا پڑے۔

خداوند عالم کی ملکیت دنیا ومافیہا سب ہی کچھ ہے خلیلؑ بھی ملک خدا اور پسر خلیلؑ بھی لیکن خلیل اللہ کے اپنے پسر پر کچھ حقوق تھے جن کی ادائیگی اس پسر پر فرض تھی جب تک ایسے طریق سے دستبرداری نہ ہو جس کے بعد دعویٰ نہ چل سکے یہ حقوق زائل نہیں ہوسکتے تھے۔ جسوقت خلیل اللہ نے اپنا پسر نذر الٰہی کیا اور ذبح کرنے کے لئے چھری گلے پر پھیری تو آنحضرت نے اپنے کل حقوق خوشنودیٔ حق کے حصول کی غرض سے اس چھری سے قطع کر ڈالے۔ یہ حقوق جسمانی تھے جو منقطع ہوگئے کیونکہ جسم اسمٰعیلؑ پر قربانی کا قصد ہوا۔ اور روحانی تعلقات بدستور باقی تھے۔ صرف جسم اسمٰعیل سے ہر ایک قسم کے تعلقات جاتے رہے۔

خلاق عالم نہ کسی چیز کا محتاج ہے نہ اسکو ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بادشاہ اپنی رعایا سے کسی نذرانے یا پیشکش کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ان کے ہدیئے ان کی خلوص نیت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں نذرانے کی رقم شاہی خزانے میں داخل نہیں ہوتی بلکہ حاجب دربار کی جیب میں جاتی ہے۔ اسی طرح تمام نذریں جو مقدس مقاموں میں ادا کیجاتی ہیں۔ وہ مجاوروں یا اس مقدس کے کاہنوں کی ملکیت قرار پاتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا اکلوتا پسر (اسمٰعیلؑ) نذر الٰہی ہوکر ملکیت کاہن دربار کبریا ہوگیا۔

اسفار انبیائے سلف (کتاب پیدایش ۱۴ آیہ ۱۸۔۲۰ و خط پولوس بنام عبرانیان ۷ باب) سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل سے ابد تک کاہن دربار کبریا "ملک صدق" یا "ملک صدوق" ہے۔ لہٰذا اسمٰعیلؑ علیہ السلام ملکیت پدر سے نکلکر اس کاہن دربار الٰہی کی ملکیت ہوگئے۔ یہ آیندہ ظاہر ہوگا کہ "ملک صدوق" کون تھا۔ یہاں پر اسی قدر کافی ہے کہ اسمٰعیل کاہن دربار الٰہی کی ملکیت تھے۔ مالک کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنی ملک میں تصرف کرے۔ دوسرے کو اس کی اجازت بغیر تصرف کرنا زیبا نہیں علاوہ ازیں اس ملکیت کی کل پیداوار صاحب ملک کا مال ہوگی لہٰذا کسی غیر کا تصرف جائز نہیں ہوسکتا۔

سورۂ جمعہ کی آیۂ مبارکہ سے ہم دیکھ چکے کہ ظالم اولیاء اللہ نہیں ہوسکتے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ظالم کسکو کہتے ہیں۔ علماء وفلاسفر اور عقلاء نے ظلم کے معنی "وضع الشئ فی غیر محلہ" کسی شی کو اس کے مقام مخصوص سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھنا بتلاتے ہیں۔ لہٰذا ہم اسکو سیدھے سادے الفاظ میں "غیر تحفظ مراتب" سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

آیۂ قرآنی لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین سے معلوم ہوتا ہے کہ "غیر تحفظ مراتب" کچھ بڑا ہی گناہ ہے۔ جس کیوجہ سے خداوند عالم ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ لفظ "ظلم" کلام پاک میں متعدد مقامات میں مذکور ہوا ہے مثلاً

(۱) فمن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ۔ (اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہے جس نے خدا پر جھوٹ بولا یا سچ کو جھٹلایا جبکہ یہ سچ اس پر ظاہر ہوچکا رہا سچ کو جھٹلایا جبکہ وہ اس کے پاس آیا۔)

علی مع الحق والحق مع علی حدیث رسول مسلّم اہل اسلام ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ مجسم حق تھے۔ آیۂ مبحث کے مطابق ولی اللہ

تھے۔ آپ کا خلافت کے متعلق اصحاب رسول سے احتجاج کرنا کتب تواریخ میں مذکور ہے۔ (روضۃ الاحباب تاریخ اعثم وغیرہ)
صحابہ رسول مدعی ہیں بنحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ یعنی پیغمبروں کو نہ میراث ملتی ہے۔ نہ
ان کی میراث کوئی لیتا ہے۔ جو کچھ ان کا ترکہ ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ دختر رسول کا اپنے باپ کی میراث طلب کرنا اور اس
حق مجسم (علیؑ) کا ان کے دعوے کی صداقت پر گواہی دینا دو صورت پیدا کر دیتا ہے۔
(۱) حدیث رسول سچی اور دعوے میراث و شہادت مرتضوی حق تھی۔ صحابہ رسول کی زبردستی تھی کہ باپ کی میراث
بیٹی سے چھین لی اور خود اس پر قابض ہو گئے۔
(ب) رسول اللہ معاذ اللہ کاذب تھے کہ ایک ایسے شخص کی نسبت جو آئندہ جھوٹ بولنے والا تھا حق مجسم کہہ گئے
اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ساتھ ہی یہ دعا بھی کر گئے۔ اللھم ادر الحق حیثما دار۔ خدایا جس طرف علی پھرے اسی طرف حق کو پھیر۔
اس طرح حضرت رسول مستجاب الدعوات بھی نہ تھے پھر ایسے رسول کو کیا کریں جو کاذب بھی ہو اور ظالم بھی۔ اور کلام
پاک سے جاہل بھی۔ حدیث میراث کو اب کہاں لیجائیں۔ سچی مانیں تو اسلام گیا جھوٹی ٹھہرائیں تو بھائی ناراض۔
بھائی ناراض ہوں یا خوش ہم تو رسول کو سچا سمجھتے ہیں اور اس حدیث میراث کو وضعی کہتے ہیں۔ ورنہ رسولؐ کو
جھوٹا کہکر خدا سے دشمنی خریدنی پڑتی ہے جو رسول کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اور اس کے قول کو اپنا قول بتلاتا ہے۔ اس کے علاوہ
جو خدا پر افترا کرے وہ ظالم ہے۔
(۲) سورہ لقمن میں اذ قال لقمن لابنہ وھو یعظہ یابنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم (اس وقت
کو یاد کر جبکہ لقمن نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے لاڈلے اللہ کیساتھ کسیکو شریک کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم
ہے۔) لہذا شرک بہت بڑا ظالم قرار پایا۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔ اجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ط
رب انھن اضللن کثیرا من الناس۔ "خدایا مجھے اور میرے نور نظر کو بتوں کی پرستش سے بچا۔ کیونکہ ان بتوں نے تو ایک
دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے۔"
پیشتر مذکور ہو چکا کہ اولیاء اللہ کا درجہ ظالم کو نہیں ملتا۔ اور ظالم یہاں پر مشرک مفتری وغاصب ظاہر ہوا۔ لہذا
وہ شخص جو مشرک ہو غاصب ہو مفتری ہو ولی اللہ نہیں ہو سکتا یہی مراد آیۃ لا ینال عھدی الظلمین سے ہے عہد الٰہی (ولایت)
ظالموں کو نہیں مل سکتی۔ یہاں امامت کو عہد الٰہی کہا گیا جب امامت ظالمین کو نہیں ملسکتی تو ولایت مطلقہ تو بالاولیٰ نہیں ملسکتی
اگر ظالم کو ولایت و امامت (حکومت روحانی) عہد الٰہی مل سکتا ہو تو وعدۂ الٰہی غلط اور دعائے خلیل مسترد۔ (معاذ اللہ
من ذلک) ہوتی ہے۔ ورنہ ظالم دعوت خلیل سے خارج ہے جیسا کہ پسر نوحؑ خارج ہوا۔
آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ عہد الٰہی کے حصول کے لئے عصمت کی ضرورت ہے۔ ظلم صغیر ہو یا کبیرہ گناہ ضرور ہے اور گنہگار
معصوم نہیں کہلا سکتا۔
لیکن یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ تائب ہو کر جو شخص گناہ سے مجتنب ہے وہ ظالم نہیں کہلا سکتا۔ لہذا وہ ولایت سے کیوں خارج ہوگا
بیشک ہے کہ غلاظت دھونے سے زائل ہو جاتی ہے لیکن غلاظت کا رنگ زائل کرنے کے لئے آگ کی ضرورت ہے جو بغیر گوشت

دپوست میں سرایت کر چکی ہو وہ زبانی اقرار سے کیسے صاف ہو سکتی ہے سونے کا کھوٹ آگ پر پانی بنا کر نکلتا ہے۔ دھونے سے صرف ظاہری میل زائل ہو جاتی ہے رنگ نکھر جاتا ہے۔ کھوٹ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ظالم اپنے ظلم سے باز آ کر تائب کہلائیگا معصوم نہیں ہو سکتا۔ معصوم تو وہی ہے۔ جو ظلم سے قطعاً نا آشنا ہو۔

لہذا ثابت ہوا کہ اولیا ءاللہ وہی ہیں جو معصوم ہیں ہر وقت راہ خدا میں موت کے شائق۔ اگر ایسے اولیاء اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا گیا تو بیڑا پار ہوگا۔ اگر اس کے غیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو گئے گذرے ہوئے کیونکہ جو خود گم ہو وہ دوسروں کا رہبر نہیں ہو سکتا۔

اسمعیل علیہ السلام جو آیہ جمعہ کے مطابق ولی اللہ ثابت ہو چکے۔ پدر کی ملکیت سے خارج ہو کر کاہن و دبار الٰہی یعنی ملک صدق" کی ملکیت قرار پائے۔ ایک ولی اللہ غیر ولی اللہ کی ملکیت نہیں ہو سکتا بلکہ کسی ایسے کی ملکیت ہوگا۔ جو مرتبہ ولایت سے بھی کوئی بلند درجہ رکھتا ہو۔ ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جو ولی مطلق یعنی مختار کار خانہ قدرت ہو جیسا کہ پیشتر آیہ و انی ہدایۃ ان اللہ اشتریٰ من المومنین کے تحت میں اس کا ذکر ہو چکا۔ پس ملک صدق مختار کار خانہ قدرت قرار پایا۔ اس کی ملکیت خدا کی ملکیت اور خدا کے دوست اس کے دوست قرار پائیں گے۔

ملک صدق کا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔ (ناشر)

ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے سے خداوند عالم کو یہ تعلیم دینا منظور تھی کہ خلیلؑ جو بُت شکن تھا بُت پرست نہ تھا (اطاعت حکم الٰہی سے نہ کہ مخالفت سے) رسالت و خلت کے درجات سے ترقی کر کے امامت کے درجہ پر پہونچا۔ اور ارشاد باری ہوا۔ انی جاعلك للناس اماما۔ اے ابراہیم چونکہ تو نے اپنے بیٹے ہاں اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے مجھ سے عزیز نہ رکھا دیکھ میں تجھے بے نہایت بڑھاؤں گا۔ برکتوں پر برکتیں نازل کرونگا۔ زمین کے تمام گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔ دیکھ تیری زوجہ سارہ تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام اسحق رکھیو میں اپنا عہد جو ابدی عہد ہے اسکے ساتھ باندھوں گا۔" (توریت کتاب پیدائش ب۲۲ آیہ ۱۶) یہ وہ برکت ہے جس سے خلیل اللہ سب مخلوق الٰہی کے امام و پیشوا کہلائے۔ کوئی عمل خیر بغیر وساطت آنحضرت مقبول نہیں ہو سکتا۔

خلیل اللہ کو امامت مل گئی۔ دوسرے بیٹے کی بشارت اور اس کیساتھ ابدی معاہدہ کی خوشخبری بھی ملی لیکن جس نازوں کے پالے کی گردن پر چھری رکھی جس نے بطیب خاطر اپنی جان راہ خدا میں نذر کی اس کی نسبت کچھ تذکرہ نہیں دل نے نہ مانا۔ آخر عرض کی۔ و من ذریتی۔ اور میری اس ذریت میں بھی امامت کا درجہ کرامت فرما جس نے تیری خوشنودی کے لئے اپنی جان سے دریغ نہ کیا۔ جواب ملا۔ لا ینال عھدی الظلمین۔ ظالموں کو تو یہ عہدہ ملیگا نہیں جو ظالم نہ ہوں گے ان کو ملجائیگا۔

کتاب پیدائش ب۱۷ آیہ ۱۹۔ ۲۰ میں یہی ذکر منفصل درج ہے جو یہ ہے۔

"اور اسمعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے برومند کروں گا۔ اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے۔"

حوالہ مذکورہ سے آیۃ ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظلمین کی تشریح ہوتی ہے۔ چونکہ سوال امامت کا متعلق تھا اس لئے امامت اولاد اسمٰعیل میں بارہ کی تعداد میں منحصر ہو گئی۔ امام سردار دینی ہوتا ہے۔ ورنہ اولاد اسمٰعیل میں دنیوی سرداروں کی تعداد نا اندازہ شمار ہے۔ سرداری کا بارہ میں حصر کر دینا لغو ہو گا۔ بجز اس صورت کے کہ سرداری سے سردار روحانی مراد ہو جیسا کہ صحیفہ میکاہ ۵ آیۃ ۲ میں یہی لفظ "سردار" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت مستعمل ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کسی دنیاوی سرداری پر ممتاز نہ تھے لہذا سرداری سے مراد سردار روحانی ہے جس کو امام کہتے ہیں۔ یہ آئندہ ظاہر ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نسل اسحٰق علیہ السلام سے بڑے عظیم الشان پیغمبر ہوئے۔ اسی ملک صدق کے طریق کے سردار کاہن مقرر ہوئے۔

حضرت انسان کو کچھ اسی میں لطف آتا ہے کہ اصل واقعات کو چھپائے اور غلط واقعات کو شہرت دے۔ چنانچہ بہت سی قومیں ایسی موجود ہیں جو قربانی اسمٰعیل کی منکر ہیں اور اس کی جگہ قربانی اسحٰق کی معتقد۔ حالانکہ توریت میں اکلوتے بیٹے کی قربانی مذکور ہے۔ لیکن وہ یہی کہتے چلے جاتے ہیں کہ قربانی اسحٰق علیہ السلام کی ہوئی جو توریت کے مطابق اسمٰعیل سے چودہ سال بعد پیدا ہوئے کوئی عقلمند تو اسحٰق علیہ السلام کو اکلوتا پسر کہہ نہیں سکتا۔ ہٹ دھرمی کا علاج نہیں۔

دراصل دنیا میں کوئی ایسا اہم واقعہ یا مسئلہ نہیں ہے جس کے سب ہی قائل ہو گئے ہوں۔ تجربہ تو یہی کہتا ہے کہ دس موافق ہوں تو نو منکر ہوتے ہیں۔ طوفان نوح ہی کو دیکھئے کس قدر افراد انسانی اس کے منکر نظر آتے ہیں۔ کیسے کیسے زبردست دلائل فلسفیہ اس کی تردید میں پیش کرتے ہیں لیکن اصل واقعہ پر اس انکار سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مرزا حیرت نے واقعہ کربلا سے انکار کیا۔ یہ تو واقعات دنیاوی ہیں ایسے انسان بھی موجود ہیں جو خدا کے وجود سے منکر ہیں بڑے بڑے دلائل پیش کرتے ہیں ان کے انکار سے وجود الٰہی مفقود نہیں ہوتا۔ فی الحقیقت مخالفت ہی شہرت اور بقائے دوام کا راز ہے۔ خوب کہئے اگر شیطان علیہ اللعن آدم علیہ السلام کا مخالف نہ ہوتا تو اس خاکی پتلے کا شرف کیسے ظاہر ہوتا عاجزی کے جوہر پنہاں رہتے بلکہ اب تک یہ واقعہ نسیاً منسیاً ہو گیا ہوتا۔

اسی طرح قربانی اسمٰعیل کے احیا کا باعث یہ مخالفت ہی ہے۔ یہ مانا کہ نذر الٰہی ہو کر خلیل نے اپنے حقوق سے اسکو آزاد کر دیا لیکن ابنیت خلیل سے تو خارج نہیں ہوا۔ دنیاوی منافع طرفین ساقط ہو گیا اور بس۔

خود بنی اسرائیل میں یہی مثال موجود ہے۔ بنی لاوی خدمت الٰہی کے لئے وقف ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ترکہ دنیاوی سے محروم رہے کیا وہ نسل اسرائیل سے خارج سمجھے جاتے ہیں اگر نہیں سمجھے جاتے تو اسمٰعیل کس قصور کی پاداش میں خارج ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس خیال کی تردید کی کہ سیاد رسول موعود داؤد کی نسل سے ہو گا۔ (اس زمانے میں بنی اسرائیل کا عقیدہ تھا کہ سیاد اسحٰق کی اولاد میں داؤد کے گھرانے سے ہو گا) لیکن ہٹ دھرمی اور ضد کا کیا علاج۔ انجیل لوقا ۲۰۔ ۴۱۔ ۴۴ میں یہ مکالمہ مسیح اس طرح درج ہے۔ پھر اس نے ان سے کہا مسیح کو کس طرح داؤد کا بیٹا کہتے ہیں۔ داؤد تو زبور ۱۱۰ میں آپ کہتا ہے کہ "خداوند نے میرے خداوند سے کہا میری دہنی طرف بیٹھ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں تلے کی چوکی نہ کر دوں" پس داؤد تو اسکو خداوند کہتا ہے۔ پھر وہ اس کا بیٹا کیونکر ٹھہرا؟"

حضرت عیسیٰ اپنی والدہ ماجدہ کے ذریعہ سے داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت (داؤد) اپنے بیٹے کو خدا کس طرح کہتے۔ کیا مسیح علیہ السلام نسل داؤد علیہ السلام سے انکاری ہو کر ان پیشنگوئیوں کے مصداق ہو سکتے ہیں جو ان کی نسبت اسفار میں موجود ہیں۔ اس طرح وہ مکذب نبوت قرار پائیں گے ہے (معاذ اللہ منہا) ورنہ آنحضرت کا بیان قطعاً رسول موعود کو غیر از بنی اسرائیل ثابت کرتا ہے۔ اس کی تصدیق ایک دوسرے مقولہ سے بھی ہوتی ہے جو انجیل متی باب ۲۱ آیۃ ۴۳ میں اس طرح مذکور ہے۔

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لیجائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیجائیگی" نبوت کا ثمر امامت ہے کیونکہ نبوت بادشاہی ہے اور امامت سرداری۔ وعدۂ الٰہی کے بموجب سرداری بنی اسمٰعیل میں حصر ہوئی لہٰذا نبوت بھی اسی قوم میں آگئی تاکہ سردار بغیر بادشاہ کے نہ رہیں لہٰذا اس نور الٰہی کو جو باعث ایجاد خلق تھا۔ خلاق عالم نے دو ٹکڑے کیا۔ نصف حصہ رسالت پر اور بقیہ نصف امامت پر قایم ہوا۔ اسی کو جناب ختم مرتبت نے انا و علی من نور واحد سے ظاہر فرمایا۔ اول نصف کل بنی آدم سے افضل ہو تو دوسرا نصف کیوں افضل نہ ہوگا۔ مفضول کو افضل سے اعلیٰ سمجھنا حضرت انسان ہی کا کام ہے۔ ورنہ الٰہی قاعدہ یا قانون قدرت تو ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر میں موجود ہے۔ اندھا آنکھوں والے کے برابر نہیں ہوتا اسی طرح بے بصیرت صاحب بصیرت کی برابری نہیں کر سکتا۔ بے بصیرتی بتوں (اصنام و اوثان) کے سامنے سجدے کرنے سے ظاہر ہے۔ اور بصیرت کلمہ "کرم اللہ وجہہ" سے ثابت۔

قربانی اسمٰعیلؑ کی غایت پر جسقدر غور کیا جائے اس کے اثبات کے نئے نئے پہلو نکلتے چلے آتے ہیں۔ ان وجوہات میں ایک یہ بھی ہے جو کتاب "پیدایش" کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور آپ کے دوسرے بھائی بھتیجے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسی عمر میں عطا ہوئے جبکہ بڑھاپے کے باعث آپکو اس امر کی توقع ہی نہ ہو سکتی تھی۔ پیری وصد عیب مشہور ہے۔ بس جو کچھ آپ کو علاوہ نعمت غیر مترقبہ اور مال غنیمت تھا جس کی کوئی امید حصول نہ تھی۔

توریت (کتاب پیدایش) اور انجیل (خط پولوس بنام عبرانیان) میں ذکر ہوا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کل مال غنیمت کی "دہ یکے" ملک صدق کو دی (جو دربار کبریا کا ازلی کاہن تھا) اس نے آنحضرت کے لئے دعا کی برکت دی۔ یہ بھی مذکور ہے کہ۔ خضر الاعمار شاہ عراق کی مال غنیمت سے آنحضرت نے خود کوئی حصہ نہیں لیا۔ اب سمجھ میں نہیں آتا وہ کونسا مال غنیمت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا جس کی "دہ یکے" آپ کو دینی پڑی بجز اسکے کہ اولاد آپکے پاس نہ تھی۔ کاہن ازلی نے دعا کی اور آپنے نذر مانی کہ دسواں حصہ اولاد کا نذر الٰہی یا کاہن مذکور کا مال ہوگا۔ توقع تو تھی ہی نہیں جو کچھ علاوہ کاہن ازلی کے توسل سے ہے اس لئے جب اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو دعا کے مستجاب ہونے اور دس بیٹے ہونے کی امید ہو سکتی تھی۔ وعدے کے مطابق پہلوٹھا مال کاہن مذکور تھا

اب اس خواب ابراہیم علیہ السلام پر غور کریں تو یہی معاملہ نظر آتا ہے۔ آپ کو وعدہ یاد دلایا جاتا ہے کہ یہ پہلوٹھا کاہن کی ملکیت ہے تم اسکو ذبح شدہ قربانی کے حیوان کیطرح دربار کے حوالہ کردو۔ اس لئے آنحضرت نے ذبیحہ کے طور پر بیٹے کو پیش کرکے ایفائے نذر کی۔ شجرہ اولاد آنحضرت پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کی ازواج نے اپنی حیات میں

پندرہ بچوں کی پرورش کی۔ پندرہ کا دسواں حصہ ڈیڑھ سال کا ابن مذکور قرار پایگا۔
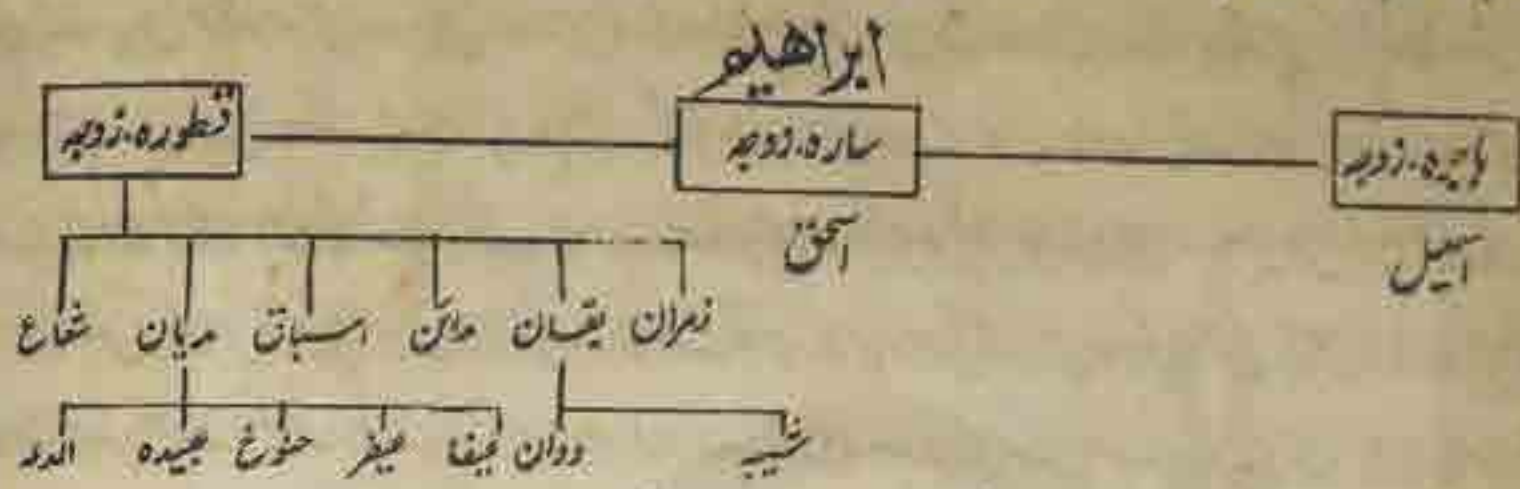
بیٹے اولاد ہیں جو آپ کی حیات میں آپ کی ازواج نے پرورش کی

"دو بیٹے اسکے مطابق اسمعیل پہلوٹھے بیٹے ملکیت کا ابن ہو گئے۔ دوسرا بڑا بیٹا بھی نصف ملکیت کا ابن۔ اس لئے ایک طرف خدمت پدر اور دوسری جانب خدمت کا ابن دربار الہی اس کے ذمہ قرار پائیں۔ تاکہ حیات پدر میں اس کی خدمت اور اس کے بعد اس عہد کے مطابق جو اس کے ساتھ ہوا۔ وہ آمد ملک صدق کا اعلان کرتا رہے۔ اس کی اولاد بھی اسی اعلان کو دہراتی رہے۔ یہانتک کہ ان کا آخری اعلان کرنیوالا اس کا ابن دربار کبریا کے طریقہ کا معلم اور اس کا تابع قرار پائے۔ اس وعدے کا وجود اسفار میں موجود ہے جو متواتر آمد ملک صدق کا اعلان کرتے رہے۔ اور آخری حقن یا مشتری کی نسبت ارشاد کر گئے" تو ملک صدق کے طریقہ کا ابد تک کا ابن ہے" (زبور ۱۱۰ وخط پولوس بنام عبرانیان)

یہی غایت قربانی اسمعیل اور اس کے گلے پر چھری نہ پھرنے کی۔ کیونکہ راز نجات عالم نے اس کی نسل میں پیدا ہونا تھا وہ مظروف نور الہی تھا۔ اس مکان کا انہدام خلاف مصلحت تھا جسکا مکین اندر موجود تھا۔ ان ھذا لھو البلٰؤ المبین وترکنا علیہ فی الاخرین۔ یہ بڑی سخت آزمایش تھی اس کی ابتدا تو یہاں ہوئی تکمیل زمانہ آخر پر چھوڑ دی گئی۔ تاکہ اصلی اور نقلی اولیاء اللہ میں جو زمانہ آخر میں پیدا ہوں گے تمیز ہو جائے۔ طالب ہدایت ادنیٰ فکر سے منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

بعد از اسمعیل علیہ السلام سلسلہ نیابت ان کے بھائی اسحق علیہ السلام کو ملا۔ مجاوری بیت اللہ و تعلیم فرائض حج کا کام قیدار کے سپرد ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام حیات پدر میں نبوت پر فائز ہو گئے ان کی حیات میں ہی یوسف علیہ السلام نبی ہو گئے باپ سے انکو بھی علیحدہ ہونا پڑا حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد تقریباً تین سو سال تک سلسلہ نبوت اس خاندان میں بند رہا۔ اسحق علیہ السلام کی وفات پر ان کا بڑا پسر عیسو (ادوم) نبی ہوئے۔ اور الیسع سے یہ سلسلہ الیسع کو ملا کچھ انبیاء ان کی اولاد میں وصایت کے طور پر رہیں جو آخری وصی (شعیب علیہ السلام) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین میں سپرد کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت الیسع سے اکتالیس سال چھوٹے تھے جیسا کہ آیندہ تاریخوں سے ظاہر ہوگا۔ الیسع کے بعد اولاد اسمعیل علیہ السلام میں سلسلہ حامل الوصایا شروع ہوا نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل میں جاری ہوا۔ لہذا تاریخ میں آیندہ یہی سلسلہ آئیگا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نبوت پر فائز ہو کر اپنے پدر سے علیحدہ ہوئے اور اپنے ماموں کے پاس چلے گئے اسی جگہ اپنے ماموں کی دو لڑکیوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا۔ لیہ پہلے نکاح میں آئیں۔ اور راحیل بعد میں۔

نکاح لیہ کے سال عبر بن شالح کا انتقال ہوا۔

ان ھذا لھو البلٰؤ المبین وفدینہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاخرین

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد زوجہ اول لیہ اور اس کی لونڈی سے آٹھ پسر اور راحیل اور اس کی لونڈی سے چار پسر کل بارہ پسر تھے سب بیٹوں میں حضرت یوسف علیہ السلام زیادہ عزیز تھے۔ اس کے بعد بنیامین آپکا چھوٹا بھائی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام سے اسقدر محبت تھی کہ ایک گھڑی کیلئے جدائی گوارا نہ تھی بعض یہ خیال کرتے ہیں راحیل محبوبہ یعقوب علیہ السلام تھی اس لئے اس کی اولاد زیادہ عزیز تھی۔ اغلباً یہ وہ لوگ ہیں جو نبوت سے واقف نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے ان کو معلوم تھا یوسف نبی ہوگا جسوقت حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب آپ سے بیان کیا آپ نے معلوم کر لیا کہ صغر سنی کی نبوت باپ بیٹے میں جدائی ڈالیگی۔ دوسرے بھائی جو عمر میں بڑے ہیں حسد کریں گے اسلئے راز کو پوشیدہ رکھنا چاہا۔ یوسفؑ کو ہر وقت نظروں کے سامنے رکھا۔ مبادا اُن کو خبر ہو جائے اور یوسفؑ کو نقصان پہنچائیں۔ اُن کو باپ کا اس پسر سے زیادہ محبت کرنا پہلے ہی ناگوار تھا۔ یہ خبر بھی رفتہ رفتہ سن پائی۔ آخر خلیفۂ منصوص کے خلاف مشورہ ہوتا ہے۔ تجویز پاس ہو جاتی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی سمجھتے ہیں یوسفؑ پندرہ سالہ ہوگیا ضرور جدائی ہو جائے گی لیکن جو مصائب بیٹے پر پڑنے والے تھے ان کا خیال رنج بخشے گھڑی کرتا تھا۔ بحکم الٰہی سے مجبور ہیں ہر وقت بیٹے کے جمال پر نظر ہے۔ چاہتے ہیں خوب جی بھر کے جمال دیکھ لوں

بحث ورز کر کے دوسرے بیٹے ایکدن آنحضرت سے کہنے لگے آپ نے تو یوسفؑ کو کمزور بنا دیا۔ نہ باہر کی تازہ ہوا اسکو میسر ہوتی ہے جو شگفتگی آئے نہ اوچھلنا کودنا نصیب ہوتا ہے کہ ہاتھ پیر چست وچالاک ہوں۔ یہ تو اس غریب پر بڑا ظلم ہے آپ اسکو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ تازہ ہوا اور میدان کی دوڑ دھوپ سے اس کا دل بہلے گا۔ اسی طرح دلائل سے آنحضرت کو معقول کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آنحضرت راضی نہ ہوتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت یوسفؑ نے بضد ہو کر جانے کے لئے باپ سے منظوری لی۔ آنحضرت کو معلوم تھا کہ اُن کا منصوبہ کیا ہے۔ یہ بھی علم تھا کہ جدائی کی گھڑی آ پہونچی ہے۔ لیکن ان کو متنبہ کرنے کے لئے کہا مجھے خوف ہے۔ مبادا تم اس سے غافل ہو جاؤ۔ اور اسکو بھیڑیا کھا جائے یہی ان کا منصوبہ تھا لیکن پتہ کی بات سنکر کہنے لگے بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہوتے یوسفؑ کو بھیڑیا کھائے۔ آخر یوسفؑ بھائیوں کے ہمراہ روانہ ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی بیٹے کی مفارقت میں روتے ہوئے ان کے عقب میں روانہ ہوتے ہیں۔ آبادی کے باہر دور تک چلے جاتے ہیں بیٹے باپ کو عقب میں آتے دیکھکر ان کو بمنت وسماجت واپس کرتے ہیں آنحضرت نظروں سے اوجھل ہوئے اور اُن کے تیور بدلے۔ اسی یوسفؑ کو جسے اسوقت تک باری باری دوش پر سوار لائے اب زمین پر پٹخ دیا جاتا ہے چاہتے ہیں کہ قتل کردیں۔ لاوی اور یہودا اس فعل سے مانع آئے ہیں جان کے محافظ بنتے ہیں لیکن پٹائی جسقدر ہونی تھی ہوئی۔ پھر شوریٰ قائم ہوا۔ اور یوسف علیہ السلام کے خلاف تدبیر پڑنے لگیں قدرت نے شاید یہ بھی ایک کسوٹی مقرر کردی تھی کہ خلیفہ برحق کے خلاف شوریٰ ہوا کرے تاکہ حقیقی خلیفہ سے ایک دو کا تخلف نہیں بلکہ مجمع کا تخلف ہو اور باوجود اس کے خلیفۂ خدا پر اسکا کوئی اثر نہ ہو وہ اپنے منصب پر قائم رہے اور اجماع والے اپنی مخالفت سے اپنی ہی عاقبت خراب کرلیں۔ مخالفت حضرت یوسف علیہ السلام اور ان مشوروں کا نتیجہ کیا نکلا کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں میں عزیز ہوگئے یا یوسفؑ کیجگہ ان کو نبوت مل گئی وہ تو جسکا حصہ تھا اسی کے پاس رہی۔ البتہ قیامت تک یہ روسیاہی ان بھائیوں کے نامۂ اعمال میں درج رہے گی

اس ذکر میں بھی آیندہ نسلوں کے لئے خداوند عالم نے نصیحت کے دفتر بہر دیئے بتلا دیا کہ خلیفہ برحق کے مخالف اضیار ہی نہیں ہوتے بلکہ اپنے بھی ہو جاتے ہیں قتل کے منصوبے کرتے ہیں گھر سے بے گھر آزادی کی جگہ غلامی کا حلقہ کان میں محبت کے بدلے عداوت عزت کی بجائے ذلت دینے کا مشورہ کرتے ہیں لیکن خلیفۃ اللہ کی حقیقت آخر کار عیاں ہوتی ہے یہ منصوبے باندہنے والے سامنے ہاتھ باندہے معافی مانگتے ہوئے اور اس کی روحانی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک معمولی انسان کا یہ حوصلہ نہیں کہ اسقدر صدمات برداشت کرنے کے بعد اگر اس کے دشمن اس کے قبضہ میں آجائیں۔ لا تثریب علیکم الیوم کہکر ان کے گذشتہ اعمال کو خیال بھی نہ کرے۔ یہ صرف اسی کا حصہ ہے جو خلیفۂ منصوص اور مظہر اوصافِ خالق کل ہو۔

بعینہ اسی قسم کا واقعہ اس امت میں گذرا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان نبوت کرتے ہیں۔ یگانے بیگانے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں قتل کے منصوبے ہوئے گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ آخر زمانہ پلٹا۔ وہی لوگ جو قتل میں کوشاں تھے۔ ہاتھ باندہے سامنے آئے۔ اس آئینۂ جمالِ الٰہی نے رحمت کا سماں دکھلایا۔ حضرت یوسفؑ کیطرح لا تثریب علیکم الیوم کا اعادہ کرکے دکھلا دیا اور حقیقی خلافت الٰہی کی شان ظاہر کردی۔

رسول پر یہ واقعہ گذرا۔ تو وصی رسولؐ و خلیفۂ منصوص کیونکر بچے۔ الولد سر لابیہ بیٹے میں باپ کا اثر ضرور ہوتا ہے اور نائب میں انہی منیب کی جھلک نظر آتی ہے۔

جنگ جمل کے واقعات پر غور کیجئے۔ اور خود ہی انصاف کرلیجئے خلیفہ برحق انہی منیب کی شان عفو ظاہر کرتا ہے۔ یا نہیں۔ جنگ جمل کی ہیروئن اپنے پدر کی سنت کے موافق تہیں یا مخالف۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے آنکھوں سے اپنے پسر کے مصائب نہیں دیکھے محض اپنے علم کی بنا پر ان مصائب نے اسقدر رولایا کہ بصارت جاتی رہی معلوم تہا بیٹے پر کیا حادثہ گذرا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ زندہ ہے پھر ملجائیگا لیکن اس آغوش کے پالے کا عالم تنہائی میں اتنے مصائب اٹھانا ایسا خیال جانفرسا تہا کہ ادہر دل میں خیال آیا ادہر آہ کے ساتھ وا اسفٰی علٰی یوسف وابیضت عینہ من الحزن فھو کظیم۔ ہائے یوسف کا دلخراش کلمہ زبان سے نکلتا۔ اور آنسوؤں کا دریا آنکھوں سے بہتا۔ یہ حالت ہوگئی کہ آنکھیں روتے روتے سفید ہوگئیں اور غم نے گھلا کر نحیف و زار بنا دیا آخر ضبط نہ رہا وصال پسر کے لئے دست تمنا درگاہ قاضی الحاجات میں دراز کئے۔ دعا قبول ہوئی لیکن مصائب نے حضرت یوسفؑ کا چہرہ اسقدر بدلدیا تہا کہ آپکے حقیقی بھائی آپ کو شناخت نہ کرسکے جب تک آنحضرت نے خود اپنا نام نہ بتلایا ان کو معلوم نہ ہوسکا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ تذکرہ بھی تمثیلاً کلام پاک میں مذکور ہے جناب ختمی مرتبت اُن تمام واقعات سے واقف تھے جو امت کے ہاتھ سے ہونیوالے تھے جس روز آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ نے انکا ذکر اپنی دختر سے کیا گھر بھر میں کہرام مچ گیا مجلس عزا قائم ہوئی اس لئے نہیں کہ واقعہ ہوچکا تہا۔ بلکہ ان مصائب کا خیال جو نسل رسول پر وارد ہونے والے تھے دل پر نشتر کا کام کر رہا تہا۔ اس مجلس عزا کا قائم کرنیوالا خداوند عالم تھا جس نے رسول کو واقعات کی اطلاع

وہی۔ ذاکر واقعات خود رسول اللہ تھے۔ سامعین رسول کا گھرانہ۔

کتب مقاتل وسیر میں تحریر ہے کہ جب شور گریہ کم ہوا تو بضعہ رسولؐ نے اس واقعہ کے ہونیکا زمانہ دریافت فرمایا آپ نے ارشاد فرمایا اے فاطمہ یہ واقعہ اسوقت ہوگا جبکہ نہ میں دنیا میں موجود ہوں گا۔ نہ تو ہوگی۔ نہ علیؑ۔ اور نہ حسنؑ۔ پس جب وصال آنحضرت ہوا تو باپ کی مفارقت کا صدمہ ایک طرف گھر کی تباہی کا نقشہ دوسری جانب جناب سیدہ معصومہ کو بیتاب کئے ہوئے تھا۔ باپ کا جنازہ پڑا ہوا تھا۔ اور اصحاب پدر غائب تھے۔ اتنا بھی نہ تھا کہ کوئی دلاسہ دے۔ باپ کا پُرسا دے۔ آخری ٹھکانے لگانے میں ہاتھ بٹائے جس کے دروازے پر کل شام تک جان نثاروں کا مجمع تھا ہوا اور آج باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی میدان صاف نظر آئے اسکے رنج والم کا کیا پوچھنا اسلئے آل مخدومہ کونین نے سمجھ لیا کہ زمانۂ مصائب شروع ہوگیا اولاد کی تباہی کا وہ زمانہ جسکا ذکر پدر بزرگوار نے کیا اب قریب ہے۔ بیقراری بڑھ گئی جب باپ کے دوستوں کو انکے دروازے میں آگ لگاتے دیکھا تو کل ہونیوالے واقعات کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ تاب ضبط گریہ باقی نہ رہی اصحاب رسول کے سلوک نے جناب سیدہ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ صدموں پر صدمے سہنے پڑے۔ پھر رونا بند ہوتا تو کیونکر۔ یعقوب علیہ السلام کی زندگی کا مدار امید وصال پسر تھی لیکن یہاں کون سی امید باقی رکھی تھی جس کا سہارا ہوتا آخر رنج والم نے رشتۂ حیات قطع کر ڈالا۔

یہ تذکرہ بجائے خود خلیفۂ منصوص و خلیفۂ منصوب کا فرق ظاہر کرتا ہوا احباب صادق و یاران بیوفا کا پتہ دیتا ہے بقول سعدیؒ ؎

دوست شمار آنچہ در راحت زند ⁂ لاف یاری و برادر خواندگی

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ⁂ در پریشاں حالی و درماندگی

آل رسولؐ کی پریشانی اور رسولؐ کی درماندگی کا اسوقت سے بڑھکر اور کونسا وقت ہوسکتا ہے۔

اصحاب رسول کے زبانی دعوے عشق رسول و محبت آل رسولؐ کی کسوٹی بلبل شیراز نے اس رباعی میں اس طرح قائم کی ہے کہ بیوقوف سے بیوقوف بھی معاملہ کی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر اسکو حق کی تلاش ہو اور کلام خدا کے رموز سے واقف ہو لیکن اگر معاملہ دگرگوں ہے تو پچھنا کہنا سر پٹ پرنالہ انہی مقام پر ہی رہیگا۔ "خدا سمجھائے، رسول پڑھائے، علم روشنی دے، ایسے سوؤ سوتے ہوئے کا جگانا ممکن لیکن جاگتا ہوا دم سادھے اور سوتا ہوا بنجائے۔ اس کا جگانا مشکل بلکہ ناممکن کیونکہ قرآنی تصدیق موجود ہے۔ افلا یتدبرون القرآن۔ ام علی قلوب اقفالہا۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ یا ان کے دلوں پر (جہالت) کے قفل لگے ہوئے ہیں۔ واقف ہوکر جاہل بنتے ہیں غور و خوض نہیں کرتے یا حیوان مطلق ہیں؟

اسلاف کے کارنامے اخلاف کے لئے سبق ہوتے ہیں۔ ہدایت کے صحیفے ہوتے ہیں عقل کی جلا کرتے ہیں لیکن فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو ان سبقوں پر غور کرے ان سے نصیحت و عبرت حاصل کرنی چاہے۔ جو نہ چاہے اس کے لئے بندر اور انسان میں کوئی فرق نہیں نصیحت آمیز واقعات ازمنہ گذشتہ ہوں یا فرضی مخرب اخلاق قصے بسا وہی ہیں۔

کلام پاک میں کوئی ذکر ایسا نہیں آیا جسکا تعلق اس امت سے نہ ہو۔ ہدایت کامل وہی ہے جس میں ہر ایک قسم کی تعلیم موجود ہو۔ دونوں راستے دکھلائے ہوں۔ دل چاہے سیدھے راستہ پر چلے یا اُلٹے پر۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً۔ زبردستی نہیں۔ یہ تو کرنی بھرنی ہے۔ اُلٹے راستہ چلکر منزل مقصود پر کیونکر پہنچ سکتا ہے بقول سعدیؒ

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت — گمان بیہودہ پخت و خیال باطل بست — یعنی

کانٹے بوئے ببول کے انبہ کہاں سے ہوں

خیر گذشتہ سے پیوستہ۔ دعائے یعقوب علیہ السلام برائے وصال پسر قبول ہوئی۔ بیٹوں کا قافلہ مصر سے چلا پیغام یوسف علیہ السلام ہمراہ ہے۔ پیراہن یوسفؑ اسباب میں محفوظ ہے لیکن نبی کو معلوم ہے کیا واقعہ ہو رہا ہے۔ ملاقات پسر کی خوشخبری نے کمزور اعضا میں سکت پیدا کر دی۔ زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون۔ اے لوگو مجھے تو یوسف کی بو آرہی ہے۔ اگرچہ تم نکر کرتے ہو۔ یوسفؑ کا سانس، یوسفؑ کی خبر، یوسف کا پیغام، یا یوسف کے پسینہ کا رائحہ، کچھ ہی سمجھ لو۔ لیکن در اصل یوسف علیہ السلام کا پیغام مقصود نبی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ آیت سے ظاہر ہے۔ خوشخبری دینے والے یا قاصد نے جسوقت پیراہن یوسفؑ سر اقدس پر ڈالا آنکھیں کھل گئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ انی اعلم من اللہ مالا تعلمون مجھے خدا کی عنایت سے وہ علم حاصل ہے جس سے تم جاہل ہو کیا تم خیال کرتے ہو میں تمہاری نقل سے واقف نہیں کیا تم یہ سمجھے کہ میں یوسف کے حالات سے خبر نہیں رکھتا۔ اور اس لئے انک لفی ضلٰلک القدیم (کہ تم تو اپنی پرانی بات پر قائم ہو) کہتے ہو۔ اب بیٹوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور کہنے لگے ابا جان آپ ہمارے لئے اپنے خدا سے مغفرت طلب کیجئے ہم نے بڑا سخت گناہ کیا کہ خدا کے ممسوح کو ستایا انکی دشمن بنے اور ایذا پہنچائی۔ ہم اس کی حکومت دنیوی و روحانی تسلیم کرتے ہیں۔ وعدہ پدر قال سوف استغفر لکم ربی۔ البتہ اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔ کیونکہ تم نے خلیفۂ منصوص کی اطاعت تسلیم کی اور اپنی خطا کے اقراری ہو۔ تمام رنج و غم کے اسباب اور اقرار فضیلت خلیفۂ منصوص کو ثابت کر رہا ہے۔

یہاں بھی ہمارے لئے سبق موجود ہے کہ اگر کبھی غلطی سے تم خلیفۂ منصوص کے خلاف ہو جاؤ تو تمہیں فوراً توبہ کر کے اس کی اطاعت کا اقرار اور مغفرت کے لئے رسول سے توسل کرنا چاہئے اگر وہ دعائے مغفرت کرے تو گناہ کی معافی ممکن ہے کیونکہ اسی کو حکم ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلٰوتک سکن لھم کہ مال میں سے صدقات وصول کر کے لوگوں کا تزکیہ کرے ان کے لئے دعا کرے۔ دعائے رسول ہی اطمینان قلبی کا باعث ہوگی۔ ویسے زبانی رٹ لگانے سے کچھ نہیں بنتا۔ اسی مطلب کو جناب ختمی مرتبت نے حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ میں بیان فرمایا ہے۔ معرفت رسول حصول مغفرت کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ معرفت امام وقت کی قید ساتھ لگی ہوئی ہے اور واقعی سچ بھی یہی ہے رسول کا زمانہ ختم ہو چکا اس کے کارنامے مشہور ہیں اس کا معجزہ باقی ہے نہیں کیونکہ علم ہو کہ یہ مریدوں کی خوش عقیدت کی پرواز نہیں ہیں۔ اگر اسکا نائب انکو قائم کر کے نہیں دکھا سکتا۔ تو معرفت رسول ناممکن لہذا پہلے امام وقت کی شناخت کی ضرورت ہے۔ نائب کا مطیع منیب کا مطیع

کہلائیگا۔ اگر منیب کی اطاعت کرتے رہیں اور نائب سے بغاوت ہو تو باغی ہی کہلائیں گے فرمانبردار نہیں بن سکتے لیکن امامت کا حصر ایسے بارہ نفوس میں ہو چکا جو معصوم ہیں پس غیر معصوم خود ساختہ امام نائب رسول نہیں ہوگا۔ رسول کا نائب وہی ہو جسکو رسول حسکم خدا سے مقرر کرے اور اس میں اپنے منیب کی جھلک دکھلائی دے مجبور ہو عاجز و درماندہ رسول کا نائب نہیں بنسکتا۔ عالم کی نیابت جاہل نہیں پاتا ظلمت نور کی قائمقام نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی مخالف ہوتی ہے اور اسکو مٹانا چاہتی ہے۔

اذن ملاقات پسر حضرت یعقوب علیہ السلام کو بارگاہ کبریا سے مل چکا تھا آپ مصر کیطرف مع عیال و مال روانہ ہوئے اس زمانے تک شریعت کا دامن بڑا وسیع تھا جب جی میں آیا یاد الٰہی کر لی۔ قدرت نے اس آزادی کو ایک قاعدے کا پابند بنانا چاہا۔ تاکہ ایک وقت مقررہ پر سب دنیا کے علائق سے قطع تعلق کر کے اس کی جانب توجہ کریں۔

انسان فطرتاً اس طرف مائل ہو کر مل جلکر رہے اب تک اس مجموعی ہیئت کا رویہ خلیفۂ منصوص کیخلاف ہی ہوتا رہا۔ ہر ایک فرد اپنی معرفت کے خیال میں مست تھا لیکن معرفت حقیقی اور معرفت شخصی میں بلحاظ مشرقین ہے۔ چنانچہ تعلیم گذشتہ اس بڑھتی ہوئی آبادی کو اس اعلیٰ پیمانے پر لانے سے قاصر تھی جو مقصد ہدایت کہلایا جانے کا مستحق ہو۔ ایک شخص سے یہ ممکن نہ تھا۔ کہ کائنات کی کایا پلٹ دے۔ آخر کہاں تک دائرہ تعلیم وسیع کر سکتا ہو انسان ہی تو ہے محنت سے تھکن لازمی ہے لہذا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک قانون کی ضرورت تھی جو مطلق الشان عبادت کو ایک سانچے میں ڈھالے۔ اور اس عادت قدیم یعنی مخالفت خلیفۂ خدا میں اجماع کرنا اور ایک مقصد میں متفق الرائے ہو کر سعی کرنا) کو دوسرے رنگ میں بدلدے۔ اب بجائے مخالفت کے متابعت اور ناقص تعلیم کے بدلے تعلیم کامل اپنا عمل دخل کر دکھائے تاکہ ایک سطح پر روزانہ چند مرتبہ جمع ہونے سے فیما بین تعارف بھی ہو۔ اور خلیفۂ برحق کی فضیلت کا توازن بھی حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک ایسی تعلیم مضمر تھی جس کے باعث اس طاقت کا نشو و نما کامل ہوتا تھا۔ اگر یہی قوت اطاعت الٰہی میں صرف کی جاتی۔ اور اجتماع کی غایت صرف متابعت خلیفۂ برحق ہوتی تو اس کا ادنیٰ اثر یہ ہوتا کہ اطاعت الٰہی کی طرف تمام افراد انسانی مائل ہو جائیں۔ اور مقصد ہدایت کامل ہو جاتا۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت تھی۔ جو ضروریات زمانی و مکانی کا نباض ہو۔ ایک قوم کی گری ہوئی حالت کو سدھارنے اور اس تعلیم کی روح ان میں پھونکدینے کے لئے ہر وقت مستعد ہو۔ ایک مقررہ قانون کی تعلیم میں ہر وقت لگا رہتا اور ہر دن میں دو تین مرتبہ اسکو عملاً کر کے دکھانا بڑی زبردست عملی تعلیم ہے جسکو تحریک کہا جاتا ہے۔ آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے درمیان سے وہ چیدہ نفوس ایک خط پر آجاتے ہیں جو متابعت حکم الٰہی پر مجتمع ہو کر استحکام ہدایت کے لئے ایک مضبوط قلعہ بنجاتے ہیں۔ ان کی تقلید سے دوسرے ہمعصر یا بعد میں آنے والی نسلیں اسی دیوار کو مضبوط تر بنانے میں ساعی ہوتے ہیں

اوشتی ہوئی مخالفتیں علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ نہیں ہوتیں۔ بلکہ اسی اطاعت حکم الٰہی کے پردے میں اور قیام
قت کے لباس میں، عالم ربانی کی نیابت کی صورت میں، جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوا (اس کا ذکر آئندہ آتا ہے)
پھر بنی اسمٰعیل بھی تو اسی جد کی نسل تھے۔ یہ کیوں پیچھے رہتے۔ بلکہ بیت اللہ کے جوار نے ان کا رتبہ بلند کیا ہوا
تھا۔ یہ اون سے بھی سبقت لے گئے۔ واقعات خود پکار اٹھتے ہیں۔ کہدیتے اور کہلا دیتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل نے
ہر ایک پہلو سے اپنے چچیرے بھائیوں اسرائیلیوں پر سبقت حاصل کی۔ نوعیت اطاعت میں بھی اور وسعت مخالفت
میں بھی۔ ایسا ہونا انوکھی بات نہیں۔ لیکن تصدیق رسالت کا ایک زبردست آلہ ضرور ہے۔ حدیث طابق النعل
بالنعل کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا جو کچھ بنی اسرائیل میں واقعہ ہوا وہ بھی۔ اور جو کچھ امم گذشتہ میں فرداً فرداً
واقع ہوا تھا وہ بھی مجموعی حیثیت سے اس امت کی ملکیت تھی۔ پھر یہ فوقیت کیوں نہ لیجاتے۔

یہ ذکر تھا کہ اطاعت الٰہی میں اجماع کرنے کی عادت رائج کرنے کے لئے ایک مجموعہ قوانین کی ضرورت
تھی۔ اس قانون کے سکھانیوالے اور اسکو عملاً کر کے دکھانیوالے کی ضرورت تھی۔ قدرت نے قانون رائج
کرنے سے پیشتر وہ نفوس پیدا کئے جو اس قانون کی قولی و عملی تعلیم دیں۔ تاکہ امت اُن کے ادعائے ہدایت
سے پیشتر اُن کی معرفت حاصل کرے۔ اور اُن کی صداقت، امانت، دیانت، سیانت، خُلق، مروت، اور اعلیٰ
وارفع عادت، و خصلت، کی دل سے معترف ہو جاوے قبل ازیں کہ مجوزہ طریقہ تعلیم رائج کیا جائے۔ اور
قیود قانون کا جُوا ان کی گردنوں پر رکھا جائے۔ تاکہ دروغگوئی کا الزام ان معلموں پر عائد نہ ہو۔ اور دشمن
بھی ان کی ثنا میں رطب اللسان نظر آویں۔ یہ وہ فضیلت ہو جس سے بڑھکر ثبوت حقیقت میں کوئی فضیلت نہیں
ہو سکتی۔ احباب اصحاب مرید، شاگرد تو فضیلت کی راگنی الاپتے رہتے ہیں۔ مگر حقیقی شرف و فضیلت وہ ہو جسکا دشمن
اعتراف کرے۔ عربی مثل ہو۔ الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ دوستوں کی لن ترانیاں فضیلت کا
سیار نہیں ہوتیں۔ بات تو جب ہے کہ دشمن فضیلت کا اقرار کرے۔ ہندی کہاوت ہے "جادُو وہ جو سر پہ
چڑھ کے بولے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات میں جسقدر عزت و حرمت بنی اسرائیل مصریوں کی نگاہ میں تھی اُن کے
انتقال کے بعد نہ رہی۔ بلکہ بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کے وارث کے تخت نشین ہوتے ہی کایا پلٹنی شروع
ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ تمام بنی اسرائیل کو غلامی کے جوئے میں جوتا۔ محنت و مشقت کا بار اُن کی پشت پر بار کیا جسقدر ولید
کے زمانہ میں آرام پایا۔ اس سے دس گنا مصیبت مصعب بن ولید کے زمانہ میں دیکھی۔ تین پشتیں یہی مصیبت کاٹتے گذری
آخر فریاد رس مظلومان نے مظلومین کی دادرسی کرنے اور آزادی دلانیکا سامان کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان
تمام واقعات سے پیشتر ہی خبر دے چکے تھے۔ اب بنی اسرائیل اس مددگار کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔

شیوہ تہانی (راشہانی) نبی بھی خاموش نہ تھی۔ انکی قدر و منزلت ارجائی نبی کے ہوتے ہوئی خاک آلود ہو جاتی رہی آ
کونسی توقع ہو سکتی تھی۔ عمران بن قہات بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام دربار شاہی میں جو کیدار تھے ان کے گھر میں ایک

لڑکا پیدا ہوا۔ درباری جوتشی نے زائچہ کھینچا۔ اپنے علم کی بنا پر اسکو معلوم ہوا کہ وہ بچہ کسی بادشاہ کا وزیر ہوگا۔ معاملہ رفت
دگذشت ہوا۔ تقویم سالانہ کا زمانہ آیا۔ تو زائچہ میں قران سیارگان اس طرح آپڑا جو شاہ مصر کے لئے خطرناک تھا۔ نجومی
اور جوتشی غیب بین نہیں ہوتے لیکن بنائے عالم کچھ قواعد پر مترتب ہے انسان نے ان قواعد کے دریافت کرنے میں
سعی کی اور اس میں اختراعات شروع ہوئیں۔ علمی صورت میں یہ فن علم ہندسہ کی شاخ ہے۔ حسابی غلطی نہ ہو تو نتیجہ یا جواب غلط نہیں
ہو سکتا اس لئے اس علم کے سیکھنے کی ممانعت ہے کیونکہ غلطی سے انسان بری نہیں۔ غلطی کا نتیجہ غلط ہوگا۔ اس کے احکامات
غلط اور لوگوں کو راہ سے بیراہ کر دینا ممکن۔

اس جوتشی نے اپنے زائچہ کی بنا پر حکم لگایا کہ اس سال ایک بچہ پیدا ہوگا جو حکومت کے لئے مضر ہے وہ اگر
زندہ رہا تو ملک کو تباہ کر دے گا۔ منصب ابھی دعوی خدائی کئے ہوئے تھا۔ جوتشی کا حکم کیا تھا وہمیوں کے لئے وحی تھی
دربار میں امراء و وزراء مشورے کے لئے بیٹھے۔ اور اس پیدا ہونیوالے خلیفہ الہی کی ہلاکت کی تجاویز سوچنے لگے۔ آخر حکم جوتش
کے مطابق متفق الرائے ہو کر فیصلہ کر دیا کہ بنی اسرائیل میں جسقدر بچے پیدا ہوں ہلاک کر دیئے جائیں۔ اول تو دربار
کا حکم پھر جوتشی یا سوتھانی نبی کا حکم لیکن سب پر طرہ یہ ہوا کہ خدائے مصر کا حکم پھر اس اجتماع کا کیا کہنا۔ دائیاں مقرر ہوگئیں
جو بچہ نرینہ پیدا ہوا گلا دبا کر مار دیا۔ گھر گھر رونا پڑ گیا۔ خلاق عالم قادر مطلق سے ضعیف انسان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کی
ہستی کا ایسے ہی موقعوں پر اعتراف ہوتا ہے سال بھر خون ہوتے رہے دوسرے سال کے لئے بھی بندوبست ہو گیا پہلے
ہی سال عورتوں کو مردوں سے علیحدہ کر دیا۔ پہرے چوکی قائم ہوگئیں۔ دن بھر مشقت اور مردم شماری رات کو دروازے
مقفل عورتیں اندر بند۔ یہ سب کچھ سہی لیکن کارکنان قدرت کے سامنے خدائے مصر اور اُسکے حکام کی کیا حقیقت،
دروازوں کی کیا حقیقت! وہ دیواروں میں دروازے بنا دیتا ہے دروازے مقفل پڑے رہیں یہی ہوا۔ مادر موسیٰ شاہی
محل میں خاص تخت فرعون کے بالین تک پونچی نہ حاجب کی روک نہ پہریدار کی ٹوک۔ پونچانیوالی قدرت دیواروں کو
دروازے بنا کر لے گئی۔ نہ کسی انسان نے آتے جاتے جھلک دیکھی نہ پاؤں کی آہٹ سنی۔ مصری انتظام نسج عنکبوت کے زیادہ
نہ نکلا۔ اسرائیلی گھروں کا بندوبست کیا۔ ایسی خدائی میں آگ لگے جو اپنے گھر کا بندوبست نہ ہو سکے۔ اس برتے پر دعوی
خدائی اور ادعائے غیب بینی۔ تف۔

بندوبست خاک میں مل گیا۔ خدائی کا مدعی کچھ نہ بنا سکا۔ ادھر مادر موسیٰ اپنے گھر کو روانہ ہوئی اودھر فرعون نے خواب دیکھا
ستارہ آسمان سے جدا ہو کر محل میں آیا اور خاص تخت شاہی کے سرہانے گرا۔ خوف سے سوتے میں آنکھ کھلی جوتشی
رمال نجم حاضر کئے گئے خواب کی تعبیر دیکھنے لگے آخر متفق اللفظ پکارا وٹھے آج اُس شخص نے اس محل شاہی میں رحم مادر
میں قرار پکڑا جسکے قتل کے لئے ہزاروں بیگناہ بچے جان سے مارے گئے۔ قدم قدم پر قدرت دکھلا رہی ہے کہ تمہارے انتظامات
اور تدابیر ہمارے انتظام میں مخل نہیں ہو سکتیں۔ تم اپنی کوشش کر گذرو ہمارے منظور نظر کا بال بیکا نہیں کر سکتے تو دیکھو
تو سہی تمہارے خدا کی گود میں اپنے منظور نظر کو پرورش نہ کرایا تو کہنا۔ خلیفہ برحق کی مخالفت میں ایک قدم اور ترقی ہوتی ہے
عورتوں کا معائنہ مقرر ہوتا ہے جس کو آثار حمل معلوم ہوتے ہوں اُسکو حفاظت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اس تجویز کو اس قدر

مستعدی سے بجالائے کہ فیصدی ایک بچہ بھی دوسری جگہ پیدا نہیں ہوا۔ مادرِ موسیٰ کا معائنہ بھی ہوتا رہا لیکن راز
قدرت پر ضعیف انسان کا دسترس پانا مشکل ہے آثار حمل مفقود تھے یہاں تک کہ وضع حمل کا وقت آگیا۔ اپنے گھر
میں شکم مادر سے آغوش مادر کی زینت ہوئے۔ ماں کی گود میں رہتے تو زندگی مشکل ہو جاتی۔ صندوق میں بچہ کو
بند کیا اور دریا میں ڈال دیا۔ وہ بہتا ہوا شاہی محل سے آلگا ولیؑ خدا ہے سفر سنی ہی میں دشمنوں کی ناک رگڑتا
ہے۔ شاہی محل اور خاص فرعون کی گود میں پونچتا ہے وہ پیاری پیاری موہنی صورت ہے کہ باوجود اسرائیلی
خط و خال نمایاں ہونیکے فرعون اُسکو گود میں لئے ہوئے ہے۔ میاں بیوی کے دل میں محبت کا جوش
ہوتا ہے قتل کا خیال کیونکر آئے قدرت صورت بدلنے پر قادر دل کے بدلنے پر قادر خیالات بدلنے پر
قادر۔ اگر چاہے تو ایک پل میں سب کو ایک شاہراہ پر چلادے لیکن یہ چلنا انعامات کے حصول میں مدد
نہیں دیگا انسان دست قدرت کی کٹھ پتلی یا مشین بنجائے گا۔ خود مختار ہو کر قدرت کے منشاء کے مطابق عمل کرے
تو البتہ انعام کا مستحق ہے۔ قدرت کو اپنی قوت کا اپنی قدرت کا کبھی کبھی اظہار کرنا پڑتا ہے اسمیں بھی ہدایت خلق مدنظر ہوتی
ہے۔ جیسے فرعون کی کایا پلٹ دی۔ وہ بچہ گود میں لئے ہوئے سینہ سے چمٹائے ہوئے بیٹھا ہے جس کو قتل کرنے کیلئے
ہزاروں خون کر ڈالے اس کو قتل نہیں کرتا۔ اُسکی پرورش کی فکر ہے دودھ پلانیوالیاں ایک دو نہیں لاکھوں آتی ہیں
بچہ رُخ نہیں کرتا۔ بھوک سے بلبلاتا ہے فرعون سے یہ مصیبت دیکھی نہیں جاتی۔ آخر اسرائیلی دائیاں طلب ہوتی ہیں انکے
شامل مادر موسیٰ بھی آتی ہے۔ بچہ کسیطرف رُخ نہیں کرتا۔ اپنی ماں کی گود میں آیا پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ اور نیند کرنے لگا
محل شاہی رہنے کے لئے ماں کی گود آرام کے لئے مصریوں کا خدا اور اس کا گھر بار خدمت کے لئے۔ یہ ہے کارسازی
قدرت۔ کہ اپنے منظور نظر پر دشمنوں کی دشمنی سے زندگی بھر آنچ نہیں آنے دیتا۔ سارے منصوبے خاک میں ملا دیتا ہے
کبھی کبھی اُس کی رفعت منزل ظاہر کرنے کے لئے خلقت کی ہدایت کے لئے اُنکو ابتلا میں بھی ڈالتا ہے۔ دشمنوں کے قبضہ
میں دیدیتا ہے ظلم و ستم کے برداشت کرنے میں اُنکے ثبات قدم کو مخلوقات کی رہبری کے لئے نمونہ بناتا ہے معاشرت
کے سبق قصاص کے طریقے عفو کے قاعدے تعلیم کرتا ہے۔

ولادت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل تذکرہ قرآن پاک میں متواتر ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ خلیفہ منصوص و ولی خدا انسانی بندشوں
اور قاعدوں کا پابند نہیں اُس کے لئے ضروری نہیں کہ مکان میں داخل ہو تو دروازے سے یا دیوار پھاند کر۔ اگر مکان
بند اور دروازہ مقفل ہے تو مجبور و لاچار بیٹھا رہے خلیفہ خدا کائنات کے حاکم کا نائب۔ شجر و حجر اُسکے تابع فرمان۔ اُس کے لئے
دیواریں شق ہو کر راستہ دیتی ہیں اور پھر بند ہو جاتی ہیں مادر موسیٰ علیہ السلام فرعون (دشمن خدا) کے محل کے اندر پہنچ جاتی ہے
دروازوں کے قفل لگے ہوئے ہیں۔ لگے رہیں۔ نائب کی آمد پر دیواریں در بنگئیں تاکہ ولی خدا کی آمد نجاست آلود دروازوں کی
وساطت سے ہو۔ مطہر ظرف مطہر مقام سے جائے اور مطہر ظرف کو لئے ہوئے اُسی مطہر راستہ سے آئے۔ خدا کے سوا کسی امر کا محتاج ہو
یہ تمثیلی قصہ دکھلانا منظور تھا۔ تاکہ ظاہر ہو جائے خلیفہ برحق وہ ہے جسکے لئے دیوار شق ہو جائے۔ اگر کسی وقت کسی زمانہ
میں شناخت خلیفہ برحق میں مشکل پڑے۔ تو سمجھ لو خلیفہ برحق وہ ہے جس کی ماں کے لئے دیوار شق ہو گئی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام

صرف ایک قوم بنی اسرائیل یا زیادہ سے زیادہ ملک مصر کے رہنے والوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ لہذا اُن کی ماں کیلئے خدائے مصر کے محل کی دیواروں کو در بنا ڈالا لیکن جو شخص مختارِ کارخانۂ عالم کا معاون اور مددگار بنکر آئے اُس کا خلیفہ کہلائے اس کی ماں کے لئے کس کے محل کی دیوار شق ہوگی۔ زید بکر کے گھر کی؟ قیصر و کسریٰ کے محل کی؟ ہرگز نہیں اس کی ماں کے لئے خدا کے گھر کی دیوار شق ہو جائیگی۔ بندوں کے گھروں کا یہ رتبہ نہیں ہو سکتا۔ خدائے مصر کا خانہ زاد صرف بنی اسرائیل پر حجت الٰہی مقرر ہوا۔ خداوند عالم کا خانہ زاد مخلوقات عالم پر حجت الٰہی ہوگا اُس کے ہوتے ہوئے غیر کا دعویٰ غلط۔ وہی خلیفہ برحق و راز نجات مخلوقات عالم ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام راز نجات بنی اسرائیل تھے۔

ولادت خالد بھی کہتے ہیں بیت اللہ میں ہوئی۔ ممکن ہے ہوئی ہوگی گذرگاہ عام میں ہر شخص کی آمد و رفت ہوتی ہے دربار عام میں ادنیٰ اعلیٰ سب ہی ہوتے ہیں پھر اسمیں فضیلت کیا ہوئی دربار خاص میں ایرے غیرے نہیں جاتے گنتی کے اور بھروسے کے لوگ اس دربار میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اُن کو کلید ملتی ہے حاجب کے دست نگر نہیں ہوتے کہ دروازے کھولے تو داخل ہوں۔ محرم راز ہیں جس طرف سے چاہیں آئیں کوئی بندش نہیں دروازہ بند ہے۔ ہوا کرے دوسرا دروازہ کھولدیا جائے گا۔ خالد بھی اگر اسیطرح بیت اللہ میں پیدا ہوتا تو فضیلت میں کلام نہ تھا۔ دربار عام کے کمرہ کی ولادت اور دربار خاص کے کمرے کی ولادت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دروازے کھلے ہوئے تھے روک ٹوک تھی نہیں خالد کی ماں آئی طواف کرنے لگی درد ہوا بچہ پیدا ہو گیا۔ لیکن مقفل کمرہ کے اندر غیر معروف راستہ سے پہنچنا اور بچہ پیدا ہونا کوئی معنی رکھتا ہے۔ جیسا گھر میں ہوا کرتا ہے اور غلام زادہ باہر کے کمرے میں۔ شاہی حرم غلاموں کا زچہ خانہ نہیں ہوتا وہ اپنی حدود میں رہتے ہیں جس کو شاگرد پیشہ وغیرہ کہا کرتے ہیں بھلا چہ نسبت خاک را با عالم پاک جس جگہ خالد پیدا ہوا وہ تو بتخانہ بنا ہوا تھا خدا کا گھر نہ تھا۔ خالد غیر کے قدموں میں گرا۔ بُت کو سجدہ کیا۔ جسکو سجدہ کیا جاتا ہے وہ افضل ہوتا ہے سجدہ کرنے والا مفضول قرار پاتا ہے لیکن اس خانہ زاد الٰہی نے خالد کے معبودوں کو اوندھے منہ گرایا بت شکن تھا بُت پرست نہیں تھا۔ لہذا بتوں نے اس کے قدم چومے اسکو سجدہ کیا۔ خالد کے معبود علیؑ کو سجدہ کرنے والے ہوئے اس کا علیؑ سے تقابل یعنی چہ۔

موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں کے خدا یعنی فرعون کے گھر سے برآمد ہو کر دنیا دیکھی۔ آپ کی والدہ اپنے ہاتھوں پر اس نور عین کو محل شاہی سے اپنے گھر لے گئیں۔ ادھر فاطمہؑ بنت اسد خلاق عالم کے گھر سے اپنے نور عین کو غیر معروف راہ سے لیکر برآمد ہوئیں۔ خانہ زاد فرعون راہ نمائے خلق ہو خانہ زاد الٰہی کس طرح ماموم مخلوق ہو سکتا ہے مصریوں نے رسالت موسیٰ سے انکار کیا درپے آزار ہوئے آخر اپنے عزیزوں کو لیکر مصر سے نکلے ہجرت کی اس امت نے امام سے تخلف کیا۔ قتل کے منصوبے باندھے مکان کا محاصرہ کیا گھر میں آگ لگائی آخر تنگ آ کر مدینہ سے کوفہ میں قیام کرنا پڑا۔ یہ تاریخی منظر ہیں۔ عقیدت کے کلمے نہیں۔

رسالت موسیٰ اور امامت ہارون ساتھ ہی ساتھ قائم ہوئیں۔ ایک دن ایک ساعت ایک بھائی رسول مقرر ہوا دوسرا بھائی وزیر بنا۔ امام (کاہن) مقرر ہوا جو معاملے رسالت کو جھیلنے پڑے امامت پر بھی

آئے بلکہ امامت پر زیادہ آئے رسالت کی مخالفت دشمنوں نے کی وہ ہلاک ہوئے۔ امامت کی مخالفت انہوں نے کی کلام پاک شاہد ہے اور بآوازِ بلند بتلا رہا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر کیا گذرا آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا کہا ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے یابن ام۔ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی اے میرے بھائی قوم نے تو مجھے ضعیف (بے یار و مددگار تنہا) کر ڈالا۔ اور انھوں نے تو مجھے قتل کرنے کی ٹھان لی تھی۔

بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام سے وادی حوریب میں تخلف کیا سامری کے کہنے سے بچھڑے کی پوجا شروع کی۔ اجماع ہو گیا نہ پوجنے والا صرف خلیفہ رسول تھا یا اس کے دو چار دس بیس رفیق و ساتھی چھ لاکھ کی مردم شماری میں دس بیس کی مخالفت کی حقیقت ہی کیا۔ آخر منصب ہدایت پر متقرر تھا۔ فرض بھی ادا کرنا پڑا۔ امت کو سمجھایا جسکو تم پوجتے ہو یہ تو موسیٰ کا خدا نہیں۔ بھلا وہ سامری کے چیلے کب ماننے والے تھے اُلٹے قتل کے درپے ہوگئے اور گوسالہ پرستی پر مجبور کرنے لگے۔ لیجئے امام کی حالت دیکھئے ماموم اپنے معبود کے سامنے سجدہ کراتے ہیں ورنہ قتل کا الٹی میٹم۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور مجبوری صبر کی بنیاد اپنی اُمت کو بگڑتا دیکھکر کس قدر صدمہ ہوا ہو گا۔

اب ذرا تاریخ کے اوراق پلٹئے اس واقعہ سے دو ہزار سال بعد یہی منظر پھر نظر آئیگا۔ فرق اگر ہے تو اتنا وہ امت موسوی ہے گوسالہ پرستی شروع کرتی ہے یہ امت محمدی ہے اپنے سے کم درجہ مخلوقات کی اطاعت نہیں کرتی ایک انسان کو رسول کا خلیفہ بنا دیتی ہے۔ وہی سوال اور وہی قتل کی دھمکی موجود ہے اس امام کی زبان سے پھر وہی کلمات سُنے جاتے ہیں جو زبان ہارونی سے پہلے سُن چکے۔ فیصلہ کرنے والے حق و باطل، نیک و بد، رنگ و بو، قیل و قال، رفتار گفتار، سیرت و صورت، ادنیٰ و اعلیٰ، متشابہ اور غیر متشابہ میں حدِ فاصل قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں بلکہ اپنے اطمینان قلب کے لئے، اپنا خیال دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی محنت اور دماغ سوزی سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے نیز یہ بھی مدنظر ہوتا ہے کہ اگر فیصلہ کرنے یا رائے قائم کرنے میں غلطی ہو جائے تو دوسرے کے دلائل و براہین سے اپنے دلائل کا توازن کرکے راہ مستقیم پر قائم ہو جائے۔ وما علینا الا البلاغ بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔

خداوند عالم نے اپنے کلام پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تذکرہ تقریباً بہتر مرتبہ ارشاد فرمایا ہے اس تکرار ذکر کی اگر کچھ غایت اور اہمیت نہ ہو تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ محض دیوانے کے ترانے یا طوطی کی رٹ تھی ادھر اُدھر کی غپ شپ لگائی وقت پورا کر دیا۔ ہرگز ہرگز ایسا کلام کلام حکیم کہلانے کی قابلیت نہیں رکھ سکتا لیکن اگر غایت تکرار موجود ہو تو کلام حکمت آمیز و نتیجہ خیز کہلائیگا۔ ذرا اس پر غور کیجئے۔ خداوند عالم اس امت کو مخاطب کرکے کس تحدی کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول (ہم نے خود تمہاری جانب ایسے رسول کو بھیجا ہے جو تم پر شاہد

بقیہ

ہے جس طرح سے کہ ہم نے پیشتر فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ لہذا یہ رسول جو مثیل موسٰیؑ علیہ السلام تھا مصدق انبیائے سلف تھا اور اپنے مابعد کے حجج اللہ کی خوشخبری دینے والا تھا واقعات امت کی خبر پہنچانیوالا تھا۔ اسی رسول کا ارشاد موجود ہے ستفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین فرقۃ واحد منھما فی الجنۃ (یا) کلھما فی النار الا واحد ہ۔ (علی اختلاف الروایات) آنحضرت صلواۃ اللہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں اس امت نے عنقریب تہتر فرقے ہوجانا ہے انہیں سے ایک فرقہ جنتی ہے ایک کے سوا باقی سب فرقے جہنمی ہیں لہذا کلام پاک میں ذکر موسٰی علیہ السلام کا تکرار اسی افتراق کی استدید الباب کی غرض سے تھا۔ جو بہتر فرقوں نے آئندہ پیدا کرنا تھا یہ پیشگوئی بھی ہے اور ہدایت بھی آئندہ نسلوں کے رویہ کا تذکرہ بھی ہے انہیں سے اہل ضلالت کی تعداد کے مطابق تکرار نصیحت آمیز بھی

(۲) دوسری تمثیل آیہ ثانی ہدایہ میں مماثلث کا قائم ہوجانا ہے۔ چنانچہ حضرت موسٰیؑ علیہ السلام کی دعا وقت بعثت اس طرح مذکور ہے رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرا و نذکرک کثیرا۔ الٰہی میرا سینہ فراخ کر میرا کام مجھ پر آسان کر میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا کر میری کمر کو مضبوط کر دے اُس کو اس تبلیغ رسالت میں میرا شریک کر دے تاکہ ہم (دونوں ملکر) تیری تسبیح اور تیرا ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔ (سورہ طٰہٰ)

ایک دوسرے مقام پر یہی ذکر ان الفاظ میں مذکور ہے واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردءا یصدقنی یارالہا میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اسکو میرے ساتھ کر دے تاکہ وہ میری تصدیق کرے (سورہ شوریٰ)

(۳) اب ذرا قرآنی تعلیم پر بھی غور کیجئے جس میں تذکرہ پیشین صرف تمثیلاً بیان ہونا ثابت ہوتا ہے ورنہ درا صل یہ کل تذکرے اُن امور کی خبریں ہیں جو اس امت میں ہونیوالی تھیں چنانچہ فرماتا ہے لقد انزلنا الیکم کتٰبا فیہ ذکرکم افلا تعقلون (انبیاء) ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ اس سے ظاہر ہے کہ تمام تذکرے محض تمثیلی ہیں تاکہ واقعات کے تطابق سے طالب ہدایت منزل مقصود پر پہنچے لکیر کا فقیر نہ بنا رہے جماعت میں کرامت نہ سمجھے بلکہ غور وخوض سے کام لیکر حقیقی وسیلہ سے متمسک کرے ورنہ نقلی وجبلی وسلوک سے علحدہ رہے اب ذرا سچے دل سے تقابل کیجئے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا مصدق جملہ انبیاء سلف ہونا مسلمہ ہے لہذا مبشر ہونا بھی مسلمہ ہونا چاہئے حدیث جابر سے اس دعوی کی تصدیق ہوتی ہے۔ حدیث الائمۃ بعدی اثنا عشر کلھم من قریش متفق علیہ ہے لہذا غیر قریشی امامت سے خارج ہے ایسے شخص کو امام کہنے والا مکذب رسالت ہے قریش خود اسباط میں منقسم ہیں۔ امت موسٰی میں امامت کا سلسلہ ذریت ہارون علیہ السلام قرار پائی بنص الٰہی اور بنص حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰے۔ امت محمدی میں امامت کا سلسلہ ذریت علیؑ ہی ہوگی۔ ورنہ مثال غلط قرار پائے گی قول نبی غلط نہیں ہوتا کیونکہ اُس کا ماخذ وحی الٰہی ہوتا ہے اسلئے سوائے ذریت آنحضرت کے دعوی امامت

تکذیب رسالت ہے قریشی ہو یا غیر قریشی سب برابر ہیں۔ یہی خلافت امت موسوی کے تذکرہ میں خداوند عالم نے کامل فیصلہ کر دیا ہے اجماع امت کو غلط قرار دیا۔ لہذا ہارونؑ امت محمدیہ اجماع امت کے مقابلہ میں حق پر تھا لیکن بے یار و مددگار تھا۔ قوم نے لاچار کر دیا تھا۔ پہلے نے خاموشی اختیار کی گھر میں بیٹھ رہا دوسرے نے بھی وہی عمل کیا اور صبر کیا

یہی وصایت اس کا فیصلہ بھی آیہ اول میں موجود ہے رسول مثیل موسیٰ علیہ السلام تھے لہذا وصی آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ وصی موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہوگا یوشع بن نون علیہ السلام وصی موسیٰ علیہ السلام جو المرد فتیٰ کہلاتے تھے۔ وصی حضرت ختمی مرتبت صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ جوانمردوں میں فرد ہوگا (لافتیٰ الا علی)

لہذا علی بن عمرانؑ خلیفہ بلا فصل رسالت محمدی، امام برحق اور وصی مطلق رسالت پناہی قرار پائے۔

بموجب آیہ ۲

(۲) آیہ دوم سے چند امور ظاہر ہوتے ہیں (۱) ہارون علیہ السلام دعائے موسوی کا صلہ تھے اور آنحضرت کی اہل میں شامل ہونے کی اہلیت رکھتے تھے (ب) شریک رسالت آنحضرت تھے (ج) وزیر آنحضرت تھے (د) فصیح البیان تھے (ہ) آنحضرت کے مددگار رہے تھے (و) مستحق نبوت آنحضرت تھے ایسے وقت جبکہ یگانے بیگانے آپکی تکذیب کر رہے تھے (س) فصاحت ہارونی ناقص رسالت موسوی نہ تھی اور نہ آنحضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل قرار پائے۔

رسول مثیل موسیٰ علیہ السلام میں یہ تمام امور جنکو خدا نے معیار صداقت قرار دیا ہے پورے ہونے چاہئیں ورنہ تکذیب رسالت ہوگی۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائیؑ کے حق میں دعا کی۔ دعا مقبول ہوئی بھائیؑ نے بھائیؑ کی مدد کی بوجھ بٹایا۔ ہر وقت سینہ سپر رہا دربار فرعون ہو یا میدان مقابلہ و مقاتلہ۔ لہذا مثیل موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح کوئی ایسا ہی بھائیؑ اپنی امداد کے لئے دربار الٰہی سے حاصل کیا ہوگا۔

کلام پاک ظاہر کرتا ہے کہ رسول مقبول کو حکم ہوا کہ اے ہمارے رسول اس طرح دعا کرو قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا کہو اے میرے رب مجھے صادقوں کے داخل ہونے کی جگہ داخل کر اور سچوں کے نکلنے کی طرح (کیجگہ) سے نکال اور اپنی ہی بارگاہ سے ایسے نشان والا مددگار عطا کر (سلطاناً) صاحب سلطان یا علامات باہرہ الاجوب پر غالب ہو۔

اب ذرا تاریخ کی سیر کیجئے اور خیال فرمایئے علیؑ کی والدہ دیوار کعبہ کے قریب جاتی ہے دروازہ پر دعا کرتی ہے تا درد عالم جلال دیوار کو در کر دیتا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ خانہ خدا میں کس طرح داخل ہوتے ہیں یہ صادق کی علامات تھیں صدیق کا نشان تھا تین روز ہو جاتے ہیں۔ ابو طالب دریافت کرتے ہیں اے نور عین اے بیٹے محمدؐ تمکو کچھ معلوم ہے تمہاری والدہ کہاں چلی گئیں تین روز سے تلاش کر رہا ہوں پتہ نہیں لگتا جواب ملتا ہے اے پدر صبر کیجئے آج فلاں وقت بخیریت واپس آئینگی ہم بھی پیشوائی کیلئے چلینگے وقت آتا ہی چچا بھتیجا خانہ کعبہ کیطرف روانہ ہوتے ہیں دیوار شق ہوتی ہے اور اندر سے فاطمہ بنت اسد بچہ کو گود میں لئے نکلتی ہیں دیوار پھر اپنی اصلی حالت پر ہو جاتی ہے رسول مقبول بچہ

علامت دیکھکر خوشی سے پھولے نہیں سماتے، خدا کے گھر سے اپنے مددگار کو صاحب سلطان مددگار کو اپنی گود میں لیکر آتے ہیں۔ آپ نے اپنے طلب کردہ مددگار کی کفالت خود ہی فرمائی تاکہ یہ نونہال لفظ "اہل" کے مطابق "اہل بیت رسولؐ" میں شامل ہو۔

(ب) حدیث منزلت آیۂ مباہلۂ آنحضرتؐ کو جناب ختمی مرتبت کے تبلیغ فرائض نفسی کا شریک ثابت کرتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی کہلائے اس زمانہ میں نبوت و رسالت ختم ہو چکی تھی۔ لہذا آپ نبی یا رسول نہیں کہلا سکتے تھے۔ لیکن نفس رسولؐ کیکر خداوند عالم نے ایک جان دو قالب بنا دیا نبوت و رسالت جسد کہلائی امامت روح نبوت۔ آنحضرت علیہ السلام نبی نہ تھے مگر نبی کی جان تھے۔ نبی کا نفس تھے۔ لہذا وہ لوگ جو منکر امامت علویہ ہیں۔ قالب بیجان کے مطیع ہیں۔ اطاعت نبوت سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

(ج) مورخین نے بلا اختلاف تحریر کیا ہے کہ آیہ وانذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل کے دن جس وقت "اعلان نبوت ہوا اسی وقت علیؑ کی امامت، خلافت، وصایت، اور وزارت کا اعلان بھی کیا گیا۔ دوم حدیث منزلت کے بموجب مثیل ہارونؑ وزیر مثیل موسیٰ علیہم السلام قرار پائے گا اس کا انکار روشنی کی ضیاء کا انکار ہے۔

(د) خطبات جناب امیر علیہ السلام دنیا میں موجود ہیں۔ مخالفین کی زبان سے خراج تحسین لے چکے ہیں جناب ختمی مرتبت قانون الہٰی کے مبلغ تھے آپ ایسے فصیح تھے کہ کلام خدا جیسا افصح کلام آپ ہی کی زبان پر جاری ہوا۔ علوم کی قدر عالم ہی جانتا ہے۔ وہ علمی نکات جو کلام رسالت میں پنہاں ہیں فصاحت و معانی کے دریا میں جن کی تہ تک پہونچنا آسان کام نہیں لیکن ان نکات کا سمجھانیوالا تشریح و تاویل کرنے والا افصیح البیان و عالم فاضل ہونا چاہیے۔ پس فصاحت و بلاغت کلام جناب امیرؑ کا منبع علم رسالت ہے جسکو حدیث مدینۃ العلم سے ظاہر کیا گیا ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا فصاحت و بلاغت شعبہ علم ہے یا وہ ذریعہ ہے جس سے علوم کی حقیقت ظاہر اور اس کے حصول کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شہر کی دیواریں مکانات کا احاطہ یا سقف مانع دخول فی المدینہ یا فی الدار ہوتی ہیں۔ شہر علم کے محیط ہونیوالی دیواریں یا نبی کے گرد ہجوم کرنیوالے اصحاب حصول علم نبی سے دنیا والوں کو منع کرنے والے تھے۔ صرف ایک ہی نفس قدسی ایسا تھا جس نے علوم نبی کو دنیا میں پھیلایا لہذا وہی دروازہ علوم نبی ہے۔ اور وہ وسیلہ برحق ہے جو امت کو نبی تک پہونچانے میں مدد دیسکتا ہے۔

(ہ) حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ناصر جناب ختمی مرتبت ہونا اظہر من الشمس ہے محتاج دلیل نہیں

(و) پیشتر مذکور ہوا کہ اعلان نبوت کے دن وہ شخص جس نے آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ کی تصدیق کی۔ جناب امیرؑ ہی تھے اور بعد از رحلت سرور انبیاؐ جس نے آنحضرتؐ کی دعوت الی الحق کو سچ کر دکھلایا ان میں اول نمبر جناب امیرؑ کا ہی ہے۔ خود کلام پاک میں خداوند عالم نے آپ کو مصدق رسالت کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ والذی جا بالصدق و صدق بہ میں مفسرین نے جا، بالصدق رسول مقبولؐ اور صدق بہ سے ذات بابرکات جناب امیرؑ

مراد لی ہو۔ کیونکہ اعلان نبوت و تصدیق نبوت میں کوئی فاصلہ نہیں تھا۔

(س) قرآنی شہادت کے بموجب حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فصیح تر تھے لیکن ان کی یہ فصاحت ناقص رسالت موسوی نہ تھی کیونکہ نائب کی توصیف منیب کی توصیف ہوتی ہے جس کی نظر انتخاب نے ایسا نائب ڈھونڈ نکالا جو قابل ترین امت تہا۔ بقول "قدر زر زرگر بداند۔ قدر جوہر جوہری"۔ لہذا فصاحت کا قدر دان وہی ہوگا۔ جو خود فصیح البیان ہو۔ کھرے اور کھوٹے موتیوں کو وہی پرکھ سکتا ہے جو جوہری ہو۔ افصح کے نائب کی فصاحت قادح منیب نہیں بلکہ کمال منیب کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اسی طرح مثیل ہارون علیہ السلام کی فصاحت مثیل موسیٰ علیہ السلام کے کمال فصاحت و بلاغت کو ظاہر کرتا ہے۔ بادشاہوں کی فصاحت و بلاغت پر اسقدر توجہ نہیں ہوتی کیونکہ ان کا تعلق وزراء و امراء دربار سے ہوتا ہے لیکن وزراء و امراء کا فصیح ہونا بہبودی سلطنت اور قیام نظام کے لئے ازبس ضروری ہے تاکہ تقریر دلپذیر سے دل مسخر کرسکیں اور شاہی احکامات کا منشاء و مطلب رعیت کو اچھی طرح سمجھا سکیں۔ زبان ایسی شیریں ہو کہ کلام سننے کے لئے دوست دشمن دوڑتے ہوئے چلے آدیں۔ تقریر مختصر مضامین کثیر پر حاوی ہو۔ مدلل ہو مکمل ہو۔ مقطع ہو مسجع ہو۔ بندش چست معانی درست عبارت ہو یا کلام مقفیٰ ہو اور سب بالاتر یہ کہ زبان شستہ و صفا ہو عیب پاک تم سے خالی ہو۔ خوش خلق ہو خوش گفتار ہو اور خندہ پیشانی ہو۔ اسوقت ضروریات سلطنت علم کی روشنی کے ساتھ پوری کر سکتا ہے۔

پھر ایسے نائب کی تعریف اس کے آقا کی تعریف ہے جس نے اسکا انتخاب کیا۔

ایک اور واقعہ امت موسوی میں ایسا گذرا جس میں بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے مخالفت کی اس کا تذکرہ کلام پاک میں آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایک بستی پر حملہ کرکے قبضہ کرنے کے لئے حکم دیا۔ تمام قوم نے حملہ کرنے سے انکار کردیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہدیا کہ ان فیھا قوماً جبارین وانا لن ندخلھا ابداً ما داموا فیھا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔ اے موسیٰ اس میں تو دیو زاد آباد ہیں۔ ہم تو اس میں کبھی قدم نہ رکھیں گے جب تک یہ قوم وہیں موجود ہے۔ تو اور تیرا خدا دونوں جاکر لڑتے پھرو۔ ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجبور ہوکر درگاہ الٰہی میں عرض پیرا ہوئے۔ الٰہی تجھے معلوم ہے میں نے تیرا حکم اس قوم تک پہونچا دیا۔ ان کا جواب بھی تجھے معلوم ہے۔ رب انی لا املک الا نفسی واخی۔ خدایا مجھے تو صرف اپنے نفس پر اختیار ہے۔ یا اپنے بھائی پر اختیار حاصل ہے تو حکم دے تو ہم دونوں لڑائی کے لئے جاویں۔ یہ قوم تو جانے سے انکار کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ ہم ایسے زبردست اور بہادروں سے لڑکر اپنی جان نہیں گنواتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال تک صحرا کی خاک چھانی۔ جو مصر سے نکلے تھے وہ سب اسی میدان میں کھیت رہے۔

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ بنی اسرائیل کے اس فعل یا اس کی سزا سے بحث کریں بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ بعینہٖ یہی قسم کا سابقہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت سے پڑا۔ جنگ خندق کے متعلق مورخ تحریر کرتے ہیں

کہ جب قریش نے لشکرِ گراں کیساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تو ان کی فوج کی جمعیت اسقدر تھی کہ ان سے میدان داری
کی شکل نہ تھی۔ اس لیے حفاظت کے لیے ایک خندق کھود لی گئی۔ تاکہ دشمن دندنانہ ہر طرف سے حملہ آور نہ ہوں۔
اور لڑائی صرف ایک سمت ہوتی رہے۔ اتفاق وقت مخالف جماعت میں عرب کا مشہور بہادر آزمودہ ہزار یا جوان
عمرو بن عبدود بھی تھا۔ وہ تن تنہا خندق پھاند کر اس طرف آ دھمکا۔ قاعدہ عرب کے مطابق "ہل من مبارز" من
قریش کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں کی جمعیت کا کیا کہنا ماشاء اللہ تین ہزار تلوار سے نیزے باز شجاع منچلے موجود ہیں۔
لیکن اسوقت ایک بھی ہنستا ہوا نظر نہیں آتا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک پندرہ سالہ لڑکا مقابلہ کے لئے جانے کی اجازت
طلب کرتا ہے۔ آنحضرت اسکو روک دیتے ہیں۔ بیٹھ جاتا ہے مخالف کی آواز پھر آتی ہے۔ طعنہ آمیز کلمات بھی سنتے ہیں
لیکن شجاعت کی موج گرداب خوف میں پھنسی ہوئی ہے۔ کون نکلے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد
فرماتے ہیں اے مسلمانو! تم میں سے کوئی اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ سب کے سب دم بخود۔ مٹی کے بت بن گئے
پھر وہی نوجوان سامنے آکر اجازت جنگ طلب کرتا ہے۔ نہ معلوم آنحضرت کو کیا منظور تھا پھر روک دیا۔ تیسری مرتبہ
میدان سے پھر آواز آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام بنام بہادروں کے نام لیکر ارشاد فرماتے ہیں اس کے
مقابلہ کو نکلو۔ لیکن یہاں تو سب حواس باختہ ہو رہے تھے۔ لڑنے کے لئے کون نکلے آخر ایک شخص بہادر کہہ ہی اٹھا۔
حضرت میں اس شخص کو جانتا ہوں یہ اکیلا ایک ہزار جوان کے برابر ہے۔ بھلا اس کے مقابلہ کو کون جائے۔ اور
اپنی جان گنوائے یعنی بنی اسرائیل نے جو پیشتر عذر کیا تھا وہی یہاں موجود ہے۔ اب رسول اللہ کیا کریں خود جنگ
کے لئے نکلیں۔ یا اس پانزدہ سالہ عمو زاد کو بھیجیں۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں۔ رب انی لا املک الا نفسی واخی
بار الٰہا تو واقف ہے کہ میرے اختیار میں صرف اپنا نفس ہے یا اپنے بھائی کا۔

تعجب بالائے تعجب ہے۔ کہ ہارون علیہ السلام کو خلیفہ منصوص بلافصل حضرت موسیٰ علیہ السلام تسلیم کیا جاوے
اور مثیل ہارون علیہ السلام کی خلافت بلافصل میں تامل بلکہ نہیں نہیں انکار ہو۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہزاروں برس ایک غریب ابلیس کی مخالفت کو روتے گذر گئے۔ آخر اس کا قصور؟ بس اتنا ہی تو تھا۔ کہ
خدا کے حکم کے مطابق اُسکے مقرر کردہ خلیفہ کو نہ مانا۔ اس نے اس خلیفہ کا گھر نہیں لوٹا اس کی گردن میں رسی ڈالکر
نہیں کھینچا اس کے گھر میں آگ نہیں لگائی اس کے سر پر تلوار کھینچ کر قتل کی دھمکی نہیں دی اس کی ذریت کو بھوکا پیاسا
ذبح نہیں کیا۔ نہ اس کی جگہ خود خلافت کا مدعی ہوا۔ پھر بھی دوست دشمن سب کی پھٹکار کا مورد ہے چھوٹے بڑے
اسکا نام سنتے ہی لعنت کی بوچھاڑ کر بیٹھتے ہیں۔ اس کی کرنی تو اس کے سر پڑتی ہے۔ دوسروں کی کرنی بھی اس کے
سر دھری جاتی ہے۔ بیچارہ بوجھ میں دبا ہوا چلنے سے معذور۔ دن بھر لعنت کے کوڑے، تبرا کے تیر کھاتا رہتا ہے۔ اور اس پر
طرہ یہ کہ پھبتیاں اڑتی ہیں۔ قیامت کا انتظار۔ بل بے تیرا دل گردہ سچ ہے بے شرمی اور ہٹ دھرمی دوزخ میں پہنچا
کر رہتی ہے کم بخت اب بھی مان جائے مصیبت سے بچ بہشت میں جائے۔ زیادہ نہیں تو کسی سے کم بھی نہ رہے لیکن

مشکل ہی نظر آتی ہے۔ وہ دوزخ سے جان بری دکھلائی نہیں پڑتی بقول حافظ رح

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ⁘ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اس غریب کا نام ہی بدنام ہے۔ ورنہ خود انسان شیطان سے بدتر شیطان ہے۔ اشرف المخلوقات کسی بات میں مخلوقات الٰہی سے کم نہیں رہ سکتی۔ بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ فرشتوں کی پرواز اس کے پاؤں کی گرد کو نہ پا سکی آخر یہی کہتے بنی ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم ⁘ فروغ تجلی بسوزد پرم

گرنے لگا تو اتنا گرا کہ شیطان بھی اپنے کانوں کی خیر مناتا ہوا اس کے سامنے سے بھاگا کہ کہیں شیطان کے قرار پہنسی آتی ہے غریب معلوم کس ارادے سے اور کیا جھکڑ آیا ہوگا۔ یہ خبر نہ تھی کہ انسان نہیں حیوان انسان کے بھیس میں ہے۔ اپنی غلطی پر کس قدر ندامت ہوئی ہوگی۔ اگر مسلمان ہوتا تو آیۂ قرآنی ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا (البتہ یہ تو چوپائے ہیں۔ بلکہ چوپایوں سے بھی بدتر) پر عمل کر کے کبھی اس طرف رُخ ہی نہ کرتا۔ ناسمجھی نے مصیبت میں ڈالا۔ بھگوڑے پن کی ذلت برداشت کرنی پڑی۔ ایمان کی طاقت ہوتی بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بن جاتا۔ پھر کس کی طاقت تھی کہ سامنے آتا۔ نفاق کی آگ نے سینہ گلا دیا۔ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرنی پڑیں۔ ایسے سردار کا شکریہ سردار بھلا۔ سعدی علیہ الرحمۃ ایک بادشاہ کا قصہ اپنی گلستان میں تحریر فرماتے ہیں جس کے چار پسر تھے تین بڑے بیٹے نہایت بلند بالا خوب فربہ و قوی ہیکل چہرے مہرے والے جوان تھے بادشاہ کو بھی ان سے اُنس تھا۔ ان کو ڈیل ڈول اور طاقت پر بھروسہ بلکہ ناز تھا۔ چوتھا بیٹا دُبلا پتلا چھوٹا سا قد ان کے مقابلہ میں آنکھوں میں جچتا نہ تھا۔ باپ بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اتفاق وقت ملک پر غنیم نے حملہ کیا۔ کڑیل جوان فوج کے کمانڈر (سپہ سالار) بنکر گئے۔ باری باری تینوں ہی دشمنوں کی تلواروں سے جان بچا بھاگے۔ دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے اپنی فوج کا دل بیٹھ گیا۔ آخر چوتھے دن سب سے چھوٹے کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تھا تو چھوٹا بدن کا لاغر لیکن شیر کا دل اور فولادی پنجہ رکھتا تھا۔ جاتے ہی برس پڑا۔ سردار کو اسطرح لڑتا دیکھا۔ لشکر نے بھی ساتھ دیا اور ایسا قدم جما کے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ بھاگتا ہی نظر آیا۔ شاہزادہ شام سے پہلے مظفر و منصور باپ کی خدمت میں واپس آیا۔ اس نے گلے لگایا خوب پیار کیا اور اپنا ولیعہد بنا کر پہلے تینوں کو اسکا خادم مقرر کیا اس موقعہ پر مصنف رح نے ایک رباعی تحریر فرمائی ہے۔

اے کہ شخص منت حقیر نمود ⁘ گولیت گر تو پند شماری

اسپ لاغر میاں بکار آید ⁘ روز میدان نہ گاو پرواری

سچ پوچھئے تو تمثیل کی حد کر دی۔ معاملہ اتنا صاف ہے کہ اس کے سمجھنے میں دقت نہیں ہو سکتی پھر لکھتے ہیں۔ کہ بھائی اپنے چھوٹے بھائی سے حسد کرنے لگے اور موقعہ کے منتظر رہتے تھے۔ آخر موقعہ ملگیا کہ اس بہادر کے خلاف بادشاہ کو بھڑکائیں۔ جب شاہزادہ حاضر دربار ہوا۔ بادشاہ نے اس سے اصل کیفیت جو سُنی تھی کہی۔ اس نے تفصیلی واقعہ

بیان کر دیا۔ اور عرض کیا میں اس ولیعہدی سے درگذرا جو بھائیوں کے دلوں میں عداوت پیدا کرے حکومت انہیں مبارک مجھے گوشۂ تنہائی اور توشۂ فقر زیادہ خوشگوار ہے۔ آخر دنیائے تعلق ترک کر کے عقبیٰ کیطرف متوجہ ہوا۔

اب ذرا تاریخ میں واقعات جنگ خیبر پر نظر ڈالئے اور مثال آفرینی سعدیؒ پر آفرین کہیے۔ واقعات خلافت پر غور کیجئے اور جناب امیر کا یہ قول دیکھئے "اے دنیا تو میرے سوا کسی دوسرے کو فریب دے میں نے تجھے طلاق بائن دیا ہے جس کے بعد رجعت نہیں" اس کے ساتھ زینت دہ تخت خلافت کی تعداد پر غور فرمایئے اور حکایات سعدیؒ میں انکو تلاش کیجیے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے واقعات ملاحظہ فرمائیے صحرا نوردی میں بنی اسرائیل نے چالیس برس گذارے حضرت ہارون علیہ السلام کا اسی صحرا میں انتقال ہو گیا۔ بچے دو بھتیجے چھوڑے۔ کمسن چھ لاکھ کی جمعیت کی کہانت آسان نہیں۔ امامت ان کا حق ضروری تھا۔ لیکن تا وصول بلوغ وصایت کی ضرورت تھی جو اس سرکش قوم کو قابو میں رکھے۔ مخالفوں سے جنگ کرے۔ بچوں سے یہ دبنے والے نہ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ لہذا حکم الہی پہونچا کہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام کو اپنا وصی مقرر کرو۔ تمام قوم کے سامنے اس کی وصایت کا اعلان کرو۔ اور تمام معاملات اسکو سمجھا دو۔ حکم کے مطابق حضرت یوشع علیہ السلام وصی مقرر ہوئے۔

ادہر مثیل موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایسا ہی حکم ملا کہ تم بھی اپنے ابن عم کو اپنی امت پر اپنا وصی مقرر کرو لیکن ہونیوالے واقعات کیوجہ سے دل گوارا نہیں کرتا تھا کہ اپنے ابن عم کو ولیعہد بناؤں اور دنیا کو اس کا مخالف کر دوں۔ درگاہ الہی میں دعا کی ہو گی۔ خدایا جسقدر مصائب تا تہ تبلیغ رسالت میں مجھے اٹھانے پڑے انہیں خیال کر کے جی نہیں چاہتا کہ اپنی ذریت کو ہمیشہ کے لئے مصائب کا شکار اور مخالفت کی آماجگاہ بناؤں اسی قسم کی معروض ہو گی جس کا پتہ اس آیۂ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے۔ الم نشرح لک صدرک ۥ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک ۥ ورفعنا لک ذکرک ۥ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب۔ اے ہمارے رسول کیا ہم نے ہی تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کیا کہ ہر طرف ہمارے نام کیساتھ تمہارا نام بھی ورد زبان ہے تم تو ہمیں سے کسی شے پر قادر نہ تھے۔ اب تم کیوں فکر کرتے ہو۔ مصیبت کے بعد راحت اور تکالیف کے بعد آرام ضرور ملتا ہے ہمیشہ ایک زمانہ یکساں نہیں رہتی جب تمہارے مصائب راحت سے بدل گئے تو کیا تمہاری ذریت کے نہ بدلینگے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ خدا تو اپنے نور کو کامل کر کے رہیگا۔ اگرچہ یہ امر کافروں پر گراں گذرے۔ لہذا جب تم (حج سے) فارغ ہو جاؤ تو (اپنی جگہ اپنا ولیعہد) قائم کرو اور اپنے رب کیطرف رغبت کرو۔ (ان باتوں کا خیال نہ کرو کہ یہ لوگ آیندہ کیا کرینگے جس کی ہم نے تم کو خبر دی ہے۔)

جب آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ حج سے فارغ ہوئے۔ تو حکم الٰہی کی تعمیل کی نیت سے مدینہ منورہ کیطرف مراجعت فرمائی مقام خم غدیر پر پہونچے تو حکم پہونچا۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ۔ اے رسول جو حکم الٰہی تجھکو پہونچگیا اس کی اسی وقت تبلیغ کر اور دیا درکھ) اگر تو نے اس حکم کی بیان تبلیغ نہیں کی تو دایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خدا کے احکامات کی کبھی تبلیغ نہیں کی۔ اور دلوگوں کی

مخالفت کا خوف نہ کر خدا خود انسانوں کی شرارت سے تجھ کو بچائے گا

یہ مقام جو راہ ہے مختلف مقامات کو راستے پھٹتے ہیں۔ مکہ معظمہ سے یہاں تک امت کا جم غفیر آنحضرت کے ہمرکاب تھا اس جگہ سے جانیوالے اپنے اپنے راستے لگے۔ ولیعہد کی تقرری تمام امت کے سامنے ہونی چاہئے تھی لیکن دشمنوں کی مخالفت اور فساد کے خیال سے آپنے اس تقرری کو واپسی مدینہ پر ملتوی کر رکھا تھا۔ خداوند عالم فرما چکا تھا انا ارسلنا الیکم رسولا الخ جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا۔ اور اس نبی کا ولی عہد چھ لاکھ کی مردم شماری یعنی کل امت کے سامنے مقرر ہوا۔ اگر یہ دوسرا تقرر اسوقت نہ ہوتا تو کلام الٰہی کی صداقت میں کلام ہو جاتا۔ کیونکہ عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب ختم ہو گئی آئندہ اسقدر مجمع کثیر کا آنحضرت کے پاس جمع ہونا ناممکن تھا۔ ایک سلسلہ آنحضرت نے شروع کیا۔ اگر آپکے بعد اس کا سنبھالنے والا مقرر نہ ہوتا تو پھر اس کا قائم رہنا دشوار تھا نبوت کا خاتمہ ہو چکا تھا اب تبلیغ احکامات الٰہی عمل میں آتی تو کیونکر۔ کفر و الحاد کا جواب کون دیتا۔ ۲۳ سالہ محنت بے سود ہو جاتی چنانچہ دستور الٰہی ابتدا سے چلا آرہا تھا۔ کہ نبی کے انتقال سے پیشتر اس کا جانشین حکم الٰہی اور انتخاب قدرت کے مطابق ہوتا رہا۔ نبی اس کا اعلان کر کے دنیا سے سدھارا گیا یہی سنت الٰہی اس امت میں جاری ہوئی۔ قانون قدرت کے بدلنے کی وجہ نظر نہیں آتی۔ بحکم نصب ولیعہد موجود ہے۔ اس کی تعمیل کے تساہل پر عتاب موجود ہے اور بعد از تعمیل حکم رضامندی آنا ثابت ہے۔ اتنے شواہد کے ہوتے ہوئے انکار پر اصرار خلاف عقل و دانش ہے۔

اسی دوپہر کی تپش اور گھما گھمی کی گرمی میں رسول اللہ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور کل مجمع کے سامنے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اسقدر بلند کیا کہ سب نے آپ کو دیکھ لیا اور فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ یعنی جس کا میں آقا ہوں امام ہوں پیشوا ہوں مقتدا ہوں دوست ہوں غلام ہوں اس کا یہ علیؑ بھی آقا امام پیشوا مقتدا، دوست اور غلام ہے۔ تقرری کے بعد سلامی کی رسم عمل میں آئی۔ مبارکباد دی گئی جس میں بخ بخ لک یا ابن ابی طالب جعلت مولائی و مولا کل مؤمن و مومنۃ۔ (مبارک باد اے پسر ابو طالب تجھکو میرا اور کل مومنین اور مومنات کا آقا بنا دیا گیا) کی گونج اب بھی سنائی دیتی ہے۔ اگر یہ گونج نہ ہوتی تو مخالفت مٹ جاتی۔ لیکن منصب خلافت ہے مولی کیا ہی تخت یا کسریٰ و فغفوری تاج نہیں جس نے لیا حق یا ناحق۔ بادشاہ کہلایا۔ یہ تو خلافت الٰہیہ ہے جس پر اچھے اچھوں کی رال ٹپکی۔ فرشتوں کو اس کی آرزو ہوئی۔ پھر بھلا انسان کی کیا حقیقت اس نے تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ خلیفہ کو آگ میں ڈالا۔ گھر میں آگ لگا دی۔ آرہ سے چروایا۔ تلواروں سے کٹوایا۔ تیروں سے زخمی اور تیروں سے چھلنی کیا۔ خلافت کا دعوے کیا لیکن

این خلافت بزور بازو نیست ✻ گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

جسکو انہوں نے خلافت سمجھا وہ تو ویسی ہی خلافت تھی جو نمرود کو حاصل تھی۔ فرعون کو حاصل تھی۔ شداد کو حاصل تھی دنیاوی اقتدار و بادشاہی وہ خلافت نہ تھی جو ابراہیم، ہود، یا موسیٰ علیہ السلام کو میسر تھی وہ ایسی خلافت نہ تھی جسکو انسان دیسکے۔ دلواسکے۔ خرید سکے۔ بنا سکے یا بنوا سکے۔ یہ تو الٰہی بخشش ہے جسکو وہ دے وہ ہی مولی بنے۔

اس لفظ کی تشریح میں ایک عالم اجل کا شعر یاد پڑتا ہے۔ جس کو کس خوبی اور متانت سے ادا کیا ہے کہ تمام ظلمی شبہات کی رگ حیات قطع کر ڈالی۔ فرماتے ہیں

عجب در معنی من کنت مولاہ روی ہر سو ۔۔۔ علیؑ مولیٰ باں معنی کہ پیغمبر بود مولیٰ

(تعجب ہو تیری دانش پر تو فضول من کنت مولیٰ کی موشگافی میں ادہر ادہر جا رہا ہے۔ اے نادان کیا تیرے لئے اسی قدر سمجھ لینا کافی نہیں کہ جس طرح پیغمبر مولیٰ ہوتا ہے انہیں معنی میں علیؑ بھی مولا ہو گا۔

اب صرف استفسار اور گذارش ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنا ولی عہد مقرر کرنے کے تھوڑے دنوں بعد انتقال فرما گئے۔ اور جناب ختمی مرتبت بھی واقعہ خم غدیر کے بعد تھوڑے دنوں زندہ رہے۔ یہی امت کے واقعہ کو ہم متفق الرائے ہو کر ولیعہدی موسوی کہتے ہیں اسپر ایمان لانا اور ایمان رکھنا فرض سمجھتے ہیں لیکن اس دوسرے واقعہ کو جو زمانہ مثیل موسیٰ علیہ السلام یعنی بزمانہ حضرت ختمی مرتبت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ ہوا کیا کہنا چاہئے۔ تاریخی حیثیت، دینی اہمیت تمدنی صورت، اور کیفیت وکمیت اعلان دونوں حالتوں میں ایک ہی نہج پر ہے۔ کیا یہ دوسرا اعلان ولیعہدی نہ کہا جائے گا اور اسپر ایمان لانا ایمان رکھنا فرض نہ سمجھا جائے گا۔

قول رسول سے اسپر ایمان لانا فرض عین ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ فمات میتۃ الجاھلیۃ جو اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے وہ کافر کی موت مرا۔ امامت حقہ کی حصر بارہ نفوس میں ہے ان کے علاوہ کوئی دوسرا امام نہیں جو بنی اسمٰعیلؑ میں خدا نے مقرر کیا ہو تو بتلایئے کہ صرف اقرار نبوت سے کیونکر نجات ممکن ہو سکتی ہے جو امام کو ماموم سمجھے یا ماموم بنانے میں کوشاں ہو اس کا کیا حشر ہو گا۔ فتدبّر

اس سے بیشتر سلسلہ تاریخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت تک درج ہوا لیکن ولادت آنحضرت وفات حضرت یوسف علیہ السلام کے ۲۰۵ برس بعد ہوئی یعنی تاریخ رحلت یوسف ۳۳۵ سنہ آدمی ہے۔

ذیل میں چند خصوصیات منجملہ بیشمار خصوصیات مشترکہ موسیٰ ومثیل موسیٰ علیہ السلام درج کی جاتی ہیں۔

خصوصیات موسوی	خصوصیات محمدی
(۱) ہجرت از مصر از خوف فراعنہ	(۱) ہجرت از مکہ معظمہ
(۲) یوم بعثت سے ہارونؑ برادر موسیٰ ان کے نائب اور وزیر مقرر ہوئے	(۲) یوم بعثت سے علیؑ برادر محمدؐ آنحضرت کے لئے ہارون ثانی مقرر ہوئے۔
(۳) موسیٰؑ صاحب شریعت ہوئے۔	(۳) محمدؐ صاحب شریعت ہوئے۔
(۴) " جہاد بالسیف پر مامور ہوئے	(۴) " جہاد بالسیف پر مامور ہوئے۔
(۵) موسیٰ کے بھائی کی اولاد انکی امت پر کاہن (امام) مقرر ہوئی	(۵) " کے بھائی کی اولاد ان کی امت پر امام مقرر ہوئی۔
(۶) موسیٰ کو معراج طور وہمکلامی خدا کا شرف ملا	(۶) محمدؐ کو معراج قاب قوسین وشرف ہمکلامی خدا ملا۔

خصوصیات موسوی	خصوصیات محمدی
(۷) موسیٰؑ کی امت نے نائب آنحضرت سے تخلف کیا اور سامری کے کہنے سے گوسالہ پرستی اختیار کی	(۷) محمدؐ کی امت نے نائب آنحضرت سے تخلف کیا اور ایک شخص کے قول و فعل کی متابعت میں دوسرے شخص کے حضور سر تسلیم خم کیا
(۸) ,, کا وصی فتیٰ (مرد) کہلایا۔ زوجۂ آنحضرت (صفورا) نے اس سے جنگ کی	(۸) ,, کے وصی کے لئے لا فتیٰ الا علی مشہور ہے۔ زوجۂ آنحضرت (حمیرا یعنی حضرت عائشہؓ) نے علیؑ سے جنگ کی۔
(۹) ,, نے یوشعؑ کو مجمع عام میں اپنا وصی و خلیفہ (ولیعہد) بنایا اور رحلت کی	(۹) ,, نے علیؑ کو مجمع عام میں غدیر خم کے مقام پر اپنا ولی عہد (وصی و خلیفہ) بنایا اور رحلت کی۔
(۱۰) ,, کی امت کے اکثر نے حضرت یوشعؑ سے سرکشی کی	(۱۰) ,, کی امت کی کثیر تعداد نے حضرت علیؑ سے سرکشی کی۔
(۱۱) ,, کے جد لاوی بن یعقوب ہوئے۔	(۱۱) ,, کے جد لوی ابن غالب ہوئے۔
(۱۲) ,, آدمؑ تک چھبیس پشت ہوئیں	(۱۲) ,, سے آدمؑ تک اکاون پشت ہوئیں لہذا موسیٰ علیہ السلام آدم و مثیل موسیٰ علیہ السلام کے وسط میں ہوئے

آدم علیہ السلام سے نبوت کی ابتدا ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام ابتدا و مرجع کے وسط میں ہوئے۔ تعلیم کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پرائمری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مڈل ڈیپارٹمنٹ (وسطی درجہ) شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے انٹرنس یا سکول فائنل یہاں تک کہ یہ دور ختم ہو گیا اور دار العلوم کی تعلیم کا زمانہ آگیا۔ امتحانات جسمانی کیساتھ روحانی امتحانات بھی ہونے لگے یعنی قول و فعل دونوں کی ایک شخصیت قرار دیگئی جس کو ایک تیسری کیفیت کا نتیجہ بتلایا گیا۔ اس کیفیت کو اعتقاد کہتے ہیں جس کا اصطلاحی نام ایمان ہے۔ لہذا مومن وہ ہے جو ایک امر کا معتقد ہو اور اپنے قول و فعل سے اپنے اعتقاد کی حقیقت پر شہادت پیش کرے۔

اعتقاد راستی پر بھی ہوتا ہے، ناراستی پر بھی۔ اور ایک تیسری حالت ان دونوں کے درمیان بھی ہو سکتی ہے۔ جس میں معتقد نہ ادھر کا ہو رہتا ہے نہ اُدھر کا۔ اسکو تذبذب کہتے ہیں۔

ان میں تمیز قائم کرنے کے لئے اعتقاد بالحق کو ایمان اور اس کے بالمقابل کو کفر کے نام سے موسوم کیا۔ حالت تذبذب نفاق کہلائی۔ اس طرح سے اعتقادی حالت کے مطابق معتقدین مومن، کافر اور منافق کہلائے۔

نجات کا مدار ایمان پر قائم ہے۔ ایمان اس حالت کو کہیں گے جس میں خدا و رسول و جانشین رسول کی اطاعت کا اظہار ہوتا ہو۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یعنی خدا کی اطاعت ہو رسول و صاحب امر کی اطاعت ہو۔ پس نجات کا مدار اطاعت خدا و رسول و جانشین رسول۔ (اولی الامر) پر آرہا۔ محض اطاعت خدا یا اطاعت خدا و رسول باعث نجات نہیں ہو سکتی جب تک کہ خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول و اولی الامر کی اطاعت نہ ہو یعنی خدا کے ساتھ نائب خدا (رسول) اور نائب رسول (اولی الامر) کی اطاعت فرض عین ہے۔ منکر اطاعت اولی الامر نجات کی توقع نہیں رکھ سکتا۔

اندریصورت معیارشناخت ایمان اطاعت امام وقت معیار نفاق انکار از اطاعت امام وقت اور معیار کفر انکار از اطاعت رسول قرار پاتا ہے۔ امام وقت میزان حق و باطل مابین مومن و منافق۔ رسول میزان حق و باطل مابین نفاق و کفر ہے۔ اطاعت رسول سے کفر و اسلام میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ مطیع رسول مومن ہو یا منافق۔ اطاعت رسول کے باعث کفر سے علیحدہ ہو جائیگا لیکن امام کا مطیع وہی ہوگا جو سچے دل سے ایمان لایا۔ منافق اس اطاعت سے گریز کرے گا۔

ہم اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ رسول ظاہری حالت کے بدلنے اور ایک محیط قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ امام کا تقرر اندرونی حالت کے سدھارنے کی غرض سے ہے۔ تاکہ مرکز موجودات کیطرف خالص ترین وجود پاک و صاف ہو کر آئیں۔ ناپاک و غیر خالص موجودات اس مرکز سے اسوقت تک قریب نہیں ہو سکتے جب تک کہ حد فاصل قائم ہے۔ اس حد فاصل کا دروازہ امام وقت ہے۔ دروازے سے داخل ہو کر مرکز تک پہنچنا ممکن ہے۔

مرکز عالم اول مخلوق الٰہی ہے۔ محیط شریعت یا قانون قدرت ہے۔ ذریعہ وصول فی المرکز یا اس مرکز تک پہونچنے کا وسیلہ محیط کا نصف قطر عالم شریعت یا امام وقت ہے۔ بلا وساطت قطر یا نصف قطر مرکز محیط معلوم نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حدیث شریف میں مذکور ہے

انا مدینۃ العلم و علی بابہا فمن اراد العلم فالیات الی الباب میں علم کا شہر (محیط) ہوں۔ اس کا دروازہ علیؑ ہے جس کو علم حاصل کرنا ہو۔ (یا شہر علم میں داخل ہونا ہو۔ اسکو چاہیئے کہ دروازہ سے آئے (یعنی علم کو علیؑ سے سیکھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

روز محشر سیاہ شود چوں قیر	چہرہ دشمن جناب امیرؑ
شکر منعم کہ نیستم منکر	از ولائے امیرؑ خیبر گیر

بعثت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹا برس شروع ہوا تو مصر سے بنی اسرائیل کو لیکر نکلے۔ اور حوریب کے دامن میں آئے یہ وہی پہاڑ ہے کہ جس کی ایک چوٹی طور کہلاتی ہے۔ اس جگہ مقام ہوا۔ توریت ہدایت بنی اسرائیل کے لئے عطا ہوئی۔

کلام پاک میں خداوند عالم نے کچھ لوگوں کو خلیفہ مقرر کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان میں سے اول حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام ہیں۔ آیہ وانی ہدایہ انی جاعل فی الارض خلیفہ میں خلیفۃ آنحضرت علیہ السلام ہیں۔

(۲) حضرت ہارون علیہ السلام کے تذکرے میں اذ قال لاخیہ ھرون اخلفنی فی قومی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت کو خلیفہ مقرر کیا۔

(۳) تذکرہ حضرت داؤد علیہ السلام میں۔ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق

(۴) امت موسوی کے تذکرے میں جبکہ انھوں نے گوسالہ پرستی اختیار کی۔ بئسما خلفتمونی من بعدی اے بنی اسرائیل تم نے بری روش اختیار کی میرے بعد (یعنی میرے خلیفہ کی مخالفت کر کے برے خلیفہ کی متابعت کی۔

یعنی ایک ایسے شخص کا کہنا سنا جسکو میں نے مقرر نہیں کیا۔ اور میرے مقرر کئے ہوئے سے پھر گئے۔ یہ بڑا کام کیا۔
یہ چاروں تذکرے اشتباہات سلف کے ہیں۔ ایک اور تذکرہ بھی بصیغہ جمع ملتا ہے۔ جو اس امت محمدی کے
متعلق ہے۔

(۵) وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینہم الذی ارتضی لھم۔ خدا نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے رہے۔ یہ وعدہ کر لیا ہے کہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ مقرر کرے گا جس طرح ان کے قبل کے لوگوں کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اُن کے لئے اس دین کو تمکین دیگا۔ جو اس نے ان کے لئے پسند کیا۔

یہ آیہ وافی ہدایہ آیۂ استخلاف کہلاتی ہے۔ بڑی معرکۃ الآرا آیت ہے۔ اسپر اسقدر لکھا جا چکا ہے۔ کہ آیندہ قلم اُٹھانے کی جگہ نہیں رہی۔ اس لئے اسپر اضافہ کی کوشش فضول ہے۔ ہمارا مطلب اور مقصود صرف اسی قدر ہے کہ گذشتہ خلافتوں سے اس آیت کے مقصود خلفاء ممتاز ہو جائیں اور بس۔

آیہ مذکورہ میں ایک وعدۂ الٰہی چند امور کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے۔

(۱) وعدہ کے ایفاء کا تعلق ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ امنوا منکم (کسی زمانہ گذشتہ میں) تم لوگوں میں جو ایمان لا چکے۔ لہذا نومسلم، منافق اور کافر اس وعدہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ علاوہ اسکے شرطاً اعمال صالحہ ساتھ لگی ہوئی ہیں۔

(۲) وعدہ کا ایفاء مطابق اشتباہات سلف ہوگا جس طرح پہلے زمانہ کے لوگ خلیفہ تھے اسی طرح اس امت میں ہونگے

(۳) " " " تمکین دین پر منحصر ہے۔ غلبۂ دین دلائل و براہین کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور غلبۂ شاہی قوت و جمعیت پر۔ لہذا وعدہ مذکور میں اس پسندیدہ دین کو غلبہ اور تسلط دینے کا ذکر ہے۔ جو اُن کے لئے پسند کیا گیا۔

چونکہ دین مرتضی (پسندیدہ) ہے۔ اس لئے دین کے مالک یا ایمان والے بھی مرتضیٰ ہی ہونگے۔ غیر مرتضیٰ کا طریقہ (طریقہ دین) مرتضیٰ نہیں ہو سکتا۔

(۱) حدیث شریف میں مذکور ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ اول مخلوق الٰہی میرا نور ہے۔
" " " کنت نبیا و آدم بین الماء والطین میں آدمؑ کے خلق ہونے سے پیشتر نبی تھا۔
لہذا آنحضرتؐ اول المومنین ہوئے۔

" " " الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ حسنینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں لیکن بہشت خداوند عالم نے مومنین کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ خدا نے مومنین کی جانوں کے عوض جنت فروخت کر دی تو حسنین علیہما السلام سردار مومنین ہوئے۔ ہر شخص اپنی اور اپنے بزرگوں کی ملکیت پر سردار ہی ہوتا ہے۔

چونکہ وعدہ کا تعلق ایسے نفوس سے ہے جو کسی (گذشتہ) زمانہ میں ایمان لا چکے۔ اس لئے بجز رسولؐ و نفس رسولؐ و ذریت طیبہ رسول دوسرے قریب العہد لوگ مراد نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان پر وہ وعدہ صادق ہو سکتا ہے جو گذشتہ

زمانہ میں ان مومنین کے ساتھ کیا گیا (اس وعدہ کی خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی - قربانی اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلقات میں اس کا ذکر ہو چکا ہے)

(۳) خلفائے ماسبق کے متعلقہ آیات میں یہ امر ظاہر ہے کہ انکو خدا نے یا خدا کے حکم سے رسول نے خلیفہ مقرر کیا ان خلفاء میں کوئی ایسا دکھلائی نہیں دیتا جسکو شوریٰ یا اجماع امت نے مقرر کیا ہو۔ البتہ معز علی کے لئے اجماع ہوا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ایسے انکار کی کوئی ضرورت ہے۔

وعدہ الٰہی ان مومنین کے ساتھ یہی تھا کہ ہم خود تمکو خلیفہ مقرر کرینگے جس طرح آدمؑ و ہارونؑ و داؤدؑ علیہم السلام کو خلیفہ مقرر کیا لیکن آدم علیہ السلام کی خلافت علمی تھی ہارون علیہ السلام کی تشریعی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زہد و شجاعت میں نہ غلبہ و تسلط میں۔

وعدہ کے مطابق جو ان تینوں خلفاء اللہ کو فرداً فرداً ملا یہاں مجموعی حیثیت میں ملنا چاہئے۔ یعنی تقرر خدا کرے اور اعلان رسول کرے۔ علم بھی کامل ہو۔ امام بھی ہو شجاع بھی ہو زاہد و عابد بھی ہو اگر اس طرح سے خلافت قائم ہو تو وعدے کے مطابق ہے ورنہ یا وعدہ غلط ہو جائے گا یا خلیفہ مصنوعی قرار پائیگا

تمام کتب احادیث نبوی تمام کتب تواریخ دیکھ جایئے لیکن اقضاکم علیؑ کی مثال نظر نہیں آتی باب العلوم کی شان کہیں دکھلائی نہیں پڑتی - یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون کی تشبیہ کہیں صادق نہیں آتی کرار غیر فرار کے مقام پر کوئی نہیں ٹھہرتا جس وصف کو خداوند عالم نے معیار خلافت مقرر کیا اس کا ظہور ذات علیؑ میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے پس خلیفہ موعود بجز علیؑ دوسرا ہونا ممکن نہیں۔ بعد از علیؑ ہونا امر دیگر ہے۔ اس کی بحث نہیں اس بیان میں۔ ہم نے خلافت مندرجہ آیہ چہارم کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ خود ساختہ پرداختہ تھی اور خداوند عالم نے اس کو ناپسند کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خلافت کی نسبت لفظ بئس استعمال کیا۔ خارگل سے پھول کے اور غیر مرتضیٰ مرتضیٰ کے مساوی نہیں ہو سکتا۔

البتہ آیہ استخلاف میں خداوند عالم نے خلفا کو بصیغہ جمع ذکر فرمایا ہے اور بیان بالا میں صرف ایک خلیفہ نظر آتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ دنیا میں بعد از علیؑ آنحضرتؐ کے اوصاف والے خلفا موجود ہوں۔ تاکہ بحیثیت مجموعی وہ کل برکات جو خلفا ماسبق کو حاصل ہوئیں اُن کو عطا ہوں۔

تسلط ظاہری کو نظر انداز کرنیکے بعد ایسا کوئی وصف نظر نہیں آتا جو ذریت علیؑ کے گیارہ نفوس زکیہ میں نہ ملتا ہو۔ علم ورع زہد و تقویٰ۔ صبر و حلم۔ شکر و احسان۔ سخاوت و شجاعت۔ فصاحت و بلاغت وغیرہ تمام اوصاف میں انکا کوئی ہمعصر ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکا۔ لہذا یہی وہ سلسلہ خلفائے موعود ہو سکتا ہے جو مفہوم آیہ استخلاف ہے ظاہری تسلط اگر معیار خلافت حقہ قرار پائے تو علاوہ اہل کتاب کے بیشمار کفار و مشرکین بادشاہ ایسے ہو گذرے جن کا تسلط فی الارض مورخین نے تسلیم کیا ہوا ہے زمانہ گذشتہ سے قطع تعلق کر کے زمانہ حال پر سرسری نگاہ ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ کل زمین کا ذکر چھوڑ کر صرف زمین مقدس میں بھی زیر اثر برطانیہ عظمیٰ ہے۔ اپنے اصول کی بنا پر حضور

قیصر ہند کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرنا پڑے گا۔ لیکن اس معیار کی بنا پر مسلم دنیا تسلیم خلافت پر تیار نہیں ہوتی آخر وجہ ؟

تسلیم کرنا پڑیگا کہ معیار تسلط خودغرضی پر مبنی ہے اور نفسانی فوائد کے لئے وضع ہوا ورنہ دراصل معیار حقیقی وہی ہے جو خداوند عالم نے قائم کیا۔ اس لئے بادشاہ دنیا روحانی حاکم نہیں ہوتے۔ دینی سرداری یا روحانی حکومت اُسیکو نصیب ہوتی ہے جسکو خدا مقرر کرے۔ بنی اسمٰعیل میں سے ایسے بارہ سردار مقرر ہونے کا وعدہ ابراہیم علیہ السلام سے ہوا اور وہی سردار مقصود آیہ استخلاف ہیں ہمہ شما اس میں داخل نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام آخر خلفائے مذکور فی القرآن اور انتہائے ماسبق تھے آنحضرت نے بشیار اوصاف اور پیشینگوئیاں متعلق بہ امیران اثنا عشر بیان فرمائی ہیں جو مشتے نمونہ از خرواری کے مطابق اپنے مقام پر مذکور ہونگی (الخ)

اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی دینی و دنیوی ہر دو حالتیں بہت اچھی تھیں۔ مالی بہبودی کا اندازہ خراج ممالک سے ہو سکتا ہے۔ اور اس کا تخمینہ اس لاگت سے جو تعمیر ہیکل میں صرف ہوئی۔ یہ زمانہ عروج بنی اسرائیل تھا فلسطی مجسی ہندی و صحرائی۔ حبشی و بربنیاد جنات و غولات سب ہی مطیع و منقاد تھے۔

رعیت کی خوشحالی فراغبالی دینداری و دنیاداری بادشاہ کے رویہ پر ہوتی ہے دانا و فرزانہ حاکم نعمت غیر مترقبہ ہے اور پھر سلیمان علیہ السلام سا فرزانہ آپ کے اقوال ضرب الامثال کی صورتوں میں اب بھی وجدانی کیفیت پیدا کرتے ہیں مثل مشہور ہے کلام الملوک ملوک الکلام اور پھر بادشاہ بھی وہ جو خدا کا برگزیدہ نبی ہو اُس کا کلام روح الکلام ہوگا۔

عروج کے بعد زوال ہوتا ہے۔ اور زوال کے بعد عروج یہ گردش ایام ہیں۔ تلک الایام نداولہا بین الناس لیکن عروج و زوال کے لئے وجوہات ہوا کرتی ہیں۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔

خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی — نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

انسان جیسا کریگا ویسا پائیگا۔ مال و دولت کا نشہ معمولی نہیں ہوتا۔ اس کے ہوتے ہوئے انسان اپنی اصلیت کو فراموش کر دیتا ہے۔ حدود الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ قانون غربا کے لئے ہوتا ہے امرا و اغنیا قانون بنانے کیلئے ہوتے ہیں۔ اور قانون کی خلاف ورزی اُن کے لئے ایسا سخت گناہ نہیں ہو سکتی ان کی دولت انکے عیوب کی ساتر ہو جاتی ہے۔ بقول شاعر۔

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا — ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

آخر نتیجہ یہ کہ بڑے بڑے لوگوں کی تقلید غربا بھی کر بیٹھتے ہیں اور شریعت کے احکام صرف کتابت تک محدود رہ جاتے ہیں علما بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں امرا کو خوش کرنے کے لئے شریعت کا گلا گھونٹنا فخر ہو جاتا ہے اب فتوی ہے وہ اغنیا کے حق میں اور شریعت کے احکام انکی مرضی کے مطابق۔

بنی اسرائیل بھی اس سے خالی نہ رہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھ بند ہوتے ہی آپس میں کشمکش پیدا ہوگئی لہو ولعب نے گھر جمایا شیرازہ بکھر گیا، اصلاح کیلئے انبیا آئے دنیا پرست علمائے فتووں نے تلوار کے گھاٹ اتروا دیئے ایک اخاب کے زمانہ میں تیس ہزار نبی ایک دن میں قتل ہوئے تحریف معنوی و تحریف لفظی کا بازار گرم ہوتا ہی رہا۔ ایک دو یا دس بیس فیصدی بگڑ جائیں تو نکال پھینکنا سہل ہے لیکن جب آوے کا آوا ہی بگڑ جاتے تو بجز از سر نو بنا کر ترتیب دینے کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

اس آنیوالے عذاب کی منادی کے لئے حضرت یرمیاہ مبعوث ہوئے مگر کون سنتا آخر وہ زمانہ آگیا کہ بخت نصر کی افواج قاہرہ نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی بنی اسرائیل قید ہو کر بابل پہنچے ہیکل مسمار ہوئی یہی اسیری بابل کہلاتی ہے اس تباہی عام میں حضرت یرمیاہ حزقیل دانیال عزیر و نحوم علیہم السلام انبیا بھی قید ہو گئے کچھ سزا اور کچھ ان خدا رسیدہ نفوس کی دعا۔ زمانہ اسیری زیادہ طویل نہیں ہونے پایا پہلی نسل کے گنہگار چل بسے اور بچے جوان ہوئے کل ۷۰ برس غلامی کا داغ پیشانی پر چمکا یہاں تک کہ بیلشضر بن آدایل مرودک بن بخت نصر تخت نشین ہوا یہ وہ بادشاہ ہے جس نے جلسہ شراب قائم کر کے ہیکل کے پیالوں میں شراب پی اسی جلسہ کے دوران میں وہ الفاظ دیوار پر منقش ہوئے جس کے پڑھنے کے لئے حضرت دانیال طلب ہوئے کلدانی قوم جاہل نہ تھی لیکن راز کی باتیں راز دار ہی جانے کتبہ یہ تھا منے تقیل و فرسین (منع صنع تقتل فارسین) بار بار تنبیہ کی گئی باز نہیں آیا۔ لہذا فارس والوں کو سلطنت ملی لہراسپ بادشاہ ہوا اور بنی اسرائیل غلامی سے آزاد ہوئے۔ لہراسپ نے حضرت دانیال علیہ السلام کو اپنی وزارت پر مقرر کیا۔ بنی اسرائیل نے لہراسپ اور اس کے جانشینوں کے زمانہ میں یروشلم کو بار دیگر آباد کرنے کی تحریک کی۔ آخر کامیاب ہوئے۔ انہی تحریکات کے ایام میں حضرت دانیال علیہ السلام نے مختلف پیشگوئیاں کیں تیاری ہیکل کے متعلق ستر سال کی نبوت آردشیر کے عہد میں ہوئی۔

تقریباً سب نبوتوں کی تاریخ حضرت دانیال علیہ السلام نے تیاری ہیکل سے شمار کی سوائے اُن کے جن میں زمانہ کی قید ساتھ لگائی گئی ہے۔

تقریباً ایک سو پچاس سال کے بعد ہیکل میں عبادت از سر نو جاری ہوئی۔ لیکن زمانہ بدلجاتا ہے عادت نہیں بدلتی ذرا آرام سے عمر گذرنے لگی تو پھر وہی پہلی روش اختیار کر لی۔ وہی باہمی نفاق اور خانہ جنگی۔ یہاں تک کہ وہ سکندر اعظم کی رعیت بنے۔ یہ تنبیہ بھی کارگر نہ ہوئی تو اس سے ۱۶۳ برس بعد انٹوکس (ANTLOCHS) رومی نے حملہ کیا۔ فتح کی خوشی میں ہیکل مقدس میں سور قربانی کیا اور اسکا گوشت قربانگاہ پر نذر چڑھایا شریعت موسوی کے مطابق یہ بخس العین ہے۔ لہذا مقدس اور قربانگاہ دونوں نجس قرار پائے یہ ولادت مسیح علیہ السلام سے ۱۷۰ برس پہلے رونما ہوا۔

اب ہم اس زمانہ تک پہنچ گئے کہ سلسلہ ہدایت بنی اسرائیل میں آئندہ بند ہو گیا انکی مخالفت نے انکے موجودہ رہبر کو انکے درمیان سے غائب کر دیا۔ مخالفت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہاں کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ بات بات میں مخالفت سیتا کو غیر اسرائیلی کہہ دینا تم کا گولہ تھا۔ عالم جاہل چھوٹے بڑے تبرا دکرنے پر تل گئے۔ وہ تو خیر گذری کہ آنحضرت اسکے بیچ کر

نکل گئے ورنہ ضرور پتھر برسا دیتے نفیسی فریسی کاہن سب دشمن بن گئے حقیقت الامر یہ ہے کہ جس اعتقاد کو وہ اپنے خیال
میں جاتے ہوئے تھے یہ تعلیم اس کے منافی تھی اُن کو فخر تھا کہ نبوت کا منصب تقریباً دو ہزار برس سے اُنکے درمیان
ہے خداوند عالم نے ہماری قوم کو اقوام عالم کے لئے نمونہ ہدایت قرار دیا ہے وہ اپنے برابر کسی دیگر قوم کی وقعت
نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے بنی اعمام کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تکبر خدا کی پتلے کو زیبا نہیں۔ دنیا میں نسلی
امتیاز ہمیشہ نقصان رساں ثابت ہوا ہے خداوند عالم نے انسان کو ایک ہی نسل سے پیدا کیا ایک آدم علیہ السلام
کی اولاد سے دنیا کو معمور کیا پھر نسلی فوقیت کیا۔ ہاں خداوند عالم نے جو امتیاز قائم کر دیا ہے اس سے تجاوز کرنا حماقت و
جہالت ہے ایمان اور کفر دو متضاد کیفیتیں ایسی ہیں جو ایک دوسرے سے ہمیشہ متصادم ہوتی رہی ہیں لہذا ایمانداروں کو غیر
ایمان کے علاوہ دوسرے بنی نوع انسان سے کوئی زیادتی نہیں اس قسم کے اعتقاد والے ایک گروہ ایک جرگہ، ایک قبیلہ یا
قوم کہلانے کا حق رکھتے ہیں ایک دوسرے کے کفو ہیں لیکن کافر مومن کا کفو نہیں کیونکہ دونوں ایک خط مستقیم پر کھڑے نہیں
ہو سکتے چنانچہ بنی اسرائیل میں اس نسلی تفوق کا خیال ایسا راسخ ہو گیا تھا کہ بہت سے اپنے ہی بھائیوں کو بھی رکل میں آنکی حماقت
تھی کیونکہ انھوں نے ان اقوام کو اپنے برابر سمجھا جو ایمان لا کر اعتقادی دنیا میں اُنکے ہمسر تھے یعنی سامریہ میں آباد
ہوئی۔ بھلا جنکا اولاد اسحاق علیہ السلام سے یہ سلوک ہو پھر بنی اسمٰعیل یا بنی قطورہ کس گنتی میں تھے۔

نبی کی بعثت کی غرض رفع اغلاط ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مختلف اغلاط کی تصحیح کی کوشش کی۔
اس فخر کو جو نبوت کی بنا پر اُنکے دلوں میں جاگزیں تھا آنحضرت نے یہ امر فرما کر درست کرنا چاہا میں تم سے
کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اُسکے پھل لائے دیدی جائیگی جب نبوت ہی نہ رہی
تو اس پر فخر بیجا۔ باپ دادوں کی نبوت اُنکے لئے باعث عزت ہوئی اولاد کا اُنہیں کیا حصہ بزرگوں کی متابعت اور اُنکے
نقش قدم پر چلنے کا فخر اسوقت زیبا ہے جبکہ قول اور فعل مطابق ہوں ورنہ وہ غیر شخص جو تقلید میں ہم پر سبقت کرتا ہے
وہ ہم سے افضل ہوگا۔ ذات پات یعنی نسلی افتخار کوئی کام نہیں کر سکتا جناب امیر علیہ السلام نے بھی اس خیال کی تردید فرمائی ہے۔

بجد لا بجد کل مجد وباجد بلا جد مجد فرماتے ہیں کہ

انسان کی شرافت اور بزرگی فخر و سیادت اُسکے اپنے اعمال اور کوشش پر مبنی ہے باپ دادا کی شرافت و سیادت پر فخر بیجا
ہے ذرا غور کرو اور سوچو کیا باپ دادا کو یہ شرف بغیر سعی کے مل گیا! جو تمکو مل جائے یعنی انھوں نے سختیاں جھیلیں صعوبتیں
اٹھائیں تکلیفیں سہیں اپنے ارادے پر مستقل رہے مقصد کو فوت نہ ہونے دیا جان کی پرواہ نہ کی تب اُن کو یہ شرف
حاصل ہوا اور تم یہ چاہتے ہو کہ بیٹھے بٹھائے شرافت کے مالک بنجاؤ بزرگی کا درجہ حاصل کر لو برائے نام ضرور
شریف کہلا سکتے ہو لیکن شرافت حقیقی وہی ہے کہ دیکھنے والا اُنکو شریف سمجھے یعنی میراث پدر خواہی علم پدر آموز۔
ورنہ نالائق اولاد بدنام کنندۂ نکو نامے چند سے زیادہ نہیں اُنکی وجہ سے بزرگوں کا نام بھی بدنام ہو جاتا ہے۔

خیر مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کی عزت پر فخر کرنا بیجا ہے جب تک کہ ہم ویسے ہی نہ ہوں جیسا کہ وہ تھے۔
بنی اسرائیل نبیوں کی اولاد تھے لیکن روش اُن کے مخالف تھی۔ آخر نبوت و خدا کی بادشاہت اُنکے

نبوت حکومت روحانی ہے ہر ایک سلطنت میں ایک ہی بادشاہ ہوتا ہے امراء وزراء درباریں اور ماتحت سردار نہیں کچھ فرق ہوا کرتا ہے قوانین کی اجراء اُسکے مفہوم کی وسعت کا اعلان اُسکی تعمیل کے طریقے دربار سے متعلق ہوتے ہیں جو سرداروں کو (صوبہ داروں کو) مفصل ہدایات کیشکل دیے جاتے ہیں یہ سردار اپنی رعایا میں اُس قانون کا نفاذ کرتے ہیں اور عملاً اُسپر تعمیل کرکے دکھلاتے ہیں خود پابند قانون ہوکر دوسروں کو اُسکی پابندی پر مجبور کرتے ہیں لہذا یہ سردار قائمقام رکن دربار یا قائمقام بادشاہ کہلاتے ہیں اگر بادشاہت کو ایک شجر فرض کیا جائے تو بادشاہ اُس کی اصل ہوگی وزارت اس کی جسامت یا تنہ اراکین دربار شاخیں رعیت پتے اور سردار ثمر۔

لیکن غایت شجر، شاخ و برگ و گل نہیں ہوتے بلکہ ثمر ہوتا ہے لہذا سلطنت کا قیام و دوام سرداروں پر منحصر ہوگیا۔ اگر سردار عمدہ اور لائق ہوں تو سلطنت مستحکم ہے اگر عمال خائن نالائق یا پابند قانون نہیں تو سلطنت کا شیرازہ ڈھیلا ہوجائیگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ الہٰی تھا کہ ملکوں کے بادشاہ اسحٰق سے ہونگے اور بارہ سردار اسمٰعیل سے تاریخ عالم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل تمام دنیا پر حکمران نہیں رہے صرف معدودے چند بادشاہ اُنکے درمیان ہوئے اس کے مقابلہ میں غیر اسرائیلی بادشاہوں کی تعداد بیشمار ہے۔ لہذا بادشاہ سے دنیاوی بادشاہ مراد نہیں ہوسکتے البتہ روحانی بادشاہی کی صورت میں یہ وعدہ حق نکلتا ہے اسی طرح بنی اسمٰعیل میں سرداروں کی تعداد صرف روحانی سرداری کی صورت میں سچی ہوتی ہے اس روحانی سرداری کو امامت کہتے ہیں لیکن غایت شجر ثمر اور غایت حکومت وفادار سرداروں کا وجود اور یہ ثابت ہوا لہذا غایت نبوت امامت قرار پائی اور کلام مسیح علیہ السلام کا یہ مفہوم ہوا کہ نبوت بنی اسرائیل میں اب نہ ہوگی بلکہ ان لوگوں میں ظاہر ہوگی جنکو امامتِ خلق نصیب ہوتی ہے یعنی بنی آئندہ اسمٰعیلی ہوگا جسکے بعد سرداروں یا آئمہ کا سلسلہ شروع ہوگا (حسب وعدۂ الہٰی)

پہلے ذکر ہوچکا کہ نبوت حکومت روحانی ہے جسکا قائم کرنیوالا خداوند عالم ہے وہ ایسی ذات ہے جو رویت میں نہیں آسکتی۔ وہ تو درکنار ہماری روح جو مخلوقات سے ہے ایک غیر مرئی شے ہے ہم نہیں جانتے وہ کیا ہے؟ کیسی ہے اور کیونکر ہے۔ مخلوق کی رویت محال ہے تو خالق کی محال تر ہوگی۔

فہم و ادراک انسانی اُس شے کی ماہیت دریافت کرنے سے عاجز ہیں جو رویت میں نہ آئے یا ادراک سے باہر ہو اس لئے ایسے وجود کی معرفت حاصل کرنا دشوار ہے جبتک کہ شواہد حقیقیہ اُس کے وجود پر دلالت نہ کریں اور بغیر فہم و ادراک کو منزل مقصود پر پہنچانیوالا موجود نہو لہذا ایک ایسے ذریعہ یا وسیلہ کی ضرورت ہے جو ہماری فہم سے بالاتر پرواز رکھتا ہو۔ اور منزل مقصود سے واقف ہو۔ ورنہ یہ بلند پروازی عبث کا سامنا اور آفت سے پالا ڈالے گی۔

اس عالم کا وجود اجسام پر مشتمل ہے خواہ لطیف ہوں یا کثیف اس سے بحث نہیں البتہ یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جسم طبعاً

متحرک ہو یعنی حرکت ایک ایسی کیفیت ہو جس کے لئے جسمیت کی ضرورت ہو۔ مکان کی احتیاج ہو۔ اور وقت کی قید بذات خاص اس کیفیت کی ماہیت کو کوئی واقف نہیں صرف اس کے اثر سے اس کے وجود کا علم ہوتا ہو لیکن ہر کیفیت خود بخود ظاہر نہیں ہوتی جبتک کہ کوئی موثِّر نہ ہو اور پھر موثر کا اثر قبول کرنے کے لئے موثَّر بھی ہو۔

لہٰذا حرکت اسوقت ہوسکتی ہے جبکہ دو وجود موجود ہوں۔ ایک موثِّر۔ دوسرا موثَّر۔

ظہور اثر ایک خاص قاعدۂ فلسفیہ کے ماتحت ہوتا ہے جسکو عقلاء نے چند صورتوں میں بیان کیا ہے۔

(۱) ایک وقت میں ایک سو ایک ہی فعل ہوسکتا ہے (۲) دو موثِّر ایک قسم کے ایک مقام پر جمع نہیں ہوسکتے جبتک کہ وہ دونوں ملکر ایک ہی موثِّر نہ ہوں۔ (۳) زمان ومکان کی قید اجسام سے متعلق ہو غیر اجسام اس سے بری ہیں۔ (۴) ہر ایک جسم کی ابتدائی ذرات کو ہوتی۔ جو صرف ایک ہی طرف متحرک ہوتے ہیں۔ دوسری جانب نہیں ہوتے اُن میں ایک خاص قوت ظاہر ہوتی ہو۔ جو اُن کو دوسری جانب جانیسے روکتی ہو۔ (۵) قوت کا ظہور فعل کی صورت میں اس وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ اس قوت سو ایک مخالف پیدا ہوجائے۔ اور قوت اصلی اس روک پر غالب آئے۔

ان مسلمہ اصول کی بنا پر موثِّر ایک مقابل موثَّر کو پیدا کرسکتا ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں قوت کا ابتدائی ظہور قوت کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ دیگر کوئی صورت ممکن نہیں۔

عالم میں پانچ ایسی قوتیں نظرآتی ہیں جو تمام اجسام کی غایت پائی جاتی ہیں۔ برق (بجلی) کشش (مقناطیس) نور (روشنی) حرارت (گرمی) اور حرکت۔ لیکن یہ پانچوں صورتیں ایک ہی ہیں۔ ظاہری صورت نے نام بدلڈالے۔ ورنہ برق کا وجود، حرکت، کشش، روشنی، اور حرارت اپنے ساتھ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسروں کی بھی یہی کیفیت ہو۔ فی الحقیقت یہ سب نام قوت یا قدرت کے اثرات ہیں۔

قوت ایک صفت ہو جو موصوف کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ جب تک قوی کا وجود نہو قوت نہیں ہوگی یہی حالت قدرت کی ہے جب تک قادر نہ ہو قدرت کا وجود ممکن نہیں۔

لہٰذا قادر مطلق نے اپنی قدرت دکھلائی۔ ایک نورانی کیفیت ظاہر ہوئی۔ اس کیفیت نورانی کو دو قسم کیا ایک نور خفی ہوا۔ دوسرا نور جلی۔ دونوں کے درمیان کشش قائم کی جس سو حرکت وحرارت وجود میں آئیں اس خمسہ متحرکۂ اولیہ سے بنا ہے عالم قائم ہوئی۔

غور کیجئے تو قدرت کا عارف وہی ہوسکتا ہے۔ جو کچھ قدرت رکھتا ہو جسمیں قدرت ہی نہیں وہ قدرت کو کیا جانے۔ اس کے نزدیک پتھر بھی قادر۔ انسان بھی قادر۔ دیگر مناظر قدرت بھی قادر۔ زمین بھی قادر۔ افلاک بھی۔ جوہر کی قدر جوہری کرتا ہے اس کی نظر میں وہ قوت موجود ہے جو جوہر کی آب وتاب میں روشن ہو لہٰذا اس خمسۂ نورانیہ سے بہتر عارف قادر مطلق نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اس کے بالاتر کوئی وجود حادث ممکن ہو جسپر سب سے قبل قدرت نے ظہور کیا اور اسکو اپنا نمونۂ قدرت یا مظہر صفات بنایا جسکا نمونۂ قدرت مصدر تجلیات ہو۔ وہ خود کیسا عظیم الشان ہونا چاہئے۔ اللہ اکبر۔

الانسان ضعیف البنیان جس کی عمر گنتی کے چھ سات ہزار سال سے زیادہ نہیں۔ اس نورانی زمانے کو اپنے الفاظ میں کیونکر ڈھالے کبھی اس کا جلوہ دیکھا ہوتا تو حریم آثار نا سہل تھا۔ اندریں صورت آدمی کے الفاظ اس زمانے کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں جس نے اسوقت کا جلوہ دیکھا یا دکھلایا۔ قرآن پاک میں اس زمانہ کا تذکرہ آیۂ نور میں آیا ہے کس خوش اسلوبی سے اس ابتدائی خلقت کا فیصلہ کر دیا ہے کہ خیال کرنے سے بے اختیار "ربنا لک الحمد" وصل علی محمد و آل محمد کی آواز کی گونج زبان سے نکلتی ہوئی کانوں تک پہونچتی ہے۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض ۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ۔ المصباح فی زجاجۃ ۔ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٓ ولو لم تمسسہ نار ۔ نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء ۔ ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیٔ علیم ۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال ۔ رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ط

اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے (یعنی اللہ زمین اور آسمانوں کو روشن کرنیوالا ہے۔) اس کے نور کی مثال چراغ کی مانند ہے جس کی بتی (روشن) ہو۔ یہ روشن بتی فانوس (گلوب یا چمنی) کے اندر ہو۔ گلوب یا فانوس روشن ستارے کی مانند ہو۔ جو شجرۂ مبارکۂ زیتونہ سے روشن ہوتا ہو۔ نہ شرقی ہو نہ غربی۔ اس کا روغن خود بخود روشن ہو اگرچہ کبھی آگ نے اسکو چھوا بھی نہ ہو۔ یہ نورانی کیفیت ہے (نور کے اوپر نور) خدا جسکو چاہے اپنے نور کیطرف ہدایت کرے اور لوگوں کے لئے اللہ تمثیلیں بیان کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ہر ایک شے سے اچھی طرح واقف ہے۔ ایسے گھروں میں جن کے بلند کئے جانے کی اللہ نے اجازت دی ہے۔ (یعنی جن کی عزت و توقیر و اطاعت کا حکم دیا) تاکہ اس کے ذریعہ اس کے (اللہ کے) نام کا ذکر کیا جائے (یعنی اس رفعت کو عبادت قرار دیا) اور اس (رفعت) میں صبح سے رات تک اس کی تسبیح کیجائے (یہ نور) کچھ لوگ ہیں کہ خرید و فروخت (مشاغل دنیاوی) ان کو ذکر خدا اقامت صلوٰۃ و اداے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

ہمارے الفاظ میں یہ مطلب اسطرح ادا ہو گا کہ خداوند عالم نے ہدایت عالم کے لئے ایک نور خلق فرمایا اور عرصۂ دراز تک اس نور یا ضو کو ہدایت مخلوقات کے لئے معلق رکھا جس طرح کہ قندیل لٹکا ہوا ہوتا ہے پھر اس نور یا ضو کو شجرہ مبارکۂ زیتونہ سے معلق کر دیا۔ جو اس شجرہ سے متوسل ہوا اس نے ہدایت پائی۔ یہانتک کہ یہ نور ان گھروں میں آیا جنکی عزت و توقیر کا حکم دیا گیا۔ اور ایسے نفوس اس سے خلق کئے گئے کہ مشاغل دنیا ان کو غرض خلقت (عبادت الٰہی) سے غافل نہ کر سکی۔ ان کی معرفت، معرفت الٰہی قرار پائی۔ ان کی عزت و توقیر و اطاعت، عبادتِ الٰہی محسوب ہوئی ان کی محبت محبت الٰہی اور فلاح دارین کا باعث ہوئی۔ یہ نور اوّل مخلوق الٰہی تھا۔ وسیلۂ فیضان الٰہی ہوا۔ اسکو قلب جملہ عوالم گردانا۔

(قلب کا قلب قبل نقل بلق لبق اور لقب ہوئے۔ یعنی اسی قلب کے الٹ پلٹ کرنے سے ابتدائے زمان و مکان

وشجر دجو علم یا معرفت ظاہر ہوئے)

وہ شجرۂ نورانیہ ہر ایک موجودات عالم سے گذر کر خاک میں نہاں ہوا۔ ایک بیج تھا کہ بویا گیا۔ خاک حنیض اس نورانی تخم کی مجانست سے چمک اوٹھی۔ قابل تعلیم و تکریم قرار پائی۔ بقول سعدی رح

گلے خوشبوئے در حمام روزے ÷ رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ÷ کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ÷ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد ÷ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

پودا اگا۔ مٹی نے ساتھ دیا۔ نور اس پردہ میں پنہاں تھا۔ وہ ذرات ارضی جو اس نور سے ملحق تھے۔ اسی کی صحبت سے نورانی صفت ہو گئے۔

لیکن یہ نور نہ ابتدا والوں (آتش پرستوں) میں تہا نہ انتہا والوں (اسرائیلیوں) میں بلکہ ایک مخصوص گھرانے میں جس کا ذکر ہمیشہ ہوتا رہا۔ یہ ایک عبادت قرار پائی کہ صبح و شام اس نور اور اس کے مقام ظہور کا درود کیا جائے (صحیفہ ملاکی ۴)۔ یہاں تک کہ یہ نور اپنی دونوں صورتوں (خفی و جلی) کے ساتھ کچھ نفوس (رجال) کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان نفوس کی علامت شناخت یہ ہے کہ مشاغل دنیا اون کو یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتے ان کا نوم و یقظہ خواب و بیداری یکساں ہے۔ راحت و تکلیف بادشاہی و اسیری، تخت سلطنت و تختہ تابوت یا شمشیر قاتل ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ ان کی محفل سرور یا میدان جنگ عبادت الٰہی میں مخل نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ نفوس ہیں جن کی تعریفیں تورات و انجیل میں بھری پڑی ہیں۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینہم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔ کزرع الخ

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں۔ کفار پر سخت اور آپس میں نہایت مہربان ہیں رکوع و سجود میں ہی نظر آتے ہیں۔ فضل و خوشنودی الٰہی کے سزاوار ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کی پیشانی پر گٹے پڑ گئے ہیں یہی علامت اُن کی تورات میں مذکور ہے۔ اور ان کی مثال انجیل میں "زراعت"...... سے دی گئی ہے۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ پیشتر توراۃ و انجیل سے ان نفوس طیبہ کی معرفت حاصل کیجائے اور اس کے بعد مناسک کا سلسلہ شروع ہو۔ تاکہ واقعہ کی اہمیت تاریخ کا سلسلہ خود پیدا کر لیوے "مشک آنست کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید"۔ آیہ مذکورہ کے مطابق توراۃ میں ان کو "نسل" اور انجیل میں "کشت یا زراعت" کے ذیل میں تلاش کرنا چاہئے اس ارشاد الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اسفار انبیا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ نعم المولیٰ ونعم النصیر الیہ توجہت وھو نعم الوکیل

سب سے پیشتر جو کتاب حالات قدیمہ و آئندہ پر مشتمل ہے۔ وہ کتاب ناموس ہے یعنی کتاب پیدائش۔ اخبار و خروج

شمار اتنی یہ وہ صحیفے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہیں اگرچہ ابنائے زمانہ کی دستبرد نے ان پر اپنا ہاتھ پھیرنے میں کمی نہیں کی لیکن حقیقت چھپانے سے نہیں چھپتی۔ عبارت کو کتنا ہی مقدم موخر یا مشکوک کر دیا جائے۔ تدبر کی نظر اصلی واقعات تک جا پہونچتی ہے۔ چنانچہ "نسل" کے متعلق وہ پہلا وعدہ الٰہی ملتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا

(۱) کتاب پیدائش باب ۱۷ آیہ ۲۰۱۵+۲۱۰۰۰۰ "اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے"۔

وعدۂ الٰہی کے مطابق نسل اسمٰعیلؑ سے "بارہ سردار" (دینی پیشوا یا سردار) مقرر ہوئے۔ اس میں نہ کسی کمی ہے۔ نہ دنیانی دنیاوی پہلو ہو یا دینی جس طرف یہ تعداد پوری ہوگی۔ وہی مقصودِ الٰہی قرار پائے گا

دنیاوی سرداروں کا اولاد اسمٰعیلؑ میں کوئی شمار نہیں کیونکہ بادشاہوں کی تعداد ہزاروں پر پہونچتی ہے۔ لہٰذا یہ سرداری مقصود وعدہ الٰہی نہیں ہو سکتی۔ صرف دینی سرداری باقی رہی۔ اس کا دعوے ابتدائے اسلام سے پیشتر کسی نبی اسمٰعیلؑ نے نہیں کیا۔ بعد از دعوت اسلام "بارہ سرداروں کا وجود" حسب فرمان رسول مقبول آئمہ اہلبیت میں موجود ہے۔ ان آئمہ برحق کے دسویں سردار کا نام کتاب مکاشفۂ یوحنا میں بتلایا گیا ہے کیا یحیٰی

ایک اور امر بھی ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ اسمٰعیلؑ علیہ السلام کے متعلق ہوا۔ اس کی نوعیت تو اور گذری لیکن اسحٰق علیہ السلام اس وعدہ میں شریک نہیں۔ لہٰذا۔ ان کی نسبت یہ دوسرا وعدہ ہوا۔ "زمین کے بادشاہ اسحٰق علیہ السلام سے ہوں گے۔ اور میں اس کے ساتھ اپنا عہد جو ابدی ہوگا باندھوں گا"۔

لہٰذا یہ نوعیت دیگر ہے۔ (۱) یہ کہ بادشاہی اسحٰق "زمین" سے متعلق ہے اور اس سے وہ زمین مخصوص مراد ہے جس کے متعلق ابراہیم علیہ السلام سے پیشتر وعدہ ہو چکا تھا۔ اس زمین موعود میں جس قدر انبیا ہوئے وہ سب اسحٰق علیہ السلام سے۔ (۲) یہ کہ مخصوص قطعہ کی بادشاہی تمام روئے زمین کی بادشاہی نہیں ہو سکتی (۳) زمین موعود کی وراثت اسی دعوے کی بنا پر بنی اسرائیل کو ملی عیسا تو (العیص) بن اسحٰق علیہ السلام کی اولاد بھی اس میں شامل نہیں ہوئی (۴) ایک قطعہ زمین کا ایک زمانہ دراز تک خود مختار رہنا۔ اس کی دوامی خود مختاری کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ روئے زمین کے حضور اس کو سر جھکانا پڑے گا۔ ورنہ اس کی ریاست کی خیر نہیں ہو سکتی۔ (۵) علاوہ بادشاہی زمین موعود بنی اسحٰق کے ساتھ ایک ابدی عہد قائم ہوا۔ وہ یہ کہ کل بنی اسرائیل کے انبیا آمد مسیا کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ہمیشہ تجدید عہد ہوا کرے۔ تاکہ یہ فراموش نہ ہو جائے۔ اور بنی اسرائیل اس سے غافل ہو کر مسیا کی مخالفت کرنے لگیں۔

اس وعدے کو انبیا علیہم السلام نے کس طرح ایفا کیا؟ حوالہ جات ذیل سے ظاہر ہوگا۔

(۲) "یہودا سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا۔ نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا جب تک شیلا (یا شیلو) نہ آئے"۔ (پیدائش ۴۹ آیہ ۱۰۔ برکت یعقوب علیہ السلام وقت رحلت خود۔)

شیلا عبرانی لفظ ہے اس کا ترجمہ شیر خدا۔ (اسد اللہ) ہوتا ہے۔ دوسری کتابت شیلو یا شلو کا ترجمہ قاتل اژدر۔ (حیدر) ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اپنی وصیت کے مطابق بتلایا کہ بنی یہودا کی اولاد میں نبوت

وحکومت اسوقت تک باقی رہے گی جب تک کہ اسد اللہ یا حیدر کا ظہور نہ ہو۔ بنی یہودا میں نبوت وحکومت کا سلسلہ حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع ہوا۔ اس قبیلہ میں آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ نبوت بنی یہودا کا سلسلہ احکامات عیسوی کی تبلیغ میں جاری رہا۔ اگرچہ کنعان سے بنی اسرائیل جلا وطن کئے گئے لیکن عرب کے بعض مقامات میں بنی یہودا کی حکومت باقی تھی۔ چنانچہ ہشام خیبری سردار قلعہ قموص۔ بنی قینقاع دفدک والے یہودی ہی تھے۔ ان میں (بنی یہودا میں) ریاست اور نبوت کا دعویٰ فتح قلعہ قموص تک باقی رہا۔ یہ قلعہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دست حق پرست پر فتح ہوا۔ آپ کا ایک لقب "حیدر" ہے اسی قلعہ کے فتح کے وقت آنحضرت نے یہی نام بتلایا جیسا کہ آنحضرت کے رجز سے ظاہر ہوتا ہے۔ "انا الذی سمتنی امی حیدرا"

لہذا حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق بنی اسرائیل کو قبول اسلام کے سوائے کوئی مفر نہ تھا نبوت کا زمانہ بنی یہودا میں ختم ہو چکا تھا۔ رہی سہی حکومت بھی ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اس سے زیادہ تصدیق نبوت کے لئے اور کیا شہادت درکار رہتی؟

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بلند پیمانہ پر آمد رسول موعود کا اعلان کیا گیا اور بتلایا گیا کہ "وہ اسرائیلی تو نہیں لیکن پھر بھی کوئی غیر نہیں۔ کیونکہ ان کے بھائیوں میں سے ہو گا۔

کتاب استثناء باب ۱۸ آیہ ۱۵۔ "خداوند تیرا خدا تیرے ہی بھائیوں میں سے ایک نبی میری مانند برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو"۔۔۔ "اور پھر خداوند نے مجھے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں۔ اور اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا۔ وہ سب ان سے کہیگا۔ اور ایسا ہو گا جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا۔ نہ سنیگا۔ تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا"۔

عبارت مذکورہ کے مطابق رسول موعود (مثیل موسیٰ) جو بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوا بنی اسرائیل سے نہ تھا۔ بلکہ ان کے بھائیوں میں سے تھا۔ بنی اسرائیل کے بھائی بنی عیساؤ، بنی قطورہ اور بنی اسمٰعیل ہی ہیں ان میں سے بنی اسمٰعیل وادی فاران میں آباد تھے۔ آیندہ ان بھائیوں کی تخصیص کی ضرورت ہوئی جن میں سے رسول موعود نے ہونا تھا۔ لہذا اجلائے ظہور رسالت موعودہ یعنی راز نجات عالم کو مخصوص کر کے اس نسل کا پتہ بتلایا گیا جس میں سے اس کی آمد ہونی تھی۔

استثناء باب ۳۳ آیہ ۲۔ "خداوند سینا سے آیا۔ شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی سے جلوہ گر ہوا۔ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت تھی"۔

تاریخ ببانگ بلند بتلا رہی ہے۔ کلام خدا کوہ سینا سے اول بنی اسرائیل پر توسل موسیٰ علیہ السلام آیا۔ غیر ممالک یا غیر اقوام اس حکم کے لئے تجویز نہیں ہوئے کیونکہ سوائے بنی اسرائیل کے کوئی دوسری قوم اس جگہ موجود نہ تھی۔ بار دوم کلام الٰہی شعیر سے آیا۔ شعیر کوہ زیتون کا نام ہے جو حضرت داؤد و مسیح علیہما السلام کی عبادت کا مقام

تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل ایک ملک میں آباد تھے۔ غیر اسرائیلی بھی ان میں شامل تھی۔ لہذا کلام الٰہی اس تمام مخلوقات کے لئے آیا۔ جو زمین مقدس میں آباد تھی جیسا کہ طلوع کے وقت آفتاب کی روشنی سے تمام قطعات روشن ہو جاتے ہیں لیکن یہ روشنی محدود رقبہ ملک کے لئے ہوتی ہے تمام دنیا کے لئے نہیں ہو سکتی۔ لہذا نبوت بنی یہود کا احاطۂ ہدایت زمین مقدس تھا یعنی ارض موعود۔

بارسوم کلام الٰہی کوہ فاران سے ظاہر ہوا۔ یہ جلوہ گری کلام الٰہی تھی۔ سورج اسوقت جلوہ گری پر ہوتا ہے جبکہ وسط سما میں ہو اسوقت مغرب و مشرق شمال و جنوب سب روشن ہو جاتے ہیں۔ لہذا وہ کلام جو فاران سے ظاہر ہوا تمام دنیا کے لئے تھا۔ یہ نبوت نبوت مطلقہ تھی۔ یہ رسول، رسول موعود تھا جس کا کلام، کلام خدا تھا۔ جو سنتا تھا وہی کہتا تھا۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔

چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بھی اپنے شاگردوں کو بھی خبر دی جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۶ آیہ ۱۳ میں درج ہے

"جب روح القدس آئے گا وہ تمہیں ان باتوں کی خبر دے گا۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ جو سنے گا۔ وہی کہے گا۔"

لہذا رسولِ موعود (مثیل موسیٰ) اور روح القدس ایک ہی ہستی قرار پائے جس کی آمد پر نبوت و حکومت بنی اسرائیل کا خاتمہ مقدر و مقرر شدہ تبلایا گیا جیسا کہ پیشینگوئی حضرت یعقوب علیہ السلام میں مذکور ہوا۔ اور قول مسیح علیہ السلام مندرجہ انجیل متی باب ۲۱ آیۃ ۴۳ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ تھا۔

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی۔ اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے۔ دیجائے گی۔" (متی ۲۱/۴۳)

اس کے علاوہ پولوس نے مزید تشریح کرتے ہوئے تبلایا۔ کہ مسیح علیہ السلام اس روح القدس یا ملک صدق کے تابع ہو کر اسی کے طریقہ (دین یا مذہب) کے امام مقرر ہوئے۔

"وہ ملک صدق ہماری جان کا ایسا لنگر ہے جو ثابت اور قائم رہتا ہے۔ اور پردے کے اندر تک بھی پہونچتا ہے۔ جہاں یسوع ہمیشہ کے لئے ملک صدق کے طریقہ کا سردار کاہن بنکر ہماری خاطر پیشرو کے طور پر داخل ہوا ہے۔" (خط پولوس بنام عبرانیان باب ۶)

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ شاگرد استاد سے، تابع متبوع سے، مقتدی مقتدا سے یا ماموم امام سے افضل نہیں ہوتا پس مسیح علیہ السلام طریقۂ ملک صدق کی کہانت پر فائز ہو کر ملک صدق سے افضل نہیں ہو سکتے یہ ملک صدق ایسی برتر ہستی ہے کہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک باقی رہنے والی ہے۔ لنگر بنی آدم یا وسیلہ بارگاہ کبریا ہے۔ اور باوجودیکہ مخلوق بارگاہ کبریا ہے تابع روح القدس ہے لیکن رازدار ہے پردے کے اندر بھی اس کی رسائی ہے جو سوائے محرم راز دوسرے کو میسر نہیں ہو سکتی۔ مسیح علیہ السلام کو جو شرف اور بزرگی ملی وہ اسی "وسیلے" کے توسل سے۔ اور ان کے طریقے کے مسلم ہو کر۔ پولوس نے یہ تشریح و تفسیر زبور ۱۱۰ کی فرمائی۔ جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق ہے۔ اس بیان کی توضیح۔

ملاکی باب ۲ آیہ ۱۷ میں بھی موجود ہے۔ دیکھو ہذا۔

"تم نے اپنی باتوں سے خداوند کو بیزار کیا ہے۔ تب بھی تم کہتے ہو کہ کس بات میں ہم نے اسے بیزار کیا؟ اس میں جو کہتے ہو کہ ہر کوئی جو بُرائی کرتا ہے سو خدا کی نظر میں نیک ہے۔ اور وہ اُن سے خوش ہے۔ اور یہ کہ انصاف کا خدا کہاں ہے۔ دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا۔ اور وہ خداوند جس کے انتظار میں تم ہو یعنی عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو۔ وہ اپنی ہیکل میں ناگہان آوے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے" (ملاکی ۳ب)

مطابق نوشتہ مذکورہ رسول موعود یعنی "خدائے انصاف" یا عہد کا رسول سے پیشتر ایک رسول کا آنا ضروری تھا جو ہراول یا پیشرو کے مانند تھا۔ اس کے بعد آمد رسول موعود مقدر تھی۔ بیان پولوس سے ہم پیشتر دیکھ چکے کہ مسیح علیہ السلام اس راز میں پیشرو کے مانند داخل ہیں لہٰذا رسالت موعودہ کے نفوس طیبہ کو اسفار قدیمہ میں رسول موعود، روح القدس، ملک صدق، خداوند، انصاف کا خدا، سردار، شیلا یا شیلو اور عہد کا رسول بتلانا موجودہ بیان سے معلوم ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل آمد رسول موعود کے منتظر اور مشتاق تھے لیکن انتظار ہی کی مدت نے ان کو مایوس کر دیا تھا۔

نوشتہ مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "یہ عہد کا رسول" اپنی ہیکل میں اچانک آئے گا۔ ایسے طریق سے آئیگا جس کی کسی کو توقع نہیں ہوگی ہیکل اسی کی ہوگی کسی دوسرے سے منسوب نہ ہوگی۔ مثلاً بیت المقدس منسوب ہے روح القدس کے نام سے اس کی بنا حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ یا بیت ایل (بیت اللہ یا بیت الالٰہ) کی نسبت ایل یا اللہ سے ہے اس کے معمار خلیل اللہ اور مزدور اسمٰعیل (ذبیح اللہ) علیہم السلام ہیں۔

حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام کے متعلق کتاب پیدائش میں مذکور ہے کہ انھوں نے ایک مقام پر کچھ پتھر جمع کر کے مذبح تیار کیا قربانی کی۔ نذر پیش کی اور اس مقام کو بیت ایل کہا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں یہ ذکر اس طرح آیا ہے کہ آنحضرت ایک خاص مقام تک تشریف لے گئے (اغلباً بیت عریم تک) اس جگہ مذبح تیار کر کے نذر گذرانی۔ اور اس مقام کو بیت ایل کے نام سے نامزد کیا۔ غالباً یہ وہی مقام ہے جس جگہ جنگل میں ملک صدق نے آنحضرت کی دعوت کی اور آپ کے لئے دعا کی۔ آپ کو برکت دی جیسا کہ مذکورہ ذیل نوشتوں سے ظاہر ہوگا۔

خط پولوس بنام عبرانیان ۷ب آیہ ۱-۳ (یہ ذکر حوالہ گذشتہ سے پیوستہ ہے) "اور یہ ملک صدق شالیم کا بادشاہ۔ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام بادشاہوں کو قتل کر کے آتا تھا۔ تو اسی نے اسکا استقبال کیا۔ اور اس کے لئے برکت چاہی۔ اسی کو ابراہیم نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ (ملاحظہ ہو پیدائش ۱۴ب مولف)

یہ اول تو اپنے نام کے مطابق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر شالیم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے ماں کا باپ بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخیر۔ بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا"۔۔۔الخ (بقدر حاجت)

مذکورہ بالا نوشتے سے ظاہر ہے کہ ملک صدق کو ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نبی اللہ نے اپنی سب چیزوں کا دسواں حصہ نذر کیا۔ مال و اولاد جو کچھ بھی آپ کی ملکیت ہو اس کا دسواں حصہ ملک صدق کی نذر ہونا ثابت ہے (دوم) ایسی بزرگ ہستی کے لئے برکت کی دعا کرنے والا یا برکت دینے والا اس سے بزرگ ہونا چاہئے کیونکہ چھوٹے بڑوں سے برکت پاتے ہیں مفضول افضل سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ (سوم) یہ بزرگ ہستی امام ازلی و ابدی بارگاہ الٰہی اسوقت تک خاکی وجود سے مستثنٰی تھی۔ بلکہ زمانۂ پولوس تک اس کا دنیاوی وجود نہ تھا۔ اس لئے نہ اس کی عمر کی ابتدا کا علم تھا۔ نہ اختتام کا پتہ۔ اور نہ اس کے والدین کا نام معلوم تھا جیسا کہ رسول موعود کی نسبت اس کے والدین کا حال معلوم نہ تھا۔ پولوس کے زمانہ تک صرف یہی علم تھا۔ کہ یہ بزرگ ہستی خدا (رسول موعود یا خدائے فیض) کے بیٹے کے مشابہ ہے۔

خدا سے خداوند عالم مراد نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بعید ہے کہ کسی کا باپ کہلائے جنے یا جنا جائے۔ بلکہ وہ خالق کل ہے۔ اس کی صنعت جابجا پھیلی ہوئی ہے۔ انسان ہو یا حیوان۔ جمادات ہوں یا نباتات سب اسی کی مخلوق ہیں صحیفہ ملاکی سے اس لفظ خدا اور خداوند کی تشریح پیشتر معلوم ہو چکی ہے اسی قسم کی تشریح حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بھی فرمائی جو انجیل یوحنا باب ۱۰ آیہ ۳۴ میں درج ہے آپ نے تبلایا کہ زبور ۸۲ میں خدا ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن پر خدا کا کلام آیا "میں نے کہا تم خدا ہو" (زبور ۸۲) اس حوالے سے مسیح علیہ السلام نے لفظ "خدا" سے خدائے فیض و ہدایت مراد ہونا ظاہر کیا۔ اور فرمایا کیا تم مجھ سے اس لئے ناراض ہو کہ میں نے "خدا کو باپ" کہا۔ اگر تم میری مراد کو نہیں سمجھے تو زبور کے حوالے سے میرا مطلب سمجھو اور میری تعلیم کو کفر نہ سمجھو۔ کیونکہ اس بے علمی کے باعث میری نسبت جو کفر کہو وہ معاف ہو سکتا ہے لیکن روح القدس کے خلاف جو کفر کہا جائیگا۔ اس کی معافی ممکن نہیں "(متی ۱۲)۔

حکما نے اولاد کو تین قسموں میں شمار کیا ہے۔

(۱) صلبی پسر۔ ملک صدق اس شرط سے خارج ہے کیونکہ وہ مشابہ بہ پسر ہے نہ کہ پسر۔

(۲) روحانی پسر۔ یا شاگرد } یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو مشابہ بہ پسر ہیں۔ لہذا ملک صدق شاگرد ہے یا
(۳) نسبی پسر۔ یا داماد } داماد خدائے فیض ہے۔ یا شاگرد بھی اور داماد بھی۔

چنانچہ اسی خیال کی تشریح زبور ۲۲ آیہ ۳۰ میں دی گئی ہے۔

"ایک نسل ہوگی جو اس کی بندگی کرے گی۔ اور وہ خداوند کی ایک پشت گنی جائے گی۔" (زبور ۲۲)

حوالۂ زبور سے ظاہر ہے کہ "یہ نسل" مطیع و منقاد خداوند فیض (یعنی امت رسول موعود) ہے۔ اس کی اولاد نہیں۔ لیکن باایں ہمہ وہ ایک پشت (یعنی پسر) متصور ہوگی۔ یہ صرف اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے کہ "یہ نسل" داماد خدائے فیض ہو۔ قرآن پاک میں بھی اس نفس زکیہ کو "حیثیتی" اور "نسل" کے الفاظ سے ہی یاد کیا گیا ہے۔ تاکہ توراۃ و انجیل سے مشابہت قائم رہے۔ اور متلاشی حق کو پریشان و سرگرداں نہ ہونا پڑے جیسا کہ آیۂ ذیل ہیں۔

ومن الناس من يعجبك قوله في الحيوة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو الد الخصام واذا تولى

سعیٰ فی الارض لیفسد فیہا ویہلک الحرث والنسل ط واللہ لا یحب الفساد ۵ اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جس کے قول نے اس دنیاوی زندگی میں تجھ کو تعجب میں ڈال رکھا ہے۔ اور خدا کو گواہ کرتا ہے اور یاس کے جو اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ بہت ہی جھگڑالو ہے۔ (یہ سمجھے کہ) جب وہ حاکم ہو جائے گا تو زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرے گا۔ اور کوشش کرے گا کہ زراعت و نسل کو ہلاک کر دیوے۔ حالانکہ (وہ جانتا ہے) خدا فساد کو پسند نہیں کرتا۔
یہ تذکرہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور اخبار غیبیہ کے ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ حیات سرور کائنات کے مسلمانوں میں ایک شخص ایسا تھا جس کی زبان نے رسول اللہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس کے دل میں جو رکھا اس نے ہر ایک معاملہ میں جھگڑا کر بیٹھا تھا۔ خداوند عالم نے اپنے رسول کو بتلایا کہ تم اس کی باتوں سے گھبرا گئے ہو۔ اس نے تو حاکم ہو کر تمہاری نسل و اولاد کے قتل کی تجاویز اور فساد ڈلوانے کے منصوبے جاری کرنے ہیں جس سے تمہاری روح کو صدمہ پہونچے۔ موجودہ مخالفتیں جو تمہارے سامنے ہو رہی ہیں۔ اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اے ہمارے رسول تم اسکا خیال ہی نہ کرو۔ اسکو چھوڑ دو۔ جو چاہے کرے تمہاری بلا سے۔ کیونکہ تمہاری رسالت کی بقا یا فنا کا انحصار اس جھگڑالو پر منحصر نہیں۔ بلکہ اس شخص پر منحصر ہے جس نے اپنی جان کو خوشنودی الٰہی کے حصول کے لئے بیچ دیا ہے۔ خداوند عالم اپنے (ایسے) بندوں پر مہربان تر ہے۔ وہ ان کو بچائے گا اور تمہاری رسالت کی تبلیغ کے مقصد کو کامل کر کے رہے گا۔ خواہ کتنی ہی مخالفت ہوا کرے۔ "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد ۵ اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جس نے اپنا نفس خوشنودی الٰہی کے حصول کے لئے فروخت کر دیا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ آیہ مذکورہ آیۂ ماقبل کے بعد ہی ہے۔ دونوں کی ابتداء من الناس سے ہوئی ہے۔ یہ دوسرا شخص خدا کے نام پر بکا ہوا تھا۔ لہذا واقعات و حالات زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں شخصیتوں کا معلوم کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ذرا سی توجہ، تھوڑی سی کوشش اور عقل سلیم وانصاف کی ضرورت ہے اوصاف ہر دو خداوند عالم نے بیان فرمائے۔ شخصیت ہر دو شلاشی حقیقت معلوم کر لیوے۔

خیر ذکر یہ تھا کہ ملک صدق کو ابراہیم علیہ السلام نے وہ یکے دی۔ جس مقام پر یہ وہ یکے دیگئی۔ اسکو آنحضرت نے بیت ایل کہا یعنی فرشتہ کا گھر۔ یا ایل یعنی قابل عزت و احترام۔ (معبود لغوی معنی) کا گھر۔
بیت اللہ (کعبہ) جسکو خانۂ خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ زمانۂ اسلام کی تعبیر ہے۔ قدیمی نام بیت الالٰہ یا بیت الحرام و بیت محرم تھا۔ بیت الالٰہ زمانۂ جاہلیت کا نام ہے۔ بیت الحرام یا بیت محرم قرآنی نام ہے جسکو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ گھر وہ تھا جس کی حرمت و عزت واجب قرار دی گئی تھی۔ کیونکہ یہ بیت ایل تھا جس کو صیغۂ ملائکی میں اپنی بیل سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لہذا یہ آنیوالا بیت ایل ہی آنیوالا تھا۔
اس لفظ ایل کا تھوڑا سا ذکر کتاب خروج میں بھی ذکر ہوا ہے۔ وھو ہذا۔
دیکھو میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجوں گا۔ کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے۔ لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ۔ اور اس کا کہا مان۔ اسے مت چڑا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا۔ کیونکہ میرا نام

اس میں ہے ۔" (کتاب خروج باب ۲۳ آیہ ۲۰-۲۲)

حوالہ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ وہ بزرگ ہستی جو مربی و رہبر بنی اسرائیل مقرر ہوئی ہمنام خدا تھی۔ اس کی اطاعت فرض عین قرار دی گئی۔ اور مخالفت سے منع کیا گیا۔ بنی اسرائیل کو بتلایا گیا کہ اس مربی کی مخالفت کی معافی نہیں ہو سکتی۔

اس سے پیشتر مسیح علیہ السلام کے قول سے معلوم ہوا کہ روح القدس کی مخالفت کی معافی نہیں ہو سکتی۔ (متی باب ۱۲) لہذا روح القدس اور یہ فرشتہ جو ہمنام خدا ہے۔ دو وجود ہوئے جن کی مخالفت کی معافی نہیں ہو سکتی۔

عبرانی میں خدا کو ایلی کہتے ہیں جیسا کہ اناجیل مروجہ میں قول مسیح علیہ السلام "ایلی ایلی لما سبقتنی" کے معنی "اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" سے ثابت ہے۔

لہذا یہ فرشتہ "ایلی" نام تھا عربی "علی" اور عبرانی "ایلی" ہم معنی الفاظ ہیں۔

معلوم و ثابت ہوا کہ وہ نسل موعود، فرشتہ مربی بنی اسرائیل یا ملک صدق یہی بزرگ ہستی تھی جس کا نام "علی" (عبرانی ایلی) تھا۔ آنحضرت ہی اول سردار از سرداران موعودہ اثنا عشر از بنی اسمٰعیل ہیں۔ اور آپ ہی کی ذات بابرکات پر نبوت حضرت یعقوب علیہ السلام صادق آئی۔ قول پولوس کے مطابق آپ کی ذات بابرکات مشابہ پیر دوا اود شاگرد رسول موعود یا روح القدس ہو کر میراث رسول کی وارث ہوئی جیسا کہ حوالہ زبور سے آنحضرت کا نسل رسول میں شامل ہونا اور بموجب کلام پاک آنحضرت کے قتل کے منصوبوں کا اختراع اور بدعات فی الاسلام کی ایجاد ہونا ظاہر ہے۔

اب رہا یہ امر کہ آنحضرت اور آپ کے گیارہ بیٹے اور پوتے تمام عالم کے سردار۔ یا امام مقرر ہوئے اگرچہ محتاج ثبوت نہیں کیونکہ جب نبوت برائے تمام عالم ہے تو اس کی امامت عام ہوگی۔ لیکن ہم نے انبیائے سلف کے بیانات اس کے متعلق دیکھنے ہیں۔ اس لئے ذیل کی شہادت یعنی زبور باب ۴۵ خصوصاً آیات ۱۶-۱۷ ہمارے مدعا کو ثابت کرتی ہیں۔

"تیرے بیٹے تیرے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے تو انہیں تمام زمین کے سردار مقرر کریگا میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا۔ پس سارے لوگ ابد الآباد تیری ستایش کریں گے۔ (زبور باب ۴۵ آیہ ۱۶-۱۷)

تاریخ و شجرۂ نسب سے باحسن وجوہ ثابت ہے کہ آبا و اجداد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء و اوصیاء تھے لہذا قائم مقام نبی، نبی ہو سکتا ہے۔ یا وصی نبی۔ نبوت کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بند ہو گیا۔ جیسا کہ آیہ وافی ہدایہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث منزلت کے جزو الا لا نبی بعدی سے ثابت ہے۔ لیکن وصایت کا خاتمہ نہیں ہوا اس لئے آل رسول بموجب حوالہ زبور مذکورہ صدر و حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلت ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ فرزندان ہارون علیہ السلام کیطرح اوصیائے مثیل موسیٰ علیہ السلام قرار پائے جو کام پیشتر انبیاء سے متعلق تھا وہ ان سے متعلق

ہوا بلکہ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوصیائے کو تمام دنیا کا امام سردار بھی مقرر کیا جیسا کہ زبور مذکورہ میں ظاہر کیا گیا۔ حدیث جابرؓ سے ان ائمہ منصوص کے اسمائے مقدس کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اگر آنحضرتؐ خود اس تقرری کو بیان نہ فرماتے تو جابرؓ کو آیندہ ہونیوالے ائمہ منصوص کا نام کیسے معلوم ہوتا۔

سردار سے سردار دین یا امام مراد ہونا پیشتر مذکور ہوا۔ ہمارا یہ دعوی دلائل عقلیہ پر ہی مبنی نہیں بلکہ صحیفہ میکاہ میں یہ لفظ اسی معنی پر مستعمل ہونا ثابت ہے۔ ورنہ نبوت غلط ہوتی ہے جو امر محال ہے۔

"اے بیوودیہ کے بیت الحم تو اگرچہ چھوٹا ہے لیکن تجھ سے ایک سردار نکلیگا جو میری امت اسرائیل کی چوپانی کرے گا۔" (میکاہ ۵ آیہ ۵۔)

نبوت مذکورہ حضرت عیسی علیہ السلام سے متعلق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو دنیا کے کسی حصہ زمین پر سرداری نصیب نہیں ہوئی۔ اگر "سردار" سے سردار دین مراد نہ ہو تو نبوت غلط ہوگی۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت پیغمبر تھے جسکو بادشاہ روحانی کہتے ہیں۔ لہذا نبوت اسی وقت صادق ہو سکتی ہے کہ بادشاہ یعنی پیغمبر بنی اسرائیل، شاہنشاہ یا پیغمبر کل جن وانس کا ایک سردار یا امام" ہو

زبور ۱۱۰ کے مطابق ("تو ملک صدق کے طریقہ کا ابد تک کاہن ہے") ایک نبی بنی اسرائیل کا طریقہ ملک صدق کی کہانت (امامت) پر فائز ہونا ضروری تھا۔ اور قول پولوس سے ثابت ہوا کہ وہ فائز ہونیوالی ہستی حضرت عیسی علیہ السلام تھے پس ثابت ہوا کہ بادشاہی روحانی بنی اسرائیل کا درجہ کہانت طریقہ ملک صدق سے بلند تر نہیں اور کہ صحیفہ میکاہ میں "سردار" سے "کاہن یا امام" ہی مراد ہے۔ نہ کہ سردار دنیا وی؛ (۳) موسی علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام (از سبط یہودا) پیغمبر ہوئے پیشتر نبوت یعقوب علیہ السلام میں مذکور ہو چکا تھا کہ سلسلہ ہدایت روحانی آمد شیلا یا شلو تک بنی یہودا سے متعلق رہے گا۔ اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے اسقدر مفصل علامات عطائے فیض (رسول موعود) و شیلا (ملک صدق) بیان فرمائے کہ تلاش کرنیوالے کو ادنی تدبر سے حقیقت واضح ہو جائے اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ ان تمام اقوال آنحضرت کو ہم انکو رقت پیش نہیں کر سکتے۔ البتہ "نمونہ از خروارے" چند ایک اقوال ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ یہ ان کے علاوہ ہیں جو پیشتر مذکور ہوئے۔

"میں حکم کا اشکارا کروں گا کہ خداوند نے میرے حق میں فرمایا تو میرا بیٹا ہے۔ میں آج کے دن تیرا باپ ہوا مجھ سے مانگ میں تجھے قوموں کا وارث کروں گا۔ اور زمین سراسر تیرے قبضہ میں کر دوں گا تو لوہے کے عصا سے انہیں توڑے گا کمہار کے برتن کی مانند تو انہیں چکنا چور کرے گا۔" (زبور ۲)

زبور مذکورہ کے سمجھنے کے لئے حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے:

من اراد ان ینظر الی ادم فی علمہ والی نوح فی حلمہ وابراھیم فی خُلّتہ وموسی فی شوکتہ وداؤد فی

مناجاتہ وعیسیٰ فی عبادتہ فلینظر الیٰ وجہ علی ابن ابی طالب یعنی جو شخص علم آدمؑ وحلم نوحؑ وخلت ابراہیمؑ وشوکت ودبدبہ موسیٰؑ مناجات داؤدیؑ وعبادت عیسویؑ کا جلوہ دیکھنا چاہے۔ وہ چہرۂ علی ابن ابی طالب پر نظر کرے۔ یہی عطائے میراث انبیاء۔

(ب) اعلان نبوت کے دن حضرت خاتم انبیاء علیہ وعلی آلہ الاف التحیۃ والثنا نے ھذا اخی ووزیری وخلیفتی ووصیی فاسمعوا لہ۔ یہ میرا بھائی، وزیر، خلیفہ اور وصی ہے تم کو اس کا حکم سننا چاہئے۔" کہکر اپنا وارث جناب امیر علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ قاعدے کے بموجب بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے اس اعلان کے بموجب رسالت پناہ صلی اللہ وآلہ وسلم مربی اور جناب امیر علیہ السلام ربیب قرار پاتے۔ اسی اعلان نبوت کے روز ایک بھائی نے ربیب یا بیٹے کی حیثیت حاصل کی۔ اور دوسرے بھائی نے مربی یا باپ ہونے کی حیثیت جتلائی۔

(ج) اعلان خم غدیر کے دن من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ جس کا میں آقا ہوں اس کا علی بھی آقا ہے۔ فرما کر اپنی نبوت مطلقہ سے علی کرم اللہ وجہہ کی امامت مطلقہ پر تصدیقی مہر ثبت کر کے تمام مخلوقات کی سرداری عنایت کی۔

(د) لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار کہتے ہوئے اپنی عصا اور عطا قوت بازو کا نشان جتلایا۔

(ہ) امام اثنا عشر عجل اللہ ظہورہ وجعلنا من انصارہ کو اپنی ذریت بتلا کر اولاد علی علیہ السلام کو اپنی اولاد ثابت کردیا۔

اور آنحضرت علیہ السلام کی نسبت یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا۔ زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے بھر دیگا جیسے کہ وہ ظلم وجور سے پر ہوگی" فرما کر تمام انسانی متحکمند دل اور ناپسندیدہ روشوں کے قلع وقمع کر ڈالنے کی خبر دیکر "کمہار کے برتن کیطرح چکناچور" کرنے کی تشریح فرمائی۔ تاکہ ظاہر ہوجائے کہ نسل موعود محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین، علی علیہ السلام سے شروع ہو کر محمد آخری صلواۃ اللہ علیہ وعلی آبائہ" پر ختم ہو۔ علی علیہ السلام کا نسل موعود ہونا پیشتر ثابت ہوچکا۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ کا اصل نسل موعود ہونا حدیث نور سے ثابت ہے۔ "انا وعلی من نور واحد" میں اور علی ایک ہی نور سے خلق ہوئے۔ پس علی جزو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ قرار پاتے۔

زبور مذکورہ بالا کی آخری شرط کی تشریح زبور ۹۶ و ۹۸ و ۹۹ میں دیگئی ہے۔ متذکرہ حوالے (۹۶-۹۸) میں صاف صاف بتلادیا گیا کہ وہ ولی عدل تمام دنیا اور امتوں کی عدالت کرے گا۔

جو عدالت کر سکتا ہے وہ حکم سزا دے سکتا ہے۔ تعزیری حکم جاری کر سکتا ہے یعنی بنا بھی سکتا ہے بگاڑ بھی سکتا ہے اور خراب کو توڑ کر اچھا برتن اس کی جگہ رکھ سکتا ہے۔

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے اس فرض منصبی کو نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"جاگ جاگ توانائی پہن لے۔ اے خداوند کے بازو جیسا اگلے زمانے میں اور سلف کی پشتوں میں۔ کیا تو وہی نہیں جس نے رہب کو کاٹا اور اژدہے کو گھائل کیا تو وہی نہیں جس نے سمندر کو اور بڑے گہراؤ کے پانی سکھا ڈالا جس

نے دریا کی تھاہ کو راستہ بنا ڈالا تاکہ وہ جن کا فدیہ لیا گیا پار اتریں"۔ (صحیفۂ یسعیاہ ۵۱ آیہ ۹)

اس بیان میں نبی نے چند امور کے تذکرے کئے ہیں۔ اوّل نصرت در زمانۂ سلف۔ دوم قطع رہب و ثعبان (اژدہا، ناگ)۔ سوم بنی اسرائیل کے لئے سمندر خشک کر دینا۔

زمانۂ سلف کے حالات میں پہلا بیان شیطان کا جماعت ملائکہ سے اخراج ہے یعنی سجدہ آدمؑ کا منکر ذلیل و رسوا ہو کر نکلا۔ وہ میزان حق و باطل جس سے دل کا کھوٹ ظاہر ہوا اور آدم علیہ السلام کے افضل و اعلیٰ ہونے کا ثبوت ملا روح علم تھی جو آدم علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی اور ان کی عزت و احترام کا باعث ہو گئی۔

دیگر بیانات سے قطع نظر کر کے دوسرا بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تین سو جوانوں کے ہمراہ خضر الاعمار بادشاہ عراق پر حملہ کرنا ہے۔ اس تعداد کو خیال کیجئے اور بادشاہ مذکور کی تباہی کو دیکھئے جس کی ٹڈی دل افواج کو ان تین سو جوانوں نے ایسا لتاڑا کہ اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر بھاگتے ہی بنی۔ یہ وہی لڑائی ہے جس کو واپسی پر ملک صدق نے آنحضرت کی دعوت کی۔ یہ ذکر پیشتر گذر چکا ہے ایسی بڑی فتح تائید غیبی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ خضر الاعمار اغلباً شاہ بابل کا لقب ہے۔

تیسرا بیان: بنی اسرائیل کا رہبر در حقیقت ایک فرشتہ تھا "ہمنام خدا" جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا۔

پس صحیفۂ یسعیاہ علیہ السلام کے مطابق وہ ذات یا ہستی جس نے زمانۂ سلف میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ وہ وہی فرشتہ تھا جس کا ذکر کتاب خروج سے پیشتر گذرا یعنی ایک نورانی ہستی تھی جو مددگار رہا اور خداوندِ فیض رسول موعود تھی۔

نبوت مذکورہ کا تعلق شب ہجرت سے ہے۔ وہ نفس جو بستر رسول پر اطمینان قلب کے ساتھ لیٹا ہوا تھا جس پر اپنے بیگانے رسالت کا خیال جمائے ہوئے تھے یہی علیؑ برادر رسول اللہ تھا۔ اسی طرف حوالہ صحیفۂ مذکورہ میں اشارہ ہے۔

علاوہ ازیں "خداوند کے بازو" "ید اللہ" مراد ہو سکتی ہے "رہب کا کاٹنے والا" یا ہرناکش ہندی کا پھاڑنے والا "نسنگھ اوتار" "اسد اللہ" اور "اژدہے کو گھائل کرنیوالا" "اخی دریا حیدر" ہی کہلائیگا۔

یہ القاب جناب امیر المومنین (ملکِ صدق) علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے مشہور ہیں۔

پیشتر حوالۂ پولوس سے معلوم ہو چکا کہ ملک صدق ازل سے کاہن دربار کبریا ہے۔ ان تمام بیانات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچا کہ جناب امیر علیہ السلام اسوقت سے عہدۂ امامت پر فائز ہوئے جبکہ نہ زمین تھی نہ زمین کے رہنے والے۔ نہ آسمان تھے نہ بلند پروازیاں دکھلانے والے۔ انسان ضعیف البنیان تو بھلا کس گنتی میں ہے۔ اس کی مدت عمر تو ہے ہی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں۔ پس امام خلق اپنے ماموم کا ماموم نہیں ہو سکتا۔ امام کو ماموم اور ماموم کو امام سمجھنے والا حقیقت امامت سے واقفیت نہیں رکھتا۔ نہ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت نے قطعی فیصلہ کر دیا "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ" جو اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے۔ وہ کافر مرا۔ اندریں صورت ہماری سمجھ میں یہ معاملہ نہیں آتا کہ امام ازلی یا پیشوائے ابدی کو

معصوم کیونکہ امامت اور سرداری کا دعوے کر سکتا ہے۔ امامت کی وقعت معمولی نہیں ہوتی وہ مربی عالم ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے احتجاج سے امامت کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت نے یہی حجت اٹھائی ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب۔ میرا رب تو مشرق سے سورج نکالتا ہے وہ میرا مربی ہے اگر تجھ کو دعوے ربوبیت ہے تو تو مغرب سے نکالکر دکھلا۔ حضرت خلیل علیہ السلام کا دعوے غلط ہوتا اگر ایسا ہونا ناممکن ہوتا۔ آنحضرت کی دعائے "واجعل لی لسان صدق فی الآخرین خدایا زمانہ آخر میں میری زبان کو سچا کر دکھلا" قرآن میں موجود ہے۔ اور رسالت و امامت کے معجزات روشن تاریخوں میں مسطور۔ مربی عالم ہستی رسول و امام کی قرار پائے گی یا معصوم کی۔

خداوند عالم "رب الارباب" کہلاتا ہے۔ ارباب کا ہونا ضروری ہے جب تک مربی موجود نہ ہوں وہ "مربیوں کا مربی" یعنی "رب الارباب" نہیں ہو سکتا۔ "ارباب" کا اقرب ترین بارگاہ الٰہی ہونا لازمی ہے اور تجلیات الٰہی کا ان سے صدور ہونا ممکن۔ اس لئے ان پر اکثر الوہیت کا اشتباہ ہوتا رہا ہے جس کی مثالیں گذشتہ زمانوں کے واقعات اور زمانہ حال کے خیالات میں اچھی طرح نظر آتی ہیں کسی بزرگ کا ایک شعر اس کی توضیح کرتا ہے۔ ۵ "علی بشر کیف بشر۔ ربہ فیہ تجلے و ظہر" یعنی حسن نے علی ہیں تو بشر ہی (اس میں شک نہیں کہ وہ بشر ہی ہیں) لیکن کسطرح کا بشر (کیا میرے تمہارے جیسا بشر؟ نہیں بلکہ وہ تو ایسا بشر ہے جسکو) اس کے رب نے مرکز تجلیات و مظہر انوار قرار دیا ہے تجلیات الٰہی اس کے ذریعے سے سمجھ میں آتی ہیں۔ خدا کے وجود اس کی صفات اور معرفت کا مظہر ہے آیہ نور میں خداوند عالم نے ایسے ہی نور کو اپنا نور بیان فرمایا ہے جسکا ذکر پیشتر ہو چکا ان کی اطاعت فرض ہے یہی مطلب سعدیؒ ہے ۵ "خلاف پیمبر کسے رہ گزید۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید" (ملاحظہ ہو حدیث معرفت امام)

حضرت داؤد علیہ السلام کیطرح حضرت یسعیاہؑ نے بھی بیشمار نبوتوں میں رسول موعود کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے ۵ و ۶ نہایت واضح ہیں

(۵) حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے ۲۳ آیۃ ۵ میں ذکر فرمایا۔ علاوہ ازیں فرمایا

"بیابان میں اس کی باعث خوشی سنائی جائے گی

(۶) نبوت دانیال علیہ السلام "بعد از ختم شرارت بنی اسرائیل جو کل سے زیادہ قدوس ہے مسح کیا جائے گا۔" (صحیفہ دانیال ۹ آیۃ ۲۵)

یہ پیشتر مذکور ہو چکا کہ دانیال علیہ السلام کا زمانہ نبوت اسیری بابل کے دوران میں ہوا۔ اس زمانہ میں جبکہ بنی اسرائیل تباہ ہو کر غلامی میں گئے۔ اور ان کا ملک ویران کیا گیا۔ انہی ایام میں حضرت دانیال علیہ السلام نے ایک پیشینگوئی کی جو صحیفہ دانیال ۹ آیہ ۲۴ میں مذکور ہے۔ اس کے مطابق بنی اسرائیل کو ۷۰ ہفتے یعنی ۴۹۰ سال بحساب ایک سال فی یوم مہلت دیگئی پس جب وقت ہیکل عزیز تیار ہوئی اور اسمیں مراسم عبادت ادا ہوئے۔ یہ مہلت شروع ہوئی ہیکل مذکور سنہ ۱۱۵ آدمی میں تیار ہوئی۔ لہذا زمانہ مہلت سنہ ۱۳۲۰ آدمی میں ختم ہو جائے گا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشینگوئی حرف بحرف صحیح ہے کیونکہ سنہ ۱۳۲ء میں ہیڈرین شہنشاہ روم نے کنعان پر حملہ کیا اور بنی اسرائیل کو ملک سے جلاوطن کیا اس سے پیشتر ہی سلطنت روم کی طرف سے تواتر حملے شروع ہو چکے تھے سنہ ۳۰ء میں ہیکل بازاری جسکو ہیرودیس شاہ یہود نے تعمیر کرایا تھا برباد ہوئی سنہ ۷۰ء میں طیطس وسپاشین نے یروشلم کو برباد کیا اور

۲۱۱ھ میں اسرائیلی ملک سے بدر کئے گئے۔ پس ختم مہلت کا آغاز بربادی ہیکل سے محسوب ہوگا۔ ولادت مسیح علیہ السلام ۴۳۱۶ آدمی میں ہوئی۔ اور ۳۵۷ھ میں ۱۲۲۲ھ آدمی ہوا۔ (جلاوطنی بنی اسرائیل ۳۲۶۵ھ آدمی میں واقع ہوئی۔ اس کو ان کی شرارت کا خاتمہ سمجھنا چاہئے)

نبوت مندرجہ دانیال ۹ آیہ ۲۵ میں شرط بعثت رسولِ موعود یہ مقرر کی گئی کہ جب بنی اسرائیل کی شرارت کا خاتمہ ہوجائیگا تو "وہ جو سب سے زیادہ قدوس ہے مسح کیا جائیگا" لہٰذا بعثت مسیا یا رسول موعود ۳۲۶۵ھ آدمی یعنی ۶۱۰ء کے بعد ہونی ضروری ہے نہ کہ اس سے قبل۔

ایک اور شہادت اسی صحیفہ میں حسب ذیل مذکور ہے۔

"دائمی قربانی کے بند ہونے سے مسیح شاہزادے کے قتل ہونے تک ۱۲۹۰ سال ہوں گے" (دانیال ۱۲)

دائمی قربانی اسیری بابل سے بند ہوئی جبکہ بخت نصر بنی اسرائیل کو قید کرکے گیا اور ہیکل سلیمانی مسمار ہوئی یہ واقعہ ۳۵۵۹ھ آدمی یعنی ۶۱۰ھ مسیحی قبلی کا ہے۔ اس کو ۱۲۹۰ سال ۶۸۰ء یعنی ۴۸۴۹ھ آدمی میں ختم ہوتے ہیں۔ جو ۱۰ محرم ۶۱ھ کے مطابق ہے۔

تاریخ گبن زوال و تباہی سلطنت روم صفحہ ۴۰۹ مطبوعہ لندن ۱۸۶۲ء میں تحریر ہے کہ شہادت حسینؑ بن علیؑ (علیہما السلام امام سوم از ائمہ اثنا عشر موعود) ۶۸۰ء میں واقع ہوئی

۳۲۵ء تک کلیسا میں سنین قمری رائج تھے۔ اس سال قسطنطین نے مجمع علمیہ کو مدعو کرکے بہت سے امور اپنی مرضی کے مطابق رائج کرنے چاہے۔ لیکن اس کے احکامات کی تعمیل ۳۳۰ء سے قبل نہیں ہوئی۔ اور سنین شمسی کا رواج بھی اس سے قبل نہ ہوسکا۔ ۶۸۰ سال میں سے صرف ۳۳۰ سال باقی تھے۔ اس میں سے بحساب ۳ فیصدی کم کرنے سے ۳۲۰ سال رہے اس طرح کل مدت بعد از ولادت عیسیٰ علیہ السلام ۶۵۰ سال ہوگئی۔ جو تاریخ گبن میں مذکور ہوئی

لہٰذا مسیح شہزادہ سے سردار موعود مراد ہے اور کچھ مقصود نہیں

اسی صحیفہ میں وہ پیشگوئی بھی ہے جس میں تاریخ ولادت "ولی عدل" یعنی حضرت صاحب الامر امام اثنا عشر علیہ السلام درج ہوتے ہیں جو یہ ہے

"مبارک ہے وہ جو انتظار کرتا ہے۔ اور ۱۳۳۵ سال کو آتا ہے" (دانیال ۱۲ آیہ ۱۲)

چونکہ پیشتر کی پیشگوئی میں کسی تاریخ سے زمانے کا آغاز مذکور تھا۔ تاریخ تیاری ہیکل عزیر سے پوری اترتی اسی تاریخ سے ۱۳۳۵ سال شمار کرنے سے (یعنی ۳۶۱۰ آدمی تاریخ تیاری ہیکل سے) ۴۹۴۵ آدمی برآمد ہوا۔

سنین ہجری کا آغاز ۴۶۹۰ آدمی سے ہوا۔ اس طرح ۴۹۴۵ آدمی ۲۵۵ھ ہجری کے مطابق ہوا یہی سال ولادت باسعادت حضرت حجۃ المنتظر علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

(۷) صحیفہ میکاہ (باب ۵ آیہ ۲-۳) "اے بیت اللحم افراتاہ...... انہیں چھوڑ دیگا (نبوت بند ہوجائے گی) اس وقت تک کہ وہ جو جننے کا درد کھانے پر ہے جن چکے" اس کی تفصیل یہ کہ تنقید یوحنا میں ظاہر ہوئی۔ اور بنی اسرائیل میں نبوت ختم ہوگئی

ہدایت کا سلسلہ بند رہا یہاں تک کہ بنی اسمٰعیل میں نبوت ظاہر ہوئی۔

(۸) صحیفہ حبقوق (باب ۳ آیہ ۳) "خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔"

حوالۂ مذکورہ میں خدا لفظ "ایلی" کا ترجمہ ہے۔ ایلی تیمان (نجل) سے اور وہ جو قدوس ہے۔ (رسول موعود) کوہ فاران سے ظاہر ہوئے۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔

(۹) صحیفۂ ذکریا "دو ممسوح ہیں جو ساری مخلوق کے خداوند کے حضور کھڑے رہتے ہیں۔" (باب ۴ آیہ ۱۴)

آیۂ محولہ سے ظاہر ہے کہ مقربین بارگاہ کبریا دو مقدس ہستیاں ہیں۔ اسی مقصد کو اسی صحیفہ میں ایک دوسرے مقام پر دو شمعدان اور دو زیتون سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی مقصد کو کتاب سموئیل باب ۲ آیہ ۲ میں اس طرح پر ذکر کیا ہے۔

"اور داؤد اٹھا۔۔۔ تاکہ خدا کے صندوق کو جس کے پاس وہ نام یعنی رب الافواج کا نام لیا جاتا ہے۔ جو دو کروبیوں کے بیچ میں سکونت کرتا ہے وہاں سے لے آئے۔"

کتاب احبار کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صندوق میں جو عہد کا صندوق کہلاتا تھا۔ پتھر کی دو لوحیں رکھی ہوئی تھیں جن میں ایک طرف احکامات کندہ تھے۔ اور دوسری طرف دو تصویریں کروبیوں کی بنی ہوئی تھیں۔ یہ عہد کا صندوق (تابوت سکینہ) اس معاہدے کی علامت تھا۔ جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا یعنی احکامات کی پیروی کے ساتھ ساتھ ان دو وسیلۂ بارگاہ الٰہی سے متوسل ہوتے رہیں گے۔ اور ان کی عزت و توقیر میں کمی نہ کریں گے۔ احکامات کی اطاعت کی قبولیت ان مقربین کے توسل پر منحصر تھی۔ ان کی اطاعت اطاعت الٰہی تھی۔ ان کی مخالفت کی معافی نہ تھی جیسا کہ کتاب خروج سے پیشتر معلوم ہوا کہ "مخالفت ایلی کی معافی نہیں"۔ کتاب خروج کے حوالۂ مذکور کا فرشتہ ہمنام خدا تھا لیکن موجودہ حوالۂ سموئیل حصہ دوم سے معلوم ہوتا ہے کہ رب الافواج دو کروبیوں کے بیچ میں سکونت کرتا ہے اور اس صندوق کے پاس اس کو صرف رب یا رب الافواج کہکر یاد کرتے ہیں۔

رب الافواج فوجوں کا پالنے والا ہے۔ اور یہ دو کروبی اسی خدمت پر مامور ہوئے کہ افواج یا مخلوقات کی پرورش کریں یعنی عطیۂ الٰہی اس کی مخلوقات کو پہونچا دیں۔ لہٰذا یہ دونوں مقربین مربی عالم قرار پائے۔ اور خداوند عالم کا اسم اعظم ان دونوں کے درمیان ہے یعنی خداوند عالم رب المخلوقات ہے اور یہ دونوں مربی مخلوقات۔ پس "رب" اسم الٰہی ان دونوں کے درمیان مشترک ہے۔

حوالۂ صدر سے یہ بھی ثابت ہے کہ کروبی صرف دو ہیں۔ زیادہ نہیں۔ لہٰذا یہی کروبی وہ ممسوح قرار پائے۔ جو بموجب مندرجۂ صحیفۂ ذکریا میں مذکور ہیں۔

یہ محتاج بیان نہیں کہ جس قدر قرب منزلت ہوتا ہے اسی قدر وقعت بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی قرب میں "من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی" کا معاملہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک کا فعل دوسرے کا فعل اور دوسرے کا قول پہلے کا قول قرار پاتا کتاب استثنیٰ باب ۱۸ آیہ ۱۵۔ ۱۸ سے یہ معلوم ہے کہ خداوند عالم نے اپنا قول رسول موعود کی زبان سے جاری کرایا

اس سے پیشتر بحوالۂ کتاب خروج باب ۲۳ ۔ وہ دلیل جس سے پہلے ہی امر پایہ ثبوت کو پہنچا۔

یعنی اس رسول موعود کا کلام کلامِ خدا ہوا کہ اس کلام کی مخالفت کی معافی نہیں مل سکتی۔

دوم کتاب خروج سے معلوم ہوا کہ اس فرشتہ کی مخالفت کی معافی نہیں مل سکتی جو بنام خدا ایلی ہے۔

ان ہر دو مقامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی مقرب ہستیاں خداوند عالم نے ابتدا سے خلق فرمائی ہوئی ہیں جنکی اطاعت اطاعت الٰہی شمار ہوتی ہے۔ ان میں کی ایک ہستی "ایلی" نام ہے۔ دوسری کا نام معلوم نہیں۔ اور کام معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں مقربین کے اسماء میں اسم الٰہی "رب" پنہاں ہے بحساب جمل اعداد "رب" [illegible] ہوئے "ایلی" نام کے "۱۰" اور "اسماعیل" کے جو کتاب ارمنش میں آیا ہے "۱۰۱" عدد ہوئے یعنی اعداد "محمد علی" ملکر "رب" بنجاتے ہیں۔ (اسماعیل یعنی رسول موعود)

لہذا صحیفہ ذکریا علیہ السلام کے بموجب وہ دو مسوح وہ دو چراغدان اور وہ دو زیتون کے درخت جو دربار الٰہی ہیں "اسماعیل و ایلی" یعنی "محمد و علی" صلوٰۃ اللہ علیہم و اولادہم ہی ہیں۔

(۱۰) صحیفہ ہوشیع علیہ السلام میں مزید توضیح کے لئے عطائے شریعت کے ضمن میں مذکور ہوا۔

"وہ دو دن بعد ہمیں حیات تازہ بخشیگا۔ تیسرے دن میں وہ ہمیں اٹھا کھڑا کرے گا اور ہم اس کے حضور میں زندہ رہیں گے"۔ (ہوشیع ت آیہ ۲۔)

حیات تازہ کا ملنا پہلی حیات کا وجود ثابت کرتا ہے۔ حیات سے مراد شریعت ہے جس کی متابعت سے انسان ابدی زندگی کا وارث ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک مقام پر "زندگی" کو انہی معنی میں استعمال کیا اور فرمایا۔ اے عورت زندگی کے پانی کا سوتا میں ہوں جو اس پانی کو پیتا ہے پھر پیاسا ہوتا ہے لیکن جو اس پانی کو جو میرے پاس ہے پیتا ہے پھر کبھی پیاسا نہیں ہوتا" یہاں پر آنحضرت نے اپنے آپ کو صاحب شریعت ظاہر فرمایا آب دنیا انسان پیتا ہے پھر پیاس لگ جاتی ہے لیکن وہ شخص جو علوم الٰہیات حاصل کرتا ہے وہ کسی دوسرے علم کی احتیاج نہیں رکھتا۔ اور ابدی زندگی کا وارث ہو جاتا ہے۔

ایسی کتاب شریعت جسکے احکامات کی تعمیل نجات کا باعث ہو توریت تھی جو بنی اسرائیل کو ۴۳۰۰ آدمی میں کوہ طور پر ملی۔ اس سے دو ہزار برس گذر جانیکے بعد دوسری شریعت تازہ ملنے کی خبر حضرت ہوشیع علیہ السلام نے دی آنحضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے سے قبل ہوئے۔

پس شریعت تازہ ۶۳۰۰ آدمی کے بعد ملنی چاہئے۔ اس سے قبل وہ شریعت نہیں مل سکتی۔ جس کا ذکر حوالہ صحیفہ مذکور میں دیا گیا ہے۔

شریعت اسلام ۶۳۰۰ آدمی میں عطا ہوئی یعنی توریت کے عطا ہونے کے دو ہزار برس گذر جانے کے بعد۔ لہذا یہی وہ شریعت موعود ہے جسکو حیات تازہ کہا گیا ہے۔

دو دن کے بعد تیسرا دن شروع ہوتا ہے پس اس تیسرے دن میں وہ مقصد پورا ہونا ضروری ہے جو کل انبیائے سلف کا مذنظر رہا۔ یعنی آمد رسول موعود جس نے ان سب انبیائے سلف کی حقانیت و صداقت کی شہادت دی اگی

حضرت ذکریا علیہ السلام۔

تعلیم کی تصدیق کی ان کی عزت و احترام تمام دنیا کی نظروں میں قائم کی اور اس بنیاد کو ایسا مستحکم و مضبوط بنایا کہ آیندہ جو کوئی بھی تذکرہ سلف کرے صلوٰۃ و سلام کے ساتھ کرے

پھر اسی تیسرے دن میں اس نفس زکیہ کی ولادت باسعادت ظہور پذیر ہوئی۔ جس کی نسبت حضرت دانیال علیہ السلام نے لقب "منتظر" اور رسول موعود صلی اللہ علیہ وآلہ نے لقب "قائم و حجۃ المنتظر" استعمال کیا ہے جس کے ظہور کا زمانہ صحیفۂ دانیال علیہ السلام میں بعد انقضائے "ایک مدت و مدتین اور نصف مدت" قرار پایا ہے۔ زمانۂ آخریں گیا ۴۵۰۰ سال از آغاز دنیائے موجودہ (بعد از طوفان) وہ واقعات ظاہر ہوں گے جنکا ذکر حضرت دانیال میں آیا ہے۔ اس کے بعد زمانہ رجعت ہی یعنی نبوت اُخرائے ہیں پ ۱۲ مدت گذرنے کے بعد آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ کا ظہور ہوگا۔ پ ۱۲ تدت اس لئے کہ یہ زمانۂ آخر ایک بادشاہ اور بارہ سردار پر مشتمل ہے یعنی تیرہ ہادیوں پر پس تھید الاخری" یعنی حضرت منتظر عجل اللہ فرجہ و سہل اللہ مخرجہ اس نظام ہدایت کے آخری ہادی ہوئے لہذا ایک مدت حیات سرورِ انبیا صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ اور گیارہ مدتیں زمانۂ حیات گیارہ ائمہ معصومین علیہم السلام، کل بارہ مدتیں ہوئیں۔ نصف مدت نصف عمر شریف آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جو وقت ظہور ہوگی اسوقت حجت کل اقوام عالم ہوگی تاکہ ان کا انصاف کیا جائے جس کی نسبت صحیفہ مذکورہ بالا میں ہے "اسوقت تیری قوم کے بہت سے لوگ اٹھائے جائیں گے بعض ابدی راحت کے لئے اور بعض ذلت و رسوائی کے لئے"

(۱۱) شہادت یحییٰ بن ذکریا علیہم السلام ہے جو انجیل یوحنا میں مذکور ہے کہ "آنحضرت نے بجواب سوال فرستادہ فریسیان فرمایا" اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا۔ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں"۔ "تب انہوں نے پوچھا" کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ (یوحنا ا آیہ ۱۲-۲۲)

حوالہ مذکور سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل حسب تعلیم انبیا سلف علیہم السلام تین آنے والوں کے منتظر تھے۔ اول مسیح علیہ السلام (جو پیشرو کہلاتے تھے) دوم ایلیاہ سوم رسول موعود علیہم الصلوٰۃ والسلام جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ابتدا وعظ شروع کیا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو؟ پیشرو ہو۔ ایلی ہو یا رسول موعود" صلوٰۃ علیہم یہی امر انجیل لوقا میں حضرت ذکریا علیہ السلام کیطرف منسوب کرکے حضرت مسیح علیہ السلام کو پیشرو ظاہر کیا گیا ہے۔ وھو ہذا۔

"اس نے اپنے خادم داؤد کے گھرانے میں نجات کا سینگ نکالا + + اور اے لڑکے تو خداوند تعالےٰ کا نبی کہلائے گا کیونکہ تو خدا کی راہ تیار کرنے کے لئے اُسکے آگے آگے چلے گا۔ تاکہ اس کی امت کو نجات کا علم بخشے جو ان کو گناہوں کی معافی سے حاصل ہو۔ یہ ہمارے خدا کی رحمت سے ہوگا۔ جس کے سبب عالم بالا کا آفتاب ہم پر طلوع کرے گا۔ تاکہ ان کو جو اندھیرے اور موت کے سایہ میں بیٹھے ہیں روشنی بخشے۔ اور ہمارے قدموں کو سلامتی کی راہ پر ڈالے"۔ (لوقا ب آیہ ۶۹ و ۷۶)

حوالہ مذکور میں وہ الفاظ "جن پر نبوت ہذا کا مدار ہے وہ ہیں جن کے اوپر خط کھینچ دئے گئے ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو پیشتر کی نبوتوں میں مذکور ہوئے۔ یا آیندہ کی نبوتوں میں ان کی تفصیل آئی۔

سینگ علامت سرداری ہے۔ لہذا وہ نفس جو اس نبوت کے وقت بطن مریم علیہا السلام میں تنہا وہ واحد نفس تھا۔ جو اسقدر بنی اسرائیل سے طریقۂ ملک صدق کی کہانت پر فائز ہوا۔ یہ کہانت وہ ہے جو راز نجات عالم ہے۔ پس نسل داؤد علیہ السلام میں یہ شرف "کہ ابد تک طریقۂ ملک صدق کا کاہن" بنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوا۔ جو بنی اسرائیل میں عہدۂ نبوت پر فائز ہوئے۔ اور پیشرو کے طور پر آمد رسولِ موعود کی بشارت دیتے اور بنی اسرائیل کو اسکی آمد کے لئے تیار کرتے رہے جیسا کہ آنحضرت علیہ السلام کے اقوال ذیل سے ظاہر "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"۔ (متی بٓ آیہ ۱۷)

وہ آسمان کی بادشاہت جس کی منادی کی گئی حوالۂ لوقا مذکورہ بالا میں "طلوع آفتاب عالم بالا" سے ظاہر کی گئی۔ لہذا وہ پیشرو جو حوالہ مذکور میں مقصود ہے مسیح علیہ السلام تھے۔

بنی اسرائیل اس آمد رسول موعود سے تاریکی میں نہیں تھے۔ ان کو بار بار آمد رسولِ موعود سے بذریعہ انبیا علیہم السلام مطلع کیا جاتا رہا۔ سرداروں کے وجود کا وعدہ ان سے ہوا۔ اس سے زیادہ ان کو کوئی اطلاع نہیں ملی۔ بنی اسمٰعیل و دیگر قبائل دنیا ابتدا سے تھے جواب تک اس شرف سے محروم ہیں۔ جیسا کہ سورہ یٰسین میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ یٰسٓ۝ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ تنزیل العزیز الرحیم لتنذر قوما ما انذر اباؤھم فھم غفلون۔ "اے سید (سردار) قسم ہے قرآن حکمت والے کی البتہ تو مرسلین میں سے ہے صراط مستقیم پر جس کو عزیز اور رحیم نے بدیں غرض اتارا کہ ان قوموں کو ڈرائے جن کے بزرگوں کو کبھی خوف نہیں دلایا گیا اور اس وجہ سے وہ غافل ہو گئے ہیں"

یہ مفصل تفسیر اس عبارت کی ہے جو حوالہ لوقا میں موت اور اندھیرے سے ظاہر کی گئی ہے۔ وہ قومیں جن میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا بنی اسمٰعیل اور اقوام غیر ہیں۔ یہ رسالت نہ صرف بنی اسرائیل یا بنی اسمٰعیل پر ہی محدود تھی بلکہ تمام اقوام عالم اس کی دعوت میں شریک تھے۔ لہذا یہ رسالت رسالت مطلقہ تھی جس نے ہدایت جمیع مخلوقات کا فرض ادا کیا۔ اور بنی اسرائیل کو سلامتی کی راہ بتلائی۔ ان کو اسلام حقیقی کی تعلیم دی۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نبی کے بارے میں بنی اسرائیل کو بتلایا کہ یہ نبی تم میں سے نہیں ہوگا بلکہ اس قوم سے ہوگا جو اس نبوت کے مطابق عمل لائے

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی"۔ (متی باب ۲۱ آیہ ۴۳) جس کا پہلے ذکر ہو چکا۔

قول مندرجہ لوقا مذکورہ بالا اور قول مندرجہ متی ۲۱ ایک ہی مطلب کی توضیح کرتا ہے۔

(۲) اقوال مسیح علیہ السلام بھی بکثرت ہیں بعض اقوال پیشتر مذکور ہوئے چند ایک اقوال ان کے علاوہ پیش ہوتے ہیں کیونکہ یہ نبوت بنی اسرائیل میں آخری تھی اس لئے نبوت آیندہ کی مکمل تعلیم کی تفصیل کرنی ضروری تھی۔

آنحضرت علیہ السلام نے حتمی طور سے تعلیم فرما دیا کہ جب تک میں اب زمین پر موجود ہوں نبوت آخری ظاہر نہ ہوگی۔
لیکن میرے آسمان پر جانے کے بعد اس کا ظہور ہوگا جیسا کہ انجیل یوحنا میں مذکور ہے۔

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیجدوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔" (یوحنا ۱۶ آیہ ۷-۹)

جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کیطرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے۔ تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا باب ۱۵ آیہ ۲۶)

باپ سے مراد خدائے فیض/ مربی عالم یعنی رسولِ موعود ہے۔

نبوت مذکورہ کی تصدیق مدینہ سے مرکز ہدایت کو کوفہ میں تبدیل کرنے سے ظاہر ہوئی یہ مددگار جو ابتداء سے بنی اسرائیل کا ساتھی رہا اب رسولِ موعود کی شریعت کا امام ہو کر مدینہ منورہ سے کوفہ میں تشریف لایا۔ یہ سچائی کا روح در روح صدق یا ملک صدق وہ مددگار تھا جس کی آمد کے بنی اسرائیل منتظر تھے جس کو "ایلیاہ" کہتے ہیں

ایک اور قرینہ سے بھی اس آنیوالی شریعت کے متعلق آنحضرت علیہ السلام نے یہ فرما کر سمجھایا "یسوع نے اس سے کہا اے عورت، میری بات کا یقین کر۔ کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کروگے اور نہ یروشلم میں۔۔۔" یوحنا ۴ آیہ ۲۹-۲۶)

ایک دوسرے مقام پر نجات کے متعلق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے اسی طرح اس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے بلکہ اسے عدالت کرنیکا بھی اختیار بخشا گیا اسلئے کہ وہ آدمزاد ہے" یوحنا ۵ آیہ ۲۶-۲۷)

آپ نے صاف صاف بتلایا کہ تاج شفاعت باپ یعنی رب النوع کے سر پر ہے اس نے اپنی نسل کو بھی شفاعت کا عہدہ عطا کیا۔ بلکہ اس نسل کو عدالت کا اختیار بھی بخشا نسل رحمت للعلمین ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ آدمزاد ہے۔ قانون شریعت کے بموجب بیٹا اپنے باپ کا قصاص اس کے قاتلوں سے لیتا ہے۔ حاکم وقت جو بادشاہ کا خلیفہ ہوتا ہے رعیت کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ چونکہ وہ ابن آدم ہے اس لئے عدالت اس کو ملی اور پسر رحمۃ اللعلمین ہونے کے باعث تاج شفاعت اس کے سر پر رکھا گیا۔ جس کی وہ شفاعت کرے وہ ناجی ہے جس کی شفاعت نہ کرے وہ ناری ہو۔ فمن مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ (اس کا ذکر پیشتر گذر چکا نیز حدیث یملا الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا (یہ بھی پیشتر مذکور ہو چکی ہے)

اس وقت تک جس قدر اعلان آمد رسولِ موعود کی نسبت کرتے آئے وہ اگرچہ کافی سے زیادہ ہدایت کے قابل تھا لیکن اس زمانے میں کچھ ایسے امور بھی ہونیوالے تھے جس کے باعث تعلیم میثاق و اوصیاء و مسیا معرض تعارض و تنقیض میں آنیوالی تھی اس لئے اس خانوادہ ہدایت کی مفصل کیفیت بعد از غیبت مسیح علیہ السلام ان کے حواری یوحنا نے کاشف نے تحریر

ملک الصدق

فرمائی۔ یہ کیفیت نہ صرف زمانۂ ورود مشیا ہی بتلاتی ہے بلکہ ان کے اوصیا کی تعداد اُن کے اسماء مقدس اور ان کا مشیا سے تعلق یا رشتہ دنیاوی بھی سکھلاتی ہے اس کے علاوہ مشیا اور اس کے اوصیاء کے مخالفین ومعاندین کا حال بھی بتلاتی ہے ان کے اوصاف ان کی تعداد اور ان کی علامات شناخت کی کیفیت اس تفصیل سے دیگئی ہے کہ اس میں کسی مخالف کو دست اندازی کرنیکی گنجائش نہیں چھوٹی جیسا کہ آئندہ عبارت مکاشفہ سے خود ظاہر ہو جائیگا۔

حضرت یوحنائے کاشف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ حواری ہیں جو جزیرہ پتموس میں جلاوطن کئے گئے تھے اسی جلاوطنی کے زمانے کی یہ تحریر ہے جس کو نبوت بنی اسرائیل کا وصیت نامہ کہنا غیر موزوں نہیں ہو سکتا حواری موصوف نے ۹۶ء میں رحلت فرمائی آپ سب حواریوں سے زیادہ طویل العمر ہوئے اور ان سب کے بعد رحمت الٰہی کی جانب انتقال فرمایا۔

ابتدائے مکاشفہ میں غرض تحریر ثبت فرمائی ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہدایت نامہ عیسوی ان واقعات اور امور کو جو آئندہ ہونیوالے ہیں ظاہر کرنے کے لئے بتوسل یوحنا حواری تحریر ہوا ہے۔

مکاشفہ یوحنا میں ہر ایک صدی عیسوی کے واقعات کو ایک فرشتہ کی آواز کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اور بتلایا ہے کہ ساتویں فرشتہ کی ترہی کی آواز کے شروع میں وہ راز الٰہی ظاہر ہوگا جس کی انبیاء علیہم السلام ابتداء سے تعلیم دیتے آئے ابتدائے ساتویں صدی عیسوی میں تاریخ کی رو سے سوائے دعوت اسلام کے اور کوئی واقعہ ہونا ثابت نہیں ہوتا جس کی نسبت انبیائے سلف نے تعلیم دی ہو۔ سنین مروجہ قیصر آغستس لیویں یا وہ سنین جو زمانۂ ولادت مسیح علیہ السلام کے وقت رائج تھے اور پھر تین سو سال سے زائد عرصہ تک کلیسا میں رائج رہے ہر صورت میں آغاز صدی ہفتم مسیحی میں اسی راز سربستہ الٰہی کا اظہار ثابت ہوتا ہے ۶۰۹ء عیسوی ہو یا ۶۱۱ء دونوں حالتوں میں صدی ہفتم کی ابتداء ظاہر ہے۔ مورخ گبن و دیگر عیسائی مورخین نبوت محمدی کا اعلان ۶۰۹ء و ۶۱۱ء عیسوی ہی میں تحریر کرتے ہیں پس اس کے علاوہ اور کوئی راز سربستہ الٰہی نہیں ہو سکتا جو نبوتہائے انبیائے سلف کا مصدق ہو۔

اس کی مزید توضیح کہ رویائے کاشف میں انکشاف راز سربستہ الٰہی سے نبوت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ مراد ہے مکاشفہ مذکور کے ابواب ۱۲ و ۱۳ و ۲۱ سے ہوتی ہے جو آئندہ آتی ہے۔

نہ صرف یوحنائے کاشف کے اقوال ہی اس کے موید ہیں کہ یہ آنیوالا نبی اسمٰعیل سے ضروری آئیگا بلکہ حضرت شمعون پطرس نے اپنے وعظ میں اس کی تصدیق فرمائی کہ مسیح علیہ السلام اس وقت تک آسمانوں میں رہینگے جب تک وہ سب امور پورے نہ ہولیں جنکا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں ...... نیست و نابود کر دیا جائیگا" (رسولوں کے اعمال ب۳ آیہ ۲۴-۱۹)

پس ثابت ہوا کہ زمانہ غیبت مسیح علیہ السلام تک وہ پیشینگوئی جو کتاب استثنا ب۱۸ آیہ ۱۵ سے پیشتر مذکور ہوئی پوری نہیں ہوئی۔

غیبت مسیح علیہ السلام سے زمانہ حال تک اس نبوت موسوی کا مصداق بجز ذات والاصفات حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ دوسرا شخص تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔ جو ان کل شرائط مندرجہ پیشینگوئی کو پورا کرتا ہو ان حضرات کا حال جو جو مکاشفہ میں مزید شرائط کے طور پر بیان کئے گئے ہیں اور ان تمامی بیانات کی جو انبیائے سلف نے وقتاً فوقتاً ذکر کیے ایک ایسی مشروط تفسیر و تاویل بتلائی جس کے ہوتے ہوئے کسی غلطی کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس نبوت مسیح کی کا انتظام اس طرح پر مذکور ہوا۔

"پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر تھا وہ حاملہ تھی اور درد زہ سے چلاتی تھی اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی۔"

"پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا یعنی ایک بڑا لال اژدہا اسکے سات سر اور دس سینگ تھے اور اسکے سروں پر سات تاج اور اس کی دم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچکر زمین پر ڈالدیے" (مکاشفہ یوحنا باب ۱۲)

یوحنائے کاشف نے اس رویا میں دو گروہ کا ذکر فرمایا ہے اول گروہ مربی عالم۔ کیوں کہ چاند سورج ستارے مربی عالم شمار کئے جاتے ہیں جس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہوسکتا یہ گروہ مربی عالم چودہ اجزا پر مشتمل ہے۔ سورج منبع نور و ضیاء چاند و بارہ ستارے۔ لہذا یہ نظام نظام کامل تھا جو ایک زمانہ قریب میں ہی شروع ہونے والا تھا اس زمانہ میں ایک نبی ایک خادم یا ملحق اور بارہ امام ہدایت پر مامور تھے۔

دوسرا گروہ تباہ کنندہ عالم۔ کیوں کہ اژدہا ہر ایک ذی حیوانات کو کھا جانیوالا اشمار ہوتا ہے۔

بابل کے برآمد شدہ کتبوں کا ذکر پیشتر آچکا ہے ان میں بھی اژدہا ہی دیا ہوا ہے جس سے نسل قابیل ظاہر کیجاتی ہے۔ لہذا یہ گروہ آتش پرستوں کا ہوا جس کے سات بادشاہ یا بانی ہوئے اور دس نفر معاون یا سردار جو ان کے قائم مقام تھے۔ یعنی اس سترہ کے سلسلہ نے تمام دنیا کو خراب کیا ہوا تھا اسی سلسلہ کے تابعین نے چودہ کے سلسلہ کے بارہ سرداروں کی تہائی یعنی چار سرداروں یا ستاروں کو زمین پر گرا دیا ان کو مغلوب کیا یا قتل و شہید کیا

یہ ظاہر ہے کہ چودہ کا سلسلہ نورانی ہے۔ اس کا مخالف سلسلہ ظلمانی ہوگا یعنی ایمان کا مخالف کفر ہوسکتا ہے یا شبہ بکفر جس کو نفاق کہتے ہیں۔

اسی بیان میں جو باب ۱۲ مکاشفہ میں حوالہ مذکورہ بالا کے بعد مسطور ہے ذکر ہوا ہے کہ اژدہا اس بچہ کو جو اس عورت نے جنا نگلنا چاہتا تھا لیکن اس عورت کو دو پر عطا ہوئے کہ وہ اس کو لیکر پرواز کر گئی اور بیابان میں مقررہ جگہ پر مدت معین تک اس کی پرورش ہوا کی۔

اژدہا اپنے ارادے میں ناکامیاب رہا اور اس عورت کی بقیہ نسل سے لڑنے کے لئے نکلا۔ اندریں صورت تاریخی شہادت موجود ہے کہ کفار اپنے ارادہ قتل نبی آخر الزمان صلواۃ اللہ علیہ والہ میں ہارے اس طرف کی شکست کا بدلہ انھوں نے نسل رسول سے لینا چاہا جو اوصیائے رسول تھے۔

یہ انتقام انھوں نے کس طرح لیا۔ باب ۱۳ مکاشفہ میں مذکور ہے۔

باب ۱۳ ۔ (اژدہا اس عورت کی بقیہ اولاد سے لڑنے گیا)۔ اور سمندر کی ریت پر جا کھڑا ہوا۔ اور میں نے ایک حیوان کو سمندر کی ریت سے نکلتے ہوئے دیکھا اس کے دس سینگ اور سات سر تھے اور اس کے سینگوں پر دس تاج اور اس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کیسی تھی اور پاؤں ریچھ کیسے اور منہ ببر کیسا اور اس اژدہے نے اپنی قدرت اپنا تخت اور بڑا اختیار اسے دیا۔

عبارت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ کفار کا قائم عام وہ سلسلہ ستروکس ہوا جو منافقین سے تھا۔ اس سلسلہ کے سات بانی اور دس سردار تھے۔ ان کے بانیوں نے تاج شاہی اپنے سر پر نہیں رکھا بلکہ تقدس و مذہب کی آڑ میں شکار کھیلنا چاہا اس کے دس سرداروں نے لقب بادشاہی اختیار کیا تاجدار کہلائے لیکن سات بانیوں نے وہ دعویٰ کیا جس کے مستحق نہ تھے۔

کفر اسلئے کفر ہے کہ غیر مستحق اس درجہ پر سمجھا جاتا ہے جس کا اس کو استحقاق نہیں۔

پس یہ منافقین کا سلسلہ ایک خاص پہلو سے اولاد رسول سے لڑنے کے لئے نکلا یعنی اس کے بانیوں نے وہ دعویٰ کیا جو تعلیم رسول اور حکم الٰہی کے خلاف تھا انھوں نے بادشاہی لقب اختیار کرنے اور تاج شاہی سر پر رکھنے سے اجتناب کیا۔

اس سلسلہ کا ابتدائی طرز عمل مکر و فریب انتہائی لغویات سے پُر اور ان کا استوار کنندہ ہیبتناک تھا۔ یہ کفار کا تمام اقتدار ان کی مجموعی شوکت اور ان کی نیابت اس سلسلہ کو حاصل ہوئی۔

معترض کے اعتراضات سے بچنے کے لئے بیان بالا کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

اس گروہ کا منافق ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ "اژدہا جنگ کے لئے تیار ہو کر سمندر کی ریت پر کھڑا ہوا" سمندر سے مراد قومیں اور گروہ ہیں جیسا کہ اسی مکاشفہ میں دوسرے مقام پر اس لفظ کی تشریح بیان ہوئی ہے۔ ریت ایسی زمین ہے جس کو پائداری نہیں ہوتی نہ وہ مکان جس کی بنیاد ریت پر قائم ہو مستحکم کہلاتا ہے لہذا ریت سے حالت تذبذب مراد ہے۔ اور سمندر کی ریت گروہ مذبذبین ہوا۔ اس گروہ مذبذبین سے وہ گروہ نکلا جو کفار کا قائمقام ہوا یعنی وہ حیوان جس کو اژدہا نے اپنا نائب بنایا۔ سگ زرد برادر شغال۔ کفر کا وارث نفاق اور کافر کا نائب منافق۔

اس گروہ کی مکاری، لغو پرستی اور ہیبت اس حیوان کی "رویت" سے ظاہر ہے۔ شکل بظاہر صورت سب سے بیشتر نظر آتی ہے لہذا اس سے ابتدا ہے۔

تیندوا مکاری میں مشہور ہے نیز کتوں اور خچروں کا جانی دشمن ہوتا ہے یعنی وفادار و خدمت گذاروں کا دشمن لہذا اس سلسلہ کی ابتدا مکر و فریب اور مومنین سے عداوت رکھنے کے باعث ہوئی۔

جیسے چہرہ انسان اوّل جزو ہے جو ظاہر ہوتا ہے اسی طرح قدم آخر اجزائے انسانی ہے جو دنیا میں آتا ہے ریچھ کے پاؤں بالوں سے ڈھنکے ہوئے ہوتے ہیں جو غلاظت سے پُر ہیں لہذا اس سلسلہ کا آخر لغویات سے مملو ہوا لیکن وہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے غذائے ہضم کے قابل بنکر معدے میں داخل ہوتی ہے اور قیام حیات کا باعث بنتی ہے۔ اندریں صورت وہ ذریعہ یا وسیلہ جس سے اس سلسلہ کو قوت و شوکت و استحکام نصیب ہو ببر کی

لہٰذہ خوفناک یا ہیبتناک قرار پایا۔

اژدہا یعنی کفر کے بانیوں نے بادشاہ بنکر تعلیم مخالف پھیلائی اور ان کے دس سرداران کی تعلیم کے مبلغ ہوئے لیکن یہ پہلو کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ ہمیشہ عذاب الٰہی اور شکست سے سابقہ ہوا کیا۔ لہٰذا اس تجربۂ دیرینہ سے فائدہ اٹھا کر حیوان قائمقام اژدہا یعنی منافقین نے اپنی روش بدلی۔ پہلے سات مبلغ بنے اور باقی کے دس اس تعلیم کو زور حکومت منوانے والے۔ اس سلسلہ کو نورانی نظام کے بارہ ستاروں کی اتباع پر دسترس ہوئی۔

لیکن یہ سترہ کا سلسلہ چودہ کے سلسلہ کا مخالف تھا لہٰذا ان کی تعلیم ان کی تعلیم کے مخالف ہونے کے باعث کفر قرار پائی۔

اس حیوان کا مفصل حال بقیہ آیات باب سیزدہم مکاشفہ میں اس طرح بتلایا گیا ہے۔

(بقیہ ب ۱۳) "اور میں نے اس کے سروں میں سے ایک پر گویا زخم کاری لگا ہوا دیکھا۔ مگر اس کا زخم کاری اچھا ہو گیا اور ساری دُنیا تعجب کرتی ہوئی اس حیوان کے پیچھے پیچھے ہولی اور چونکہ اس اژدہے نے اپنا اختیار اس حیوان کو دیدیا تھا اس لئے انھوں نے اژدہے کی پرستش کی اور اس حیوان کی بھی یہ کہکر پرستش کی کہ اس حیوان کی مانند کون ہے کون اس سے لڑ سکتا ہے۔ اور بڑے بول بولنے اور کفر بکنے کیلئے اُسے ایک مُنہ دیا گیا اور اُسے بیالیس مہینہ تک کام کرنے کا اختیار دیا گیا اور اس نے خدا کی نسبت کفر بکنے کے لئے منہ کھولا کہ اس کے نام اور خیمہ یعنی آسمان کے رہنے والوں کی نسبت کفر بکے اور اُسے یہ اختیار دیا گیا کہ مقدسوں سے لڑے اور ان پر غالب آئے اور اُسے ہر قبیلہ اور اُمت اور اہل زبان اور قوم پر اختیار دیا گیا۔ اور زمین کے وہ سب رہنے والے جن کے نام اس بڑہ کی کتاب حیات میں نہیں لکھے گئے جو بنائے عالم کے وقت سے ذبح ہوا ہے اس حیوان کی پرستش کرینگے۔"

اس سلسلہ کی شناخت کے لئے عبارت مذکورہ بالا میں کچھ علامات قرار دیگئی ہیں۔

(۱) پہلی علامت یہ ہے۔ کہ اس سلسلہ کے ایک بانی کی تعلیم کو زخم کاری یا صدمۂ عظیم ہو پہنچا جس کے باعث یہ تعلیم قریب المرگ ہو گئی لیکن وہ زخم مندمل ہونے یعنی تعلیم سلسلہ کے باردیگر رایج ہونے سے وہ تعلیم زندہ رہی۔+

(۲) دوسری علامت یہ کہ تقریباً تمام دُنیا (یعنی دُنیائے نظام مذکورہ) نے اس سلسلہ کی متابعت کی۔ اُن کی متابعت کیوجہ سے انھوں نے کفر کا اتباع کیا۔

اس حیوان یا سلسلہ کی متابعت زیادہ تر اس غرض سے بھی کی کہ ان کی جماعت اور ان کی طاقت بہت زیادہ تھی ان سے لڑنا مشکل تھا۔ ان کی چالیں زبردست تھیں۔ اس لئے بھی دنیا والے ان کے تابع ہوگئے۔

(۳) اسی زمانے میں اس کی زبان کھلی اس نے خدا (رب النوع) اور اس کے خیمہ کے رہنے والوں کے یعنی گروہ مقدسین کی نسبت کلمات کفر کا رواج دیا (یعنی اہل کسا کے خلاف اپنی زبان کھولی)۔

(۵) اس سلسلہ کا غلبہ و اقتدار ۴۲ ماہ (۱۲۶۰ یوم) یعنی ۱۲۶۰ سال تک باقی رہا۔ مقدسین کی جماعت سے اس کو جنگ کرنے اور ان کو مغلوب کرنے کی اس سلسلہ کو اس عرصہ تک مہلت ملی۔ (تقریباً ۱۲۹۵ھ یا ۱۸۷۸ء تک)

(۶) ہر ایک قوم قبیلہ۔ امت اور اہل زبان پر اس کو تسلط حاصل ہوا۔ سب نے اس کی تعلیم کی پیروی کی الّا وہ معدودے چند جن کے نام برّہ مذبوح کی کتاب حیات میں درج ہیں۔

یہ امر ابتدائے مکاشفہ میں طے ہو چکا کہ امور مندرجۂ مکاشفہ بعد از مسیح علیہ السلام رونما ہونے والے ہیں نیز یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ابتدائے صدی ہفتم عیسوی میں نبوت آخری کا ظہور ہوا جس کے سلسلہ میں شمس و قمر بارہ ستارے ہیں یہ بھی عبارت مکاشفہ سے ہویدا ہے کہ اس تمام زمانہ کا جو زمانۂ آخر کہلاتا ہے ایک ہی نبی ہے کیوں کہ عورت یعنی زمانۂ آخر نے سورج کو اوڑھا ہوا ہے۔

عبارت مکاشفہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس زمانہ کی ہدایت اور نبوت کی زینت بارہ ستارے یا سردار موجود ہیں۔ کیوں کہ تاج علامت شاہی ہے۔ لہذا نبوت آخری کی سرداری کل نبوتہائے از منہ گذشتہ کی علامت یہی بارہ امام یا سردار موجود ہیں۔

عبارت مکاشفہ سے آخراً یہ بھی ہویدا ہے کہ اس زمانے کے آخر میں اس نبوتِ آخری کا خادم مثل قمر جو شمس کا خادم ہے ایک جزوی نبی ہوگا۔ حوالہ زبور و دیگر اسفار سے پیشتر معلوم ہو چکا کہ مسیح علیہ السلام نبی بنی اسرائیل بطریقہ ملک صدق یعنی کہانت علویہ کے کاہن مقرر ہوئے۔ لہذا قمر سے آنحضرت علیہ السلام مراد ہیں آپ کا واپس تشریف لانا اور شریعت اسلام کی تائید کرنا حدیث ہائے متواترہ میں ہے لہذا جو عبارت مکاشفہ سے ثابت ہو کہ سترہ کا سلسلۂ تعلیم چودہ کے سلسلۂ تعلیم کے مخالف ہے اور چودہ کا سلسلہ سلسلۂ نبوت آخری ہے لہذا سترہ کا سلسلہ اسی امتِ نبوتِ آخری کے منافقین کا ہوگا۔ ان کو سلسلۂ نبوت آخری کے چار ائمہ علیہم السلام کے قتل پر دسترس ہوئی۔

تاریخ سے ان چار ائمۂ موعود علیہم السلام کے اسمائے مقدس جو اس سلسلہ نے شہید کئے حسب ذیل ملتے ہیں

(۱) حسن بن علی ابن ابیطالب علیہم السلام۔ خال المومنین امیر معاویہ کے ایمائے سنہ ۵۰ھ میں
(۲) حسین " " " یزید بن معاویہ " آغاز سنہ ۶۱ھ "
(۳) علی ابن الحسین بن " (حضرت سجاد) بحکم عبد الملک بن مروان بن حکم سنہ ۹۵ھ "
(۴) محمد (باقر) بن علی بن الحسین " ہشام بن عبد الملک سنہ ۱۱۶ھ "

تاریخی شہادت کی بنا پر یہ امر ثابت ہو گیا کہ امیر معاویہ سے لیکر ہشام تک کے چاروں کس وہم اژدہا یعنی بانیان کفار یا بقیۃ الاحزاب ہیں (بموجب حکم مکاشفہ ب۱۲)

بموجب ب۱۳ مکاشفہ یہ سلسلہ منافقین یا شامل ہیں جنکی تعداد (۷ + ۱۰) سترہ ہے لہذا سات بانیوں نے جو تعلیم کا سلسلہ قائم کیا وہ خلاف حکم رسول تھا۔ باعث کفر و ضلالت قرار پایا۔

یہ مسلمہ امر اور مقررہ قاعدہ ہے کہ کسی خاص فعل کے عمل میں لانے کے لئے ایک خاص قانون یا ضابطہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس پر عمل کرنے سے خواہی نخواہی وہی نتیجہ برآمد ہوگا جو منظور نظر ہے۔ مثلاً کوئی سوسائٹی اپنے ممبروں کو ایک ایسے نہج پر ڈھالنا چاہتی ہے کہ وہ دوسری سوسائٹیوں کے افراد سے بادی النظر میں ممتاز نظر آئیں تو اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ایک قاعدہ بنائیگی کہ تمام ممبران سوسائٹی ایک خاص قسم کا اور مخصوص قطع کا لباس استعمال کریں ایک مقررہ طریقہ پر کھانا کھائیں یا فلاں فلاں اشیاء کا استعمال ترک کردیں یہ سوشیل قانون کہلائیگا۔ رفتہ رفتہ دس بیس سال کے عرصہ میں اس سوسائٹی کے ممبر اسی قسم کی زندگی کے عادی ہوجائینگے چھوڑی ہوئی شے کی تلخی یا اختیار کردہ شے کی حصولی ان کا خاصہ طبعی قرار پائیگا سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۶۱ھ تک جو واقعات آل رسول پر آئے وہ اسی قسم کی تحریک کا نتیجہ نکلتے ہیں۔ نتیجہ تحریک قتل آل رسول کی صورت میں ظاہر ہوا جسکی ابتدا سنہ ۱۱ھ سے رحلت رسول مقبول اوائل سنہ ۱۱ھ میں ہوئی۔ لہذا تحریک کی ابتدا وقعت آل رسول کم کرنے ان کو بائیکاٹ کرنے سے شروع ہوئی چاہیئے۔

قانون شریعت کے مطابق ان کی محبت فرض عین قرار دی گئی تھی جیسا کہ آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ سے ظاہر ہے ان کی ولایت بعقول ولایت خدا و رسول ظاہر کردی گئی تھی جیسا کہ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون میں موجود ہے لہذا حکم الٰہی تعلیم رسول کا منشاء یہ تھا کہ اس گروہ کو ولی نعمت سمجھو جو نماز کو قائم کرنے والے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے ہیں یا اقربائے رسول سے دلی محبت رکھو ان کو دینا ہی اجر رسالت ہے۔

لیکن رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی معلوم ہوگیا کوئی خفیہ تحریک پیشتر سے ہو رہی تھی جس طرح سے پیشتر رسول کا بائیکاٹ کیا گیا تھا اور قتل کی تجاویز ٹھہری تھیں اسی طرح اب آل رسول سے قطع تعلق کرنیکا تہیہ کیا ہوا تھا رسول شعب ابوطالب میں رہکر جان بچا گئے کیونکہ اس بائیکاٹ نے ابتدا ہی میں خطرناک صورت اختیار کرلی تھی۔ آل رسول کے بائیکاٹ کرنے کے بعد ان کی وقعت کم کرنیکی کوشش کیگئی وظائف مقررہ ذرائع معاش بند کئے گئے ان کو امور امت سے قطعاً الگ رکھا گیا یقین تھا رفتہ رفتہ وہ زمانہ آجائے گا کہ نسل رسول کا قتل ایک مجرم کا قتل متصور ہو۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔ کہنے والے کہہ گئے اور تحریریں چھوڑ گئے بتلا گئے قتل الحسین بسیف جدہ حسینؑ اپنے نانا کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق تلوار سے قتل ہوا۔

ہم تو نہ کسی سے تعرض رکھتے ہیں نہ کافر یا منافق بنانا چاہتے ہیں یہاں تک کہ شیطان کو بھی شیطان کہنا نہیں چاہتے لیکن دقت یہ آپڑی ہے کہ حکم خدا کی تعمیل میں ایسا کہنا پڑتا ہے قرآن پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں وہی تعلیم الٰہی ہے کہ انبیاء سلف کو برحق سمجھو ان کی تعلیم کو برحق جانو۔ پھر کس طرح ان کے اقوال کی تکذیب کی جائے۔

ایک معمولی سی بات ہے کوئی معتبر شخص کسی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے ہم اس کے بیان کی بنا پر اس واقعہ کو سچ سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر ایک فریق کو ظالم دوسرے کو مظلوم قرار دے بیٹھتے ہیں۔ اس کو معتبر تاریخ کہہ سکتے

ہیں یعنی تاریخ وہ بیان ہے جو کسی واقعہ کے ہو چکنے کے بعد اس کی تفصیل بتلائے اور اگر قبل از وقوع وہی تفصیل بتلائی جائے جو آئندہ ہو کر رہے تو اس کو پیشینگوئی کہہ دیتے ہیں یعنی وہ تاریخ جو ظہور واقعہ سے پیشتر تحریر ہوئی جب ہم معمولی اشخاص کے تاریخی بیانات پر یقین کر لیتے ہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انبیائی پیشینگوئیوں پر یعنی اس تاریخ پر جو انبیائے سلف علیہم السلام نے بذریعہ وحی الٰہی تحریر فرمائی یقین بلکہ ایمان نہ رکھیں خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہم ان کی صداقت کے اقراری بھی ہوں اور ان کی تعلیم کو حق بھی سمجھتے ہوں۔

اسی حق کی حقیقت کے بیان میں مجبوراً کلمۂ حق ہی کہنا پڑتا ہے بادل خواستہ ہو یا ناخواستہ کیوں کہ حق کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا خود بخود ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

اس سے پیشتر اسی نبوت کی مصداق آیہ قرآنی مذکور ہو چکی ہے جس میں نسل و زراعت (امت) رسول کے ہلاک کرنے کے منصوبوں کا جاری ہونا ثابت ہوتا ہے وہی بیان مکاشفہ میں موجود ہے جس کی تصدیق تواریخی بیانات کر رہے ہیں۔ ہمیں بھی قرآن کریم و اسفار قدیم کی متابعت کرنی لازمی ہے۔

قرآنی الفاظ کے بموجب زراعت پہلے برباد ہوئی نسل بعد میں (یھلک الحرث والنسل) لہٰذا مسلمان پہلے نامسلمان بنائے گئے اور پھر ان نامسلمانوں نے آل رسول کو قتل کیا۔ مسلمانوں کی نامسلمانی کو مکاشفہ میں کفر و ارتداد نفاق یا حیوانی سلسلہ بتلایا گیا ہے۔

اس کشفی تاریخ کا بیان یہ ہی خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اس سلسلہ حیوانی کو مخصوص سلسلہ بنا دیا گیا تاکہ عمومیت کی حدود و شمار سے نکل کر اس مخصوص سلسلہ پر صادق آئے جس کا یہ بیان ہے۔

(بقیہ آخر باب ۱۳) "پھر میں نے ایک اور حیوان کو زمین سے نکلتے دیکھا اسکے برے کیسے دو سینگ تھے اور اژدہے کی طرح بولتا تھا۔ اور یہ پہلے حیوان کا سارا اختیار اپنے کام میں لاتا تھا۔ اور زمین اور اسکے رہنے والوں سے اس پہلے حیوان کی پرستش کراتا تھا جس کا زخم کاری اچھا ہو گیا تھا۔ اور وہ بڑے بڑے نشان دکھلاتا تھا یہانتک کہ آدمیوں کے سامنے آسمان سے زمین پر آگ نازل کر دیتا تھا اور زمین کے رہنے والوں کو ان نشانوں کے سبب سے جنکے اس حیوان کے سامنے دکھانے کا اسکو اختیار دیا گیا تھا اس طرح گمراہ کر دیتا تھا کہ زمین کے رہنے والوں سے کہتا تھا کہ جس حیوان کے تلوار لگی تھی اور وہ زندہ ہو گیا اس کا بت بناؤ اور اسی اس حیوان کے بت میں روح پھونکنے کا اختیار دیا گیا تاکہ وہ حیوان کا بت بولے بھی اور جتنے لوگ اس حیوان کے بت کی پرستش نہ کریں انکو قتل بھی کرائے اور اس نے سب چھوٹے بڑے دولتمندوں اور غریبوں آزادوں اور غلاموں کے دہنے ہاتھ یا انکے ماتھے پر ایک ایک چھاپ کرا دیا تاکہ اسکے سوا جس پر نشان یعنی اس حیوان کا نام یا اس کے نام کا عدد ہو اور کوئی خرید و فروخت نہ کر سکے حکمت کا یہ موقع ہے جو سمجھ رکھتا ہے وہ اس حیوان کے عدد گن لے کیونکہ وہ آدمی کا عدد ہے اور اسکا عدد چھ سو چھیاسٹھ ہے"

اس پہلے حیوان کی مزید علامت شناخت اس طرح پر بیان ہوئی۔ کہ اسکے عامل یا گورنروں کا سلسلہ ایمان والوں کے درمیان سے نکلا۔ سمندر کی ریت سے نہیں بلکہ زمین سے۔ اس سلسلہ میں دو سردار ہوئے لیکن یہ سلسلہ بھی کفار کا ہمنوا تھا۔ پہلے سلسلہ کا نائب ہونیکی وجہ سے اس کے نام سے کل اختیارات کو استعمال میں لاتا تھا اور جبراً تمام ایمان والوں کو اس سلسلہ کا مطیع بناتا تھا جسکی تعلیم مہلک صدمہ پہنچ جانے کے بعد بھی باقی رہی وہ بڑے بڑے مہیب

طریقوں سے لوگوں کو زبردستی گمراہ کرتا تھا کبھی آتشبازی سے کبھی سطوت شاہی سے۔ اس کی گرفت و عقوبت سے مومنین کے لئے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا اور وہ یہ کہ اس حیوان کی اطاعت کریں اور اسکی تعلیم کی پیروی کریں جو تلوار کھا کر بھی زندہ ہو گیا۔ اس دوسرے حیوان کو حیوان اول کیجانب سے پوری رخصت اور کامل اجازت حاصل تھی کہ اس تعلیم میں از سر نو روح پھونکے۔ اور جس طرح بھی ممکن ہو۔ اس کو تمام مملکت میں رواج دے۔ ہر طرف اسی تعلیم کا چرچا ہو جائے اور اس تعلیم کے مخالف قتل ہوں۔ اسی بنا پر اس دوسرے حیوان نے زمین مخصوص کے رہنے والوں میں جس جگہ کہ اثر مخالف زیادہ تھا۔ ایک خاص علامت قائم کی۔ تاکہ جس پر وہ نشان ہو وہ خرید و فروخت کر سکے۔ اور مخالف جماعت شناخت ہو کر قتل کیجائے۔ یہ علامت کیا تھی؟ اس حیوان کا نام یا اس کے نام کے اعداد تھے جو پیشانی یا ہاتھ پر گدوا دئے جاتے تھے۔ یہ مجموعہ اعداد "۶۶۶" تھا۔

اس تمام بیان کا مدار حل معمۂ عددی قرار دیا گیا جو اعداد سے نام تک پہونچ جائے۔ وہ سعید روح ہے۔ لیکن یہ کوئی معمولی پیشینگوئی نہ تھی جس میں ہر ایک اسی قسم کے افعال والا شریک ہو جاتا۔ بلکہ یہ تو ایک ایسا واضح بیان ہے جس میں کسی طرف شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ پہلے چودہ کے سلسلہ کا تذکرہ کیا اور زمین سے شروع ہو کر آسمان تک بیان کو پہونچا دیا۔ ایک نور قدموں میں ظاہر کیا۔ دوسرا شیع نور تمام جسم پر سر سے ٹخنوں تک اور تیسرا نور بارہ ٹکڑوں میں اس نور کے اوپر۔ یہ کل منظر "نورٌ علی نور" ہے۔ ایک نور دوسرے نور کا شاہد۔ اگر قمر آفتاب کے قدموں میں ہو تو ستارے تاج کی صورت میں سر پر۔ ؎

نور عیسٰے در قدوم نور احمدؐ سرنگن
بر سر مہر نبوت نقش پائے بوترابؑ

یہ بیان دور اسلام ہے۔ نور اسلام کا مخالف "منافق ہو گا یا مرتد یا کافر" پس مسلمانوں میں ہی ایسے شخص کی تلاش کرنی چاہئے جو "نورٌ علی نور" کا برعکس کہلا سکے۔ لیکن ایسے شخص کا ملنا محال ہے جس پر یہ تینوں اوصاف صادق آ سکیں مثلاً منافق کافر ہو سکتا ہے۔ اور منافق کہلا سکتا ہے لیکن منافق مرتد ہو کر منافق نہیں رہ سکتا۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ کافر منافق ہو جائے اور پھر مرتد بنے تینوں کیفیتیں "نفاق، ارتداد، کفر" ایکدم جمع نہیں ہو سکتیں۔ الّا یہ کہ "الولد سر لابیہ" کے اصول پر "قرآن السعدین" کے مقابل "قران النحسین" کہیں ظاہر ہو جائے

مکاشفہ ۱۳ میں اس حیوان کی تفصیل بتلائی گئی ہے جو سات سر اور دس سینگ رکھتا ہے۔ یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ بادشاہ ہیں ان کے سلسلہ میں آٹھواں شخص وہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے ساتواں تھوڑے ہی عرصہ رہے گا۔

اس ہدایت کے بموجب ایسے بھلے مانس کی تلاش مسلمان کہلانے والے بادشاہوں میں کرنی چاہئے۔ اور تلاش بھی صرف انہی میں جو چار آئمہ طاہرین علیہ السلام کے شہید کرنے پر قادر ہوئے۔

ان بادشاہوں میں ایسا شخص جو منافق بن مرتد بن کافر ہو سوائے عبدالملک بن مروان بن حکم کے اور کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اس کے نام کے اعداد اسی کتاب کے ساتھ ۶۶۶ ہوتے ہیں۔ اور یہ شخص اس طرح مشخص ہو جاتا ہے

کہ اس ترتیب کے ساتھ ذکر کرنے سے اس کے سوا کوئی دوسرا شخص ٹھہر نہیں ہو سکتا۔ شرط مکاشفہ کے مطابق یہ آٹھواں
ہے۔ اس کا پیشتر اس کا باپ مروان چھ ماہ بادشاہ رہا مروان سے پہلے معاویہ بن یزید اس کے قبل یزید بن معاویہ
باپ بیٹے یکے بعد دیگرے ہوئے۔ عبدالملک کے زمانے میں حجاج اس کے گورنر نے اہل مکہ کی پیشانی اور ہاتھ
پر داغ لگوائے۔

امیر معاویہ کو بعد خلافت ثانیہ ممالک شام کی گورنری ملی۔ خلافت سوم کے بعد وعید از تاج خلافت ہو کر
شام کی مطلق العنانی بادشاہی نصیب ہوئی۔ اور پھر بعد از معاملہ حکمین کل ممالک حجاز، عراق، عرب، مصر، یمن وغیرہ
کی بادشاہت مل گئی۔ آپ کے فرزند ارجمند یزید کی طرف سے عبداللہ ابن زیاد گورنر کوفہ تھا جس کے اہتمام سے
واقعہ کربلا رونما ہوا

عبدالملک مذکور از روئے مکاشفہ آٹھواں فرمانروا ہے۔ نواں اس کا پسر ولید۔ دسواں دوسرا پسر سلیمان
گیارھواں یزید ثانی۔ بارھواں ہشام بن عبدالملک۔ تیرھواں ولید ثانی بن عبدالملک۔ چودھواں یزید ثالث
پندرھواں مروان حمار۔ سولھواں عمر بن عبدالعزیز جو یزید ثانی سے پیشتر تخت نشین ہوا اور سترھواں عبداللہ ابن زبیر
جو بزمانہ عبدالملک حجاز کے فرمانروا شمار ہوتے تھے۔

اگر اس سلسلہ کے ذریعہ و وسیلہ یا تعلیم کی تلاش کی ہماری خواہش ہو تو پہلا امر جس پر غور کرنے کی ضرورت
ہے سنت الٰہی ہے جس کو قانون قدرت یا شریعت کی کتاب کہا جاتا ہے کیونکہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ
وہی قدیم مذہب ہے جس کی تلقین آدمؑ سے لیکر خاتمؑ علیہم السلام تک سب کرتے رہے۔ پس قانون الٰہی میں کوئی
تبدیلی ہونا ممکن نہیں۔ اصول تعلیم جو ابتدا سے چلا آیا۔ باقی رہا۔ فروعی امور میں حسب ضرورت زمانہ تبدیلی ہوتی جب
ضرورت لاحق جاتی رہی۔ قانون پھر قدیم صدد پر آ رہا۔ جیسا کہ فی زمانہ نماز حضر و قصر کی مثال موجود ہے۔

دوسرا امر غور طلب نمونہائے انبیائے سلف ہیں جن کا بال برابر بھی حق سے متجاوز ہونا ممکن نہیں۔

تیسرا امر غور طلب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال سے ان نمونہائے سلف کی تصدیق ہے

چوتھا امر غور طلب ہر ایک مرنے والے کا ترکہ ہے جو اس کے بعد باقی رہتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنے بعد دو قسم
کی ملک چھوڑتا ہے۔ ایک ترکہ کو مال (زر ہو۔ زمین ہو یا مویشی یا ان سب کا مجموعہ) دوسرے ترکہ کو اولاد کہتے ہیں
پہلا ترکہ میراث کہلاتا ہے۔ اور دوسرا ترکہ وارث۔ یہ دونوں ملکر متوفی کا ترکہ ہوتے ہیں۔ قاعدہ کلیہ ابتدائے آفرینش
سے یہی چلا آیا ہے کہ ترکۂ اولاد ترکۂ مال کی مالک قرار پائے۔ نبی ہو۔ یا غیر نبی۔ اس قاعدے سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہوا

لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے جناب ختم الانبیاء علیہ وآلہ الاف التحیہ والثناء نے اس قانون قدرت کے متعلق عملی تعلیم کیا
دی دنیا کے مال و دولت سے آپ کی ملکیت کیا تھی جو آپ کے بعد ترکہ رسول کہلا سکتی ہے تو تاریخ عامہ سے ظاہر ہے
کہ وقت رحلت آنحضرتؐ ایک اونٹ ایک گھوڑا ایک تلوار ایک عمامہ ایک چادر ایک عبا فدک اور دیگر مواضعات
ایک قرآن ایک بیٹی نو زوجہ اور نو حجرے کے مالک تھے جس میں سے اونٹ گھوڑا تلوار عمامہ۔ عبا۔ چادر زین وغیرہ

وفات سے پہلے بیٹی اور داماد کے حوالہ کیا اور صرف قرآن لوزوجہ ان کے حجرے اور ایک اٹھی باقی رہے۔ ان میں سے قرآن و اولاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکہ بیان فرمایا۔ جیسا کہ حدیث شریف ثقلین سے ثابت ہے انی تارک فیکم ثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی۔ ان میں سے ایک ذی روح ہے اور دوسرا غیر ذی روح۔ قاعدے کے مطابق اولاد وارث اور قرآن میراث کہلائے گی جب تک کوئی شخص وارث کی اجازت حاصل نہ کرے۔ میراث سے متمتع ہونا اس کے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ پس احکامات قرآنی کی تعمیل آل رسول کی اجازت و متابعت میں مفید ہو سکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ دوست کے مال پر دوست متصرف ہو سکتا ہے قبضۂ مخالفانہ کرنیوالے دوست نہیں کہلاتے۔

پنجم امر غور طلب وہ تعلیم ہے۔ جو اس سلسلہ نے رسول کے نام سے شائع کی۔

رسول اللہ نے اپنے بعد دو ترکہ چھوڑنے کی تعلیم دی ایک وارث دوسری میراث۔

اس کے مقابلہ میں رسول کے نام سے یہ تعلیم بھی ملتی ہے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ماترکنٰہ صدقۃ۔ ہم گروہ انبیا نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ مورث جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے حدیث ثقلین رسول کی اسفار انبیاء سے مطابقت ہے۔ زبور رب ۴۵ میں صاف بتلایا گیا ہے "تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے وارث ہوں گے" قرآن میں دعائے حضرت زکریا علیہ السلام دربارہ طلب فرزند موجود ہے جو عرض کرتے ہیں خدایا مجھے ایک پسر عنایت فرما یرثنی ویرث من آل یعقوب جو میری میراث پاوے۔ اور آل یعقوبؑ کی میراث حاصل کرے۔

حدیث "نحن معاشر" کی مطابقت نہ اسفار صحف سے ہوتی ہے نہ قانون خلف سے۔

یہ وہ تعلیم تھی جس سے میراث اہلبیت یعنی کتاب اللہ ملکیت جمہور قرار دی گئی۔ اور ان کا منتخب کیا ہوا وارث وارث رسول اللہ قرار پایا۔ یہ ابتدا تھی لیکن اس کی انتہا۔ اللہ اکبر ؎

مشہد میں، کربلا میں، نجف میں، مدینہ میں + بکھرے گل ریاض پیمبر کہاں کہاں

یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مردان مرتد طرید رسولؐ مدینۂ رسول میں قلمدان وزارت خلافتِ رسول کا مالک بنکر داخل ہوتا ہے۔ یہ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ معاویہ کو منابر اسلامیہ پر سب وشتم نفس رسول کی جرأت ہوئی۔ یہ اسی تعلیم کا پرتو تھا۔ کہ خلافت کی باگ یزید شوم کے دست نجس میں پہونچی۔ اور اس کی زبان نے علی الاعلان کلمات کفر بکے۔ یہ شعر اسی خلافت مآب کی یادگار ہے ؎ لعبت ہاشم بالملک فلا + ملک جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم و محمدؐ نے حصول شاہی کا کھیل بنایا ہوا تھا۔ نہ کوئی وحی آئی نہ فرشتہ۔ لاحول ولاقوۃ۔ پہلوں کی افترا وظلم کے ارتداد وجرأت کا باعث ہوئی جس کے باعث رسول کا گھرانہ تلواروں سے کٹا۔ تیروں سے چھنا۔ نیزوں کی انیوں اور برچھیوں کی نوکوں سے غربال بنا۔ گرزوں سے کٹا تازیانوں سے پٹا۔ بازاروں کی تشہیر دل کی ذلت اور قید سخت کی مصیبت میں پھنسا۔ زہر دلوا کر دیواروں میں چنوا کر کنوؤں میں گرا کر آگ میں جلا کر پانی میں بہا کر نشان

رسول مٹانے کی تمام تدابیر اسی تعلیم کی تفسیریں اور تاویلیں تھیں تعلیم دینے والا لفظاً ہی نہیں پڑھاتا۔ بلکہ اس کے معنی بھی سمجھاتا ہے۔ بعض امور کو عملاً بھی دکھلاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث بیراث کے عملی معنی خانۂ رسالت میں آگ لگا کر سمجھائے گئے۔ بنفس رسولؐ کو مسجد رسول میں قتل کی دھمکیاں دیکر بتلائے گئے اور کربلا میں جو واقعہ پیش آیا وہ اس عملی تعلیم کی تکمیلی صورت تھی۔ آہ

ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلمان کردند

ان کو رسول کی رسالت میں شک تھا خدا کی عالم الغیبی پر یقین نہ تھا۔ وہ اپنے دلی منصوبوں کو مقفل سمجھے ہوئے تھے۔ یہی یقین تھا کہ عوام الناس کی طرح رسول بھی ہمارے ارادوں سے واقف نہیں ہو سکتا انہیں کیا خبر کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش از پیش ان واقعات کی اطلاع ہو چکی جس نسل رسول کے استیصال کی اور جس زراعت رسول کے فاسد کرنے کی تجاویز پر انہوں نے کمر باندھی تھی اس کا حال ایک دو دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار مختلف صورتوں سے مذکور ہو چکا۔ مفسدوں کے حالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پوست کندہ مذکور ہو چکے۔ قاتلوں کے اذکار مختلف پیرایوں میں گذر چکے۔ اور تو اور نسل رسولؐ کی کثرت اور ان کے "قاتلوں کی نسل مار" ہونے کے وعدے بھی کئے جا چکے۔ قاتلوں کی مدت معین کر دی گئی یہ سب ایسے امور تھے جو غور و خوض کرنے سے یا دریافت کرنے پر معلوم ہو جاتے۔ لیکن پوچھتا کون؟ کیا کفار نے کبھی آیات قرآنی سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ جو ان کے نمایندوں سے اس کی توقع رکھی جائے۔ اپنی کوشش بھر کفار نے یہی چاہا کہ رسول قتل ہو جائیں یہ نہ کر سکے۔ اپنی اجتماعی قوت استعمال کرنے پر بھی شکست پر شکست ہوئی ایک ابوجہل نے خانۂ کعبہ میں رسول اللہ کو بحالت نماز گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت حمزہؓ حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی شجاعت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ پھر کسی اکے دکے نے اس طرف نظر نہیں ڈالی بلکہ قومی اجتماع کے بل بوتے پر اپنے منصوبوں کو ہر ابھرا دیکھنا چاہتے رہے۔ اس بڑھتی ہوئی جماعت کی قوت پر غور کرنے والے تاڑ گئے کہ علی الاعلان مخالفت میں شکست کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مار آستین بنکر البتہ قطع و برید ہو سکتا ہے۔ بہت سے محض اسی نیت سے داخل اسلام ہوئے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ ابوجہل رسول کا گلا گھونٹنے کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ اور اپنے بھانجے سے تعرض نہ کرے۔ یہی وہ لوگ تھے جو وقتاً فوقتاً میدان جنگ سے فراری ہوتے تھے۔ ان کی بھاگڑ دیکھکر غازیان فوج اسلام اکثر غزوات میں رسول اللہ کو تنہا چھوڑ گئے کفار کو اپنا منصوبہ پورا کرنے کا موقعہ بارہا حاصل ہوا۔ لیکن مشیت الٰہی کچھ اور تھی۔ اجماع کفار نے شکست کھائی اور ہمیشہ ذلت اٹھائی۔

اب منافقین کا اجتماع نسل رسول کے استیصال پر کمر بستہ ہوا۔ اپنے منصوبوں میں کامیاب سمجھے گئے لیکن ان کی فتح شکست سے بدتر ثابت ہوئی۔ ان کے منصوبے طشت از بام ہو گئے۔ مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں وہ لوگ جو کل تک اجماع کی حقیقت اور نیز کہ رسولؐ کو ملکیت جمہور سمجھے ہوئے تھے۔ بلا سبب درمان بن گئے قصاص نے

دعویدار بنکر اُٹھے تعلیم رسول کے دشمن کی رغبت کی حکومت نے ہزاروں طریقوں سے اس جوش کو دبانا چاہا۔ حجاج بن یوسف سے جابر وظالم کو تنبیہ کے لئے مقرر کیا جس نے منجنیق سے خانہ کعبہ و مکہ معظمہ پر آگ کی بارش برسائی۔ قتل عام کا بازار گرم کیا۔ مکہ والوں کو زرخرید غلام بناکر غلامی عبدالملک کے نشان لگاکر امن دیا لیکن بیداری کے بعد نیند مشکل ہی آتی ہے۔ آخر یہ کہ اس سلطنت کا شیرازہ بکھر کر رہا۔

سورۂ قدر اور سورۂ کوثر میں خداوند عالم نے ان تمام واقعات کی خبر ارشاد فرمائی ہے۔ الف شہر (ایک ہزار ماہ) کی حکومت کا سب حال آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ کو معلوم تھا۔ اپنی نسل موعود کے شہیدوں کا علم بھی تھا۔ ان کی مجموعی تعداد بھی معلوم تھی۔ ان کے دشمنوں کی ابتری سے واقفیت رکھتے تھے۔

خداوند عالم نے سورۂ کوثر میں اپنے رسول سے وعدہ کیا کہ میں تیری نسل کو کثیر کروں گا۔ شاخیں جس قدر قلم ہوں گی اسی قدر زیادہ پھیلیں گی۔ خدا کا شکریہ ادا کر۔ اور قربانیاں نذر کئے جا۔ تو کبھی ابتر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تیرے دشمن تیرا بُرا چاہنے والے ابتر ہو جائیں گے۔ یہ خدائی حکم ہے ان کی ڈھکوسلہ نہیں جس کا سر ہو نہ پیر۔ انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر۔ ان شانئک ھو الابتر۔ اے رسول ہم نے تجھکو کوثر عطا کیا ہے۔ اولاد کثیر مرحمت فرمائی ہے تو بلا خوف وخطر قربانیاں پیش کرتا رہ۔ اپنے رب کا شکرانہ ادا کر اور قربانی گذار۔ اس قربانی سے تو ابتر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تیرا دشمن خود ابتر ہے۔

کفار و منافقین کو اپنی کثرت، اپنے اجتماع اور اپنی جماعت پر بھروسہ تھا۔ اس بھروسے پر رسول کے قتل اور آل رسول کے استیصال کے منصوبے باندھتے تھے۔ رسول کی تنہائی یا آل رسول کی قلت ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے تھی۔ اپنی جماعت کی کثرت پر نازاں تھے۔ اعداد کی کثرت پر اپنی فتح سمجھے ہوئے تھے۔

ان اعداد کے مطابق پہلی آیت بحساب جمل ۹۷۰ عدد رکھتی ہے۔ دوسری کے ۱۷۷ عدد ہیں۔ اور تیسری کے ۱۰۹۹۔

خداوند عالم نے اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس پشتیں نسل موعود آنحضرت کی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے نو پشتیں قربانی ہوئیں۔

ان دس پشتوں میں تین محمدؐ نام تین علیؑ نام۔ دو حسنؑ اور ایک حسینؑ ایک جعفر اور ایک موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوئے جیسا کہ شجرۂ ذیل سے ثابت ہوگا۔ بعد حذف اسمائے مکررہ ان کے اعداد ۹۰۷ ہوتے ہیں۔ یہ سب ابنائے محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلائے۔ ابنائے کا ہمزۂ وصل گرا کر ۶۳ عدد ہوئے ۹۰۷ میں ۶۳ جمع کئے ۹۷۰ مجموعہ ہوا۔ لہٰذا وہ کوثر جو خداوند عالم نے آنحضرت کو عطا فرمایا یہ نسل موعود اس میں شامل ہے۔

٭ آنحضرت کا لقب بموجب حدیث القائم المھدی ہے

ان دس پشتوں میں سے نو پشتیں درجہ شہادت پر فائز ہوئیں پس ۹۰ میں سے ایک پشت کے اعداد کم ہونے پر ۱۷ کا عدد برآمد ہونا چاہیئے۔

حضرت قائم مہدی علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام ابن رسول اللہ ہیں لہذا قائم مہدی کے اعداد "۲۰۱" بشمول اعداد ابن "۵۳" یعنی کل "۲۵۴" ، ۹۰ میں سے تفریق کئے "۱۶۴" کا عدد برآمد ہوا۔

سلسلہ حیوانیہ مذکورہ نے ان نو پشتوں میں سے تین پشتیں شہید کیں۔ باقی چھ پشتیں ایک دوسرے سلسلہ نے جو اس سلسلہ کا تابع ہوا آئندہ شہید کیں۔

یہ پہلی دو آیتیں ابنائے رسول سے متعلق تھیں۔ آیہ آخر اعدائے رسول سے متعلق ہے۔ تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ اجماع کا سلسلہ جو رحلت آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ کے بعد قائم ہوا جس کی تعلیم کے مطابق نبوت و خلافت ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتی تھیں۔ حجاز میں خلافت ثالثہ کے بعد ٹوٹا لیکن جناب امیر علیہ السلام کی خلافت شام والوں نے قبول نہیں کی۔ اور امیر معاویہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اس لئے یہ سلسلہ شام میں زندہ تھا۔ اگرچہ واقعات کی بنا پر اس میں اضمحلال آگیا تھا۔ واقعہ صفین اور شہادت جناب امیر علیہ السلام نے اس میں جان ڈالدی۔ زخم بھر آئے لہذا اجماعی سلسلہ حجاز میں ٹوٹا لیکن شام میں بدستور قائم رہا قاعدے کے مطابق وارث مورث کے بیٹے کے مانند ہوتا ہے۔ لہذ احجازی سلسلہ کا میراثی سلسلہ شام میں امیر معاویہ کی شخصیت میں موجود رہا۔ اگر ان کے مشہور و معروف اسماء کے اعداد جمع کریں تو مجموعہ ۷۰۰ ہونا چاہیے۔ اور ایسا ہی ہے بھی۔ کیونکہ پہلے نام کے "۲۳۱" دوسرے کے ۲۱۰ اور معاویہ کے ۱۲۵ کل مجموعہ ۷۰۰ ہوا لیکن امیر معاویہ نے یہ سلسلہ اپنے پسر یزید میں قائم کیا جس کے بعد اسکا پسر معاویہ تخت نشین ہوا۔ لہذا ابتری ظاہر بظاہر نسل معاویہ میں نظر آتی ہے۔ کیونکہ معاویہ کا پوتا مقطوع النسل ہے۔ اگر قدیم نسّاب عرب کا قول تسلیم کیا جائے۔ تو یزید معاویہ کا پسر ہی نہیں رہتا۔ اور ابتری واضح تر نظر آتی ہے۔

یہ بحث تو قولی اور عملی تعلیم سے متعلق تھی۔ لیکن اگر صرف عملی کارروائی مدنظر رکھی جائے تو معاویہ یزید عبدملک و ہشام کا زمانہ زمانۂ اوج و ترقی کہا جائیگا چونکہ ان کے نام اس کتابت سے تاریخ میں ملتے ہیں ان کے اعداد بھی ۷۰۰ ہی ہوتے ہیں پس یہ کل سلسلہ ابتر قرار پایا۔

سچ ہے با آل نبی ہر کہ درافتاد برافتاد۔

خیر آمدم برسر مطلب۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو تشریح و تفسیر اعداد مکاشفہ یعنی ۷۰۰ میں نکل آیا۔ ورنہ یہی تقابل مدنظر نہیں۔ کیونکہ مقابلہ ان دو صفتوں میں کیا جاتا ہے جو ایک ہی جنس کے ہوں۔ مثلاً دو عالموں کا مقابلہ۔ اگر جنسیت مفقود ہو تو مقابلہ مقابلہ نہیں کہلاتا۔ بلکہ فرق ضدین کہا جاتا ہے۔ نور و ظلمت میں کوئی جنسیت نہیں۔ دونوں ایک سٹیج پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ بقولے

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ؛؛ کبوتر با کبوتر باز با باز

اس بیان نورانی میں نور کی جھلک ہونی چاہیے۔ ہم بھی سلسلہ نورانی کا بقیہ بیان مکاشفہ سے بیان کرتے ہیں

اور ذکر غیر سے پہلو تہی کی سعی ہو گی۔ خدا کامیاب کرے۔

شیرینی ایسی غذا ہے کہ جس کی طرف پیر و جوان، بچہ و شیر خوار، مرد و زن، طبعاً رغبت رکھتے ہیں لیکن یہی مرغوب غذا لگاتار استعمال ہوتی رہے تو طبیعت کند ہو جاتی ہے۔ البتہ شیرینی کے ساتھ ذائقہ بدلنے کے لئے نمکین غذا یا چٹنی بھی موجود ہو تو لطف بالائے لطف بنجاتا ہے۔

اسی طرح بیانات میں ذکر احباب شیریں ترین و مرغوب ترین اذکار ہے لیکن یہی تذکرہ خوش عقیدتی و حسن ظن شمار ہونے لگتا ہے اگر مخالفین کے تذکرے کی چاشنی سے ذائقۂ ذہنیہ کو نقطۂ اعتدال پر نہ لایا جائے انسان طبعاً روشنی کا شیدا ہے لیکن دوپہر کی روشنی کی برداشت نہیں ہوتی کہیں رنگین عینکیں استعمال کرتا ہے کبھی چہار دیواری کے اندر پناہ لیتا ہے۔ اسی مرغوب و مفید نعمت سے جسکو روشنی کہتے ہیں بھاگتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ روشنی کی خاصیت بدل گئی۔ یا اس کے فوائد میں تبدیلی آ گئی بلکہ اس لئے کہ انسانی احساس ذہنیہ لگاتار ایک ہی اثر کے اندر رہ کر نقطۂ اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ وہی چکا چوندہ کرنیوالی روشنی اصلی اثر پیدا نہیں کرتی۔ کچھ تاریک سی نظر آنے لگتی ہے۔ قوت ممیزہ عدالت میں خطا کرتی ہے۔ اس لئے قوت مدبرہ جسمانی اس کو نقطۂ اعتدال پر لانے کے لئے روشنی کی متضاد فضا میں لیجاتی ہے۔ تاکہ وہ نور کو نور۔ اور ظلمت کو ظلمت سمجھے۔ نور سے رغبت اور ظلمت سے تنفر کئے جانے یہی دو کیفیتیں انسان میں موجود ہیں "رغبت اور تنفر" جس جگہ یہ دونوں کیفیتیں نظر نہ آئیں۔ وہ حیات نہیں کہلاتی۔ یہ دونوں کیفیتیں الٰہی عطیہ ہیں۔ تیسری کوئی کیفیت جو ان دونوں کے بین بین ہو طبعی کیفیت نہیں کہلا سکتی۔ اس کو تصنع کہیں گے پس فطرت انسانی جو رغبت و تنفر میں تمیز کرتی ہے نقطۂ اعتدال پر ہونی چاہئے یعنی عارفِ کاملِ حقیقتِ "رغبت و تنفر"۔ ورنہ غلط فیصلہ کرے گی۔ اور دوست و دوست نما دشمن میں امتیاز کرنے سے عاجز ہو گی۔ مثلاً دن کی روشنی شام کیوقت دھندلی ہو جاتی ہے کیونکہ تاریکی شب آفتاب کی محیط ہوتی جاتی ہے اگر اس تاریکی کو جو محیط ضیاء شمس ہے کوئی آنکھ نور سمجھے تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ فطرت ناظرہ مناظر قدرت اعتدال سے گری ہوئی ہے جو دوست نما دشمن کو دوست یا مرغوب سمجھتی ہے۔ اسی طرح وہ چشم بھی نقطۂ اعتدال سے بعید کہلائے گی جو اسوقت کو شب دیجور دکھلائے۔ محبوب زندہ کو مردہ تصور کرے۔

یعنہ یہی حالت فضائے روحانی میں بھی نظر آتی ہے۔ ہدایت کرنیوالا ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت کو ہدایت پانیوالے اور اس ہدایت کرنیوالے کی ہدایت کے تباہ کرنے کے منصوبے سوچنے والے بھی ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ تاریکی کا وجود ہر وقت موجود رہتا ہے۔ جسکو ضیائے شمس اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہے لیکن جب تک آفتاب کی ضیا باری اوج پر رہتی ہے تاریکی اُجیالا دکھلائی پڑتی ہے۔ ادھر آفتاب لب بام ہوا ادھر تاریکی نے اپنے وجود کا سبق دینا شروع کیا۔ اگر ماہتاب اور ستارے اسوقت نظر آئیں تو اسی تاریکی میں جو نور آفتاب کی محیط ہو کر روشن نظر آتی ہے اور نور حقیقی میں فرق بیّن نظر آ جائے گا۔ اور یہ ماہتاب یا ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ اس وقت

نما دشمن یعنی شام کے دعووں کے لئے بم کا گولہ بن جائے گا یہی کیفیت خداوند عالم نے کلام مجید میں بیان فرمائی ہے۔ انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب و حفظا من کل شیطان مارد (الصفت) ہم نے سماء دنیا یا رفعت و فضیلت دنیاوی کو کواکب کے ساتھ زینت دی ہے۔ اور وہ محافظ ہیں (اس سماء یا رفعت کے) ہر ایک شیطان سے جو اس طرف کا ارادہ کرنے والا ہے یعنی ہر ایک شیطان کے دعوے قرابت کو غلط ثابت کرنے۔ اور درجات رفعت کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے خداوند عالم نے فضائے حیات میں کواکب کو سجایا ہے ان کی وجہ سے مصنوعی اور حقیقی قرابت مندوں میں تمیز ہو جاتی ہے

ایک دوسرے مقام پر اسی بیان کو اس طرح پر ارشاد فرمایا ہے۔

ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنٰھا رجوما للشیٰطین واعتدنا لھم عذاب السعیر (سورۃ الملک) اور البتہ ہمنے رفعت دنیاوی کو روشنی کی جھلک سے زینت دی ہے۔ اور اس (رفعت دنیاوی) کو شیاطین کا آماجگاہ قرار دیا ہے۔ دراں حالیکہ ان کے لئے ہمنے آتشیں عذاب مہیا کیا۔

دنیاوی فضیلت اور بلندی کے دو ہی میعار ہوتے ہیں۔ ایک میعار نسلی دوسرا ہم نشینی یا مصاحبت مثلاً شاہی خاندان والے بادشاہ کے ہمجدی ہونے کے باعث دوسروں پر جو اس نسل سے نہیں ہوتے فوقیت جتلاتے ہیں۔ یا مصاحبین کا غیر مصاحبین سے زیادہ اعزاز کیا جاتا ہے۔ پس جس قدر قرابت قریب ہوگی اسی قدر دنیاوی اعتبار سے فضیلت بھی زیادہ ہوگی اسی طرح جسقدر ہم نشینی و مصاحبت کا زمانہ طویل ہوگا اسی قدر فیض کا اثر زیادہ تر ہوگا۔ اور فضیلت بڑھ جائے گی۔

اول الذکر یعنی نسلی امتیاز میں کسی طول طویل تحریر کی ضرورت نہیں۔ رہا دوسرا معاملہ اسمیں ذرا سے تأمل و غور سے معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ یعنی بیٹا، داماد، شاگرد رشید اور قریبی رشتہ دار مصاحبت کے لحاظ سے زیادہ وقت تک ساتھ رہتے ہیں خصوصاً بیٹا یا داماد جن سے پردہ نہیں ہوتا۔

خداوند عالم نے ان ہر دو آیات مذکورہ بالا میں یہی تذکرہ بیان فرمایا کہ دنیاوی اعتبار سے لوگ قرابت اور مصاحبت کو میعار فضیلت قرار دیتے ہیں۔ اس میں حقیقی فضیلت قرابت و مصاحبت ان میں سمجھو جو کوکب و مصباح کے مانند ہوں۔ اور دوسرے مدعیین کو شیاطین بتلایا۔ جو فریب دیکر اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں پس "کوکب" و "مصباح" کی شناخت پر فضیلت دنیاوی کا انحصار ہو گیا۔

کوکب اس ستارے کو کہتے ہیں۔ جو خود درخشندہ ہو جسکو اصطلاح حال میں دوسرے شمسی نظام کا آفتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقت آفتاب پر آفتاب ہی دلالت کر سکتا ہے۔ اور کمالات آفتاب کو ظاہر کرنے والا آفتاب ہی ہو سکتا ہے نہ کہ ماہتاب۔ لہٰذا نسلی اعتبار سے وہ شخص اقرب و افضل قرار پائیگا۔ جو رشتہ میں نزدیک تر ہو۔

مصباح اس ستارے کو کہتے ہیں جو صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پیشتر یا غروب آفتاب کے بعد

بدہی نمودار ہوتا ہے یعنی آفتاب کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ آگے ہو یا پیچھے۔ جیسے زہرہ و عطارد۔ یا فانوس کے آویزے جو خود تو روشن نہیں ہوتے لیکن ضیاء آفتاب یا فانوس کی چمک سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ زمانہ حال کی تحقیقات نے صرف دو ہی قسم کے ستارے بتلائے ہیں (۱) وہ جو بذات خود روشن ہیں۔ ان کو آفتاب کہا گیا ہے (۲) جو ان شموس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور اپنے اپنے شمس کی ضیاء سے منور ہو کر چمکتے ہیں ان کو سیارے کہا گیا ہے۔ سیاروں کی بھی دو قسمیں بتلائی گئی ہیں قسم اول میں وہ سیارے ہیں جو خود آفتاب کے گرد اپنے لواحقات کے ساتھ چکر لگاتے ہیں اور کسی دوسرے سیارے کے گرد چکر نہیں لگاتے۔ قسم دوم میں وہ تمام سیارے داخل ہیں جو کسی دوسرے سیارے کے گرد گھومتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آفتاب کے گرد دور کرتے ہیں پہلی قسم کے سیارے زمینیں اور دوسری قسم کے ماہتاب کہلاتے ہیں۔

اندریں صورت مصباح سے مصاحب یا ساتھی مراد ہے۔ ان مصاحبین میں افضل تر وہ ہوگا۔ جو ضیائے آفتاب کو اس کی اصلی نورانیت کے ساتھ زیادہ دکھلا سکے۔ آئینہ وہی بہتر ہوگا جو چہرہ کو زیادہ صفائی کے ساتھ اصلی حالت میں پیش کرے نہ کہ وہ جو چہرہ کو زیادہ لمبا یا چوڑا یا تاریک ثابت کرے۔ لہذا مصاحب وہی افضل ہے جو حضوری میں رہتے ہوئے چمکے اور غیبت کے زمانے میں صاف و شفاف نظر آئے۔ نہ کہ وہ جو ان اوصاف کا دعوے کرے جس کا وہ مستحق نہیں۔ اور نہ ان صفات کا پرتو دکھلا سکتا ہے جو اس کے آقا مصاحب میں تھیں۔ یعنی اپنی حد سے تجاوز کرنے والا مصاحب حقیقی نہیں کہلاتا۔ بلکہ وہ فریبی ہے۔ سنہری جھول بھرنے سے گھٹیا دھاتیں سونے کی رنگت کی دکھلائی دیتی ہیں۔ سونا نہیں بنجاتیں ملمع اترا۔ اصلیت ظاہر ہوگئی۔ بادشاہ کا مصاحب بادشاہ نہیں ہوتا۔ اس کی حیات میں البتہ اس مصاحب کی قدر و منزلت ہوگی۔ ادھر بادشاہ کی آنکھ بند ہوئی۔ اس کا اختیار جاتا رہا لیکن مصاحب مصاحبت کی بنا پر مدعی تخت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وارث تخت بادشاہ کا قریبی رشتہ دار ہوگا۔

حکیم کا قول حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس تمثیل میں کسی آیندہ ہونیوالے واقعہ کی خبر تھی۔ کیونکہ دعوے قرآن یہی ہے۔ کہ مجھ میں تمہارا ہی ذکر بھرا پڑا ہے۔ اگر تم غور و تفکر سے کام لو تو تم کو معلوم ہو جائے گا۔ لقد انزلنا الیکم کتابًا فیہ ذکرکم افلا تعقلون۔ (سورہ انبیا) لہذا ان آیات الہی میں معیار حقیقت کا بیان جو ظاہر کرتا ہے۔ کہ امت میں قرابت و مصاحبت کو باعث فضیلت قرار دیکر غیر اقربا کے مقابلہ میں بلند رتبہ و قرابت کا دعوے ہوگا۔ اور دیگر اقربا کے مقابلہ میں شرف صحبت معیار فضیلت قرار دیا جائے گا۔

قرآن کی صداقت نبی اسلام کی صداقت؟ ان آیندہ ہونیوالے واقعات کا وجود ہے جو قرآن میں مذکور ہوئے۔ اور پھر اسی طرح واقعہ ہوئے جسطرح کہ ان کا بیان ہوا۔

تاریخ کی کتابیں پڑھنے والے واقعات سے ناواقف نہیں۔ رسول اللہ کی رحلت کی خبر ملتی ہے تو مہاجرین و انصار تخت رسالت پر قبضہ کرنے کے لئے مجتمع ہوتے ہیں۔ انصار اپنی کارگذاریاں اور رفاقت کے کارنامے

گنواتے ہیں۔ اور خود میراث رسول کے حقدار بنتے ہیں۔ حق مصاحبت جو انصار کا ذریعہ شرف ہے مہاجرین کو بھی حاصل ہے لیکن مہاجرین رسول اللہ کے ہم قوم بھی ہیں اپنی اس فضیلت کو پیش کر کے انصار کی زبان بند کر دیتے ہیں۔ میراث رسول کے وارث تسلیم ہوتے ہیں۔ قرابت رسول کے دعویداروں کے سامنے جب یہی معیار قرابت رسول پیش کرتے ہیں تو منظور نہیں ہوتا۔ مصاحبت کے کارنامے، تعلقات کے پہلو گنوائے جاتے ہیں شنوائی نہیں ہوتی

آیات قرآنی موجود ہیں تاریخی بیان موجود۔ مطابقت کرنا ہمارا کام ہے۔ خدا کا کام راہ دکھلانا اور ہمارا فرض اچھی راہ اختیار کرنا۔ وہ زبردستی سے ہمیں اچھی راہ نہیں چلاتا۔ ہماری پسند ہے جو راہ چاہیں اختیار کریں۔

اقربائے رسول کی شناخت کے بعد اصحاب رسول کی شناخت کا معیار بھی بتلا دیا۔ دکھلا دیا کہ اصحاب کسکو کہتے ہیں۔ تاریخ بتلاتی ہے۔ اخلاق کی کتابیں ظاہر کرتی ہیں دوست تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے۔ جو اپنا دوست ہو۔ دوم وہ جو اپنے دوست کا دوست ہو۔ سوم وہ جو اپنے دشمن کا دشمن ہو وہ بھی اتحاد رائے کے باعث دوست شمار ہوتا ہے جس طرح سے دشمن کا دوست دشمن ہی گنا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی شخصیت سے نہ مخاصمہ ہوتا ہے نہ مجادلہ۔ تیسری قسم عرفی کہلاتی ہے اور پہلی دو معنوی۔ یا حقیقی۔ کیونکہ اصلی رغبت یا تنفر قلبی کا تعلق ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ عرفی دوست یا دشمن کو طفیلی سمجھنا چاہیئے۔

علماء نے دوست یا حقیقی دوست کی تعریف و شناخت میں بڑی بڑی تادیلیں تحریر کی ہیں ان تاویلوں اور تفسیروں کا لب لباب بلبل شیراز نے ایک رباعی میں بیان کیا ہے۔ رباعی

دوست مشمار انچہ در راحت زند ✻ لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ✻ در پریشاں حالی و درماندگی

تاریخ کہتی ہے انسان کو اپنی اولاد سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ نالائق ہی ہو۔ اس سے محبت کرنے والے کو والدین عزیز سمجھتے اور اپنا دوست کہتے ہیں۔

ایک اور منظر پیش کر کے حقیقی و مصنوعی دوست کی شناخت کا فیصلہ ہماری رائے پر چھوڑ دیتی ہے۔ واقعات کے موتی سلک تحریر میں اس طرح نظر آتے ہیں" رسول اللہ کی رحلت ہوتی ہے۔ اصحاب رسول اس درماندہ حالت میں اپنی دوست کی اس کے اعزہ و اقربا کی امداد سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ جنازہ تیسرے دن دفن ہوتا ہے۔ لیکن دوست ایسے غائب ہوئے کہ خبر بھی نہ لی جسم اقدس دفن بھی ہوا یا نہیں۔ اقربائے رسول کے ساتھ ہمدردی بھی انوکھے طریقہ سے دکھلائی۔ دنیا کا دستور ہے۔ ورثاء میت کو متوفی کے احباب پرسا دینے آتے ہیں۔ اس سے غرض صرف اس قدر ہوتی ہے کہ ورثاء کو تسلی و تشفی دیں تاکہ متوفی کے اذکار سے ورثاء کے دل کی بھڑاس نکل جائے اتنی ہی ہمدردی سے ایک ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ اور صبر کی ہمت ہو جاتی ہے۔ اصحاب رسول دختر رسول کو پرسا دینے آتے ہیں ایک ہجوم غفیر ساتھ ہے۔ لکڑیوں کا گٹھا ہاتھ میں لٹکائے آگ لیئے چلے آرہے ہیں تسلی و تشفی کی جگہ دھمکیاں دیجاتی ہیں ڈرایا جاتا ہے۔ گھر کے دروازے میں آگ لگائی جاتی ہے

دروازہ کا سہارا جل چکتا ہے۔ تو ٹھوکر سے دختر رسول پر گرا دیا جاتا ہے۔ آہ اقربائے رسول کی پریشانی کیحالت میں یہ نئی وضع کی امداد کی جاتی ہے۔ آہ۔ ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلماں کردند۔

ایک دوسرا منظر اور بھی نظر آتا ہے۔ فرزند رسولؐ صحرائے لق و دق میں موجود ہے۔ نرغہ میں گھرا ہوا ہے۔ دشمنوں نے دریا کے گھاٹ روک رکھے ہیں۔ عیال ساتھ ہیں عزیز و اقربا ساتھ ہیں۔ اپنے احباب جلو دار بنے ہوئے ہیں۔ اپنے نانا کے اصحاب کا ایک دو بقیہ بھی موجود ہیں۔ پیری کے باعث پلکیں لٹک آئی ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ سب عزیز و اقارب و انصار کو فرزند رسولؐ طلب کرتا ہے اجازت دیتا ہے کہ بخوشی خاطر اس میدان سے جس طرف ممکن ہو نکل جاؤ۔ دشمنوں کو اگر سر درکار ہے تو فرزند رسول سے۔ ان کو تعرض نہیں فرزند رسول کے ہمراہ دو روز کی بھوک پیاس میں مبتلا ہیں۔ آقا زادہ خود اجازت دیتا ہے۔ اپنی جان بچاؤ۔ اگر ممکن ہو میرے عیال کو بھی ہمراہ لیجاؤ۔ مگر اصحاب ہوں تو ایسے ہوں دوستی کے نام کی لاج رکھ لی۔ موت سامنے نظر آتی ہے۔ جان بچانے سے پرہیز ہے۔ اس پریشانی و مصیبت میں فرزند رسول کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اپنے جیتے جی اپنے محبوب کے فرزند پر آنچ نہ آنے دی۔ اس امام وقت کے ہمراہی بنکر ایسا چمکے کہ خود مشعل ہدایت بن گئے۔ اپنے صاحب کی نورانیت کا جلوہ دکھلا کر مصابیح ہدایت بن گئے آنے والوں کے لئے سر راہ منارے قائم کر گئے۔ اور ایسی حد فاصل بنے کہ دیکھنے والا ایک نظر میں رسولؐ کے سچے اور جھوٹے دوستوں میں تمیز کرے۔ اے کربلا والو! خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ بابی انتم وامی لقد فزتم فوزاً عظیماً۔

اسی توصیف کے ساتھ مکاشفہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ ان کی تعداد موجود ہے ان کا مقصد موجود ہے جس شہر علوم کے گرد اپنے خون سے گارا بنا کر انہوں نے فصیل قائم کی۔ کیا وہ ان کی سعی سے بیخبر تھا یا ان جان دینے والوں کے ساتھ ہمدردی رکھنے والوں سے ناواقف تھا۔ لا واللہ ہرگز نہیں جو دشمنوں کو جانتا ہے وہ دوستوں کو پہچانتا ہے۔ اس لئے پیشتر ہی کہدیا۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی فما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی حتی یردا علی الحوض خالی تمسک بالقرآن گمراہی سے نہیں بچاتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف کتاب اللہ پر عمل کریں۔ آل رسول پر ستم توڑیں اور رسول اللہ سے حوض پر ملنے کی امید بھی رکھیں۔ حوض رسولؐ دوستوں کے لئے ہے دشمنان رسولؐ کے لئے حوض کے بدلے ہاویہ ہوگا

اس سے قبل مکاشفہ سے دو قوموں کا یا دو سلسلوں کا پتہ چلا جس میں سے ایک سلسلہ کی علامات شناخت مذکور ہو چکیں۔ اب دوسرے سلسلہ کا حال بیان ہوتا ہے۔ جو چودہ کا سلسلہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اسکے متعلق مکاشفہ میں اس طرح سلسلہ شروع ہوا۔

"پھر میں نے اس نئے یروشلم کو آسمان سے دلہن کیطرح آراستہ اترتے ہوئے دیکھا" (مکاشفہ باب ۲۱ آیہ ۲)

زمانۂ حضرت داؤد علیہ السلام سے یروشلم شریعت کا گھر تھا۔ احکامات شریعت کی تعمیل اسی شہر میں کیجاتی تھی یعنی یہ شہر مجسمۂ شریعت موسوی قرار پاچکا تھا۔ اسی مناسبت سے نیا یروشلم نئی شریعت کہلائے گا

زمانہ کا رواج ہے کہ دلہن کو ہمیشہ بہترین آرائش سے سنگار کرتے ہیں تاکہ حسن خداداد میں شائستگی چار چاند پیدا کرے۔ شوہر دل سے اسپر فریفتہ ہو۔ اس حسن کامل کا جلوہ اس کے جذب قلب کا سبب ہو۔

لہذا یہ نئی شریعت، شریعت کاملہ قرار پائی اس کے آراستہ کرنے والے مشاطۂ کامل؛ اس کے معلم راسخون فی العلم، نہ شریعت میں نقص نہ معلموں میں خامی نہ ان کی تعلیم سے فیض پانے والوں میں کجی وناہمواری۔

ہر ایک شہر کے متعدد دروازے ہوتے ہیں حفاظت کے لئے شہر پناہ بنائی جاتی ہے تاکہ شہر میں آنے والا مالک کی مرضی کے خلاف شہر میں نہ آئے۔ مقررہ راہ کے علاوہ دیوار رکھا ہے تاکہ شہر میں نہ گھسے ڈکیتوں کے خطرے سے شہر والے امن پائیں۔ دشمن کی پامالی سے رعایا محفوظ رہے مکاشفہ ۲۱ آیہ ۱۷-۲۰ میں مذکور ہے۔ اس نئے یروشلم کی شہر پناہ ہر طرف سے یکساں تھی۔ لہذا یہ شہر پناہ محافظ کامل تھی جس سے کسی دشمن کا عبور ناممکن تھا۔ عبارت مکاشفہ حسب ذیل ہے (اس فرشتہ نے جو یہ شہر آپ کو عالم رویا میں دکھلا رہا تھا۔"

"اور اس نے اس کی شہر پناہ کو آدمی کی یعنی فرشتہ کی پیمائش کے مطابق ناپا تو ۱۴۴ ہاتھ نکلی۔ اس کی شہر پناہ کی تعمیر یشب کی تھی۔ اور شہر ایسے خالص سونے کا تھا جو شفاف شیشے کی مانند ہو۔ اور اس شہر کے شہر پناہ کی بنیادیں ہر طرح کے جواہر سے آراستہ تھیں۔ پہلی بنیاد یشب کی۔ دوسری نیلم کی تیسری شب چراغ کی چوتھی زمرد کی پانچویں عقیق کی چھٹی لعل کی۔ ساتویں سنہرے پتھر کی آٹھویں فیروزے کی نویں زبرجد کی۔ دسویں یمنی کی گیارھویں سنگ سنبلی کی۔ اور بارھویں یاقوت کی اور بارہ دروازے بارہ موتیوں کے تھے۔ ہر دروازہ ایک ایک موتی کا تھا اور شہر کی سڑک شفاف شیشے کی مانند خالص سونے کی تھی۔ اور میں نے اسمیں کوئی مقدس نہ دیکھا اس لئے کہ خداوند قادر مطلق اور برہ اس کا مقدس ہیں۔ پھر اس نے بلور کی طرح چمکتا ہوا آبحیات کا ایک دریا دکھایا جو خدا اور برے کے تخت سے نکلکر اس شہر کی سڑک کے بیچ میں بہتا تھا۔ اور دریا کے وار پار زندگی کا درخت تھا۔"

اس شہر پناہ کا غور کیساتھ معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ فرشتہ خصلت آدمیوں کے ۱۴۴ ہاتھ تھی یعنی وہ بنیان مرصوص جو اپنی جگہ سے نہ ہلی جس نے شیطانی مکروں، فریبوں، دغابازیوں، راحت دنیا کے لہلہاتے ہوئے گلزار دل کے خیال کو اپنے تک نہ پہنچنے دیا۔ وہ ۱۴۴ نفوس پاکیزہ کے ہاتھ تھے جنہوں نے سر دیدیا، جانیں نثار کر دیں بھوک پیاس کے صدمے سہے لیکن تعمیل احکام شریعت میں مرتے دم تک ڈٹے رہے۔ اپنے جیتے جی حکم شریعت، جگر بند رسول پر آنچ نہ آنے دی اپنی جانبازی سے حکم رسول کی اطاعت کی اور اپنے ایمان کامل کے ذریعہ سے وہ سچے اور حقیقی "انصار اللہ" بنے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے اکثر یہ سوال کیا تھا۔ من انصاری الی اللہ۔ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ اس خدائی کام میں میرا ہاتھ بٹانے والا۔ میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا۔ ہم اس خدائی کام میں ہم تمہارے مددگار ہیں اللہ کی مدد کرنے والے ہم موجود ہیں، لیکن جب وقت نصرت کرنے کی

گھڑی پہونچی۔ سب بھاگ گئے۔ دوسروں کا کیا ذکر خود شمعون پطرس نے صبح ہونے سے پہلے پہلے آنحضرت کی شاگردی سے انکار کیا حاکم وقت کی جمعیت شان و شوکت، ساز و سامان سے ایسا خوفزدہ کیا کہ اپنی جان بچانے کیلئے انکار کر بیٹھے۔

ذرا اس کے مقابلہ میں، انصار امام مظلوم کی جرأت، جان نثاری، ہمت، استقلال، وفا شعاری، سعادت، کریم النفسی، مودہ اہلبیت رسول (مودۃ فی القربیٰ) شجاعت، عبادت، اشتیاق شہادت بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ جس مقام پر حواریان عیسیٰ علیہ السلام نہ ٹھہر سکے۔ اصحاب رسول اللہ نہ ٹھہر سکے بزکوہی کی طرح اچھلتے ہوئے بھاگے ویسی ہی مقام پر لاکھوں دشمنوں کے نیزہ و تیر و تفنگ کے سایہ میں نماز جماعت ادا کرتے ہیں۔ خون آشام شامی کے لشکر کے مقابلے کے لئے ایک ایک مجاہد تنہا نکلتا ہے۔ ہاتھ سے زبان سے غرضیکہ نصرت بنفس کا اعلان کرتا ہوا شہر علم الٰہی کا محافظ اس کی شہر پناہ کا سنگ تعمیر سمجھا تا ہے نہیں نہیں جزو شہر علم الٰہی قرار پاتا ہے۔ ناصر رسول ہوکر ناصر خدا ہو جاتا ہے شریعت کی صداقت پر ہر ایک نفس نے اپنی شہادت سے مہر ثبت کی۔ جوانوں یا بوڑھوں نے نہیں بلکہ نابالغ طفلوں نے بھی۔ اگر ایک کی شہادت شرعاً کافی ہوئی تو دو طفل اکٹھے ہوکر نکلے۔ اپنے پاؤں میں چلنے کی طاقت نہ ہوئی تو باپ کی گود میں سوار ہوکر دین الٰہی کی نصرت کی اپنے عمل سے پہلے قول سے اپنے استقلال سے انہوں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ امام منصوص کی اطاعت دین الٰہی کی حفاظت فرزند رسول کی نصرت میں جان دینا ایسی ابدی عزت و راحت ہے جو جھوٹے قرابت مندوں، منافقوں اور اجماع یا قہر و غلبہ سے تخت سلطنت خلافت حاصل کرنیوالے کی اطاعت سے بدرجہا افضل تر ہے۔ الموت اولی من رکوب العار والعار اولی من دخول النار بے شرمی بیحیائی کی شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے موت ہی بہتر ہے۔ اور آتش دوزخ میں داخل ہونے سے بہتر کسی عار کا برداشت کرنا ہے۔

یہ محافظ یہ شہر پناہ معمولی اینٹ پتھر یا عوام الناس سے مرتب نہیں ہوئی بلکہ نہایت بیش قیمت جواہر الماس سے تعمیر ہوئی۔ جس کا شکستہ ناممکن جس کی ضیاء کو تاریک کرنا ناممکن۔ یہ جانباز غازی اپنے ہمعصروں میں وہی منزلت رکھتے ہیں جو سنگ پتھر اینٹ وغیرہ میں الماس کو حاصل ہے۔ غور کرنیوالے کے لئے ان کی تقلیم اندھیر نگری میں شمع ہدایت سے کم نہیں۔ پیشتر مذکور ہوا شناخت اولیاء اللہ یہ ہے کہ وہ آرزوئے مرگ کریں۔ اعدائے الٰہی کے سامنے سنگ پلائی ہوئی دیوار کے مانند مستحکم ہو جائیں اپنے کارنامہ کی بدولت وہ اولیاء اللہ بنے۔ اور اطاعت رسول کرتے ہوئے رسالت کی تاسی نے ان کو محبوب الٰہی بنا دیا اولیاء اللہ یا محبوب اللہ کا توازن غیر اولیاء اللہ سے یا مغضوبان الٰہی سے ایسا ہی ہے جیسا کہ ہیرے کا مقابلہ پتھر یا کوڑی سے۔

وہ شہر جس کی حفاظت اس شہر پناہ نے کی معمولی درجہ کا شہر نہیں تھا وہ صاف و شفاف سونے یا کندن کا بنا ہوا تھا۔ شہر پناہ کی دیواریں جواہرات سے تعمیر کی گئی تھیں۔

اشارۂ قدیم میں سونے سے مراد مقدس علوم ہیں اور بعض اوقات مقدس خود علم معرفت ہے اور مقدس علم معرفت الٰہی ہے پس یہ شہر کمال معرفت الٰہی کا شہر تھا۔ لہذا محافظ عارف تھے۔ ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ عارف و جاہل میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ عارف ہادی بنتا ہے۔ جاہل گمراہ کرنیوالا۔ عارف نزول رحمت الٰہی کا مقام بنتا ہے اور جاہل غضب الٰہی کا نشانہ قرار پاتا ہے۔ روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ اس سے بیزاری کا اعلان اور اس کے شریک حال ہونے سے

استعاذہ کیا جاتا ہے۔ خدا سے پناہ طلب کیجاتی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کیکہ ان عارفوں کے طریق مستقیم پر چلنے کی توفیق مطلوب ہوتی ہے جو نعمات الٰہی ہیں سراسر رحمت سے موفور ہیں رحمت الٰہی کا گھر بنے ہوئے ہیں جن کا بنایا ہوا راستہ صراط المستقیم کہلاتا ہے۔ اور ان لوگوں کے راستوں یا طریقوں سے بیزاری مقصود ہوتی ہے جن پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور جو گمراہ کرنیوالے ہیں یعنی عارفوں کا طریقہ رحمت الٰہی سے ملاقی کرتا ہے۔ اور جاہلوں کا راستہ گمراہ بنا کر غضب الٰہی میں گرفتار کرتا ہے۔

ذرا گہری نظر سے دیکھیں تو نعمات الٰہی اس کی رحمت معلوم ہوں گی۔ خداوند عالم کی رحمت نعمتوں کی صورتیں میں اس کی مخلوقات پر نازل ہوتی ہے۔ لہذا نعمتیں اجزائے رحمت یا رحمت کی مختلف شکلیں قرار پائیں

خداوند عالم اپنے رسول سے ارشاد فرماتا ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ اے ہمارے رسول ہم نے تو تجھے تمام مخلوقات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ بفرمان الٰہی رسول رحمت الٰہی ہے تو رسول کی مختلف صورتیں بھی ضرور ہوں گی جن میں یہ رحمت ظاہر ہوئی۔ اور خدا کی نعمت کہلائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان تھے یعنی رحمت کو خلعت انسانی پہنا کر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تو ضرور ہے کہ نعمات الٰہی جو رحمت کی ظاہری صورتیں ہیں جامۂ انسانی ہی میں دنیا میں آئیں لیکن رحمت مجسم کے اجزا انکے انسانی وجود کے ٹکڑے ہی ہو سکتے ہیں جیسیں انسان کی بقا ہوتی ہے لہذا نسل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ صورتیں قرار پائیں جسیں یہ رحمت مخلوقات پر نازل ہوئی یہی نعمات الٰہی ہوئیں۔

ان نعمات الٰہی کی حفاظت، رعایت، عزت، احترام، خدمت بندگان الٰہی پر فرض ہوئی۔ احسان کا بدلہ "احسان" ہوتا ہے "کفران" نہیں ہوتا۔ وہ طریقہ اور سیدھا راستہ جو کربلائی ۷۲ نفوس نے نعمت الٰہی کے شکریہ کے ادا کرنے کا قائم کیا۔ اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ انہوں نے عملاً ثابت کر کے دکھلا دیا کہ وہ لوگ جن پر انعام الٰہی ہوا جو رحمت الٰہی کے مورد اور جنت کے وارث ہیں۔ "ہم ہیں" ہمارے طریقہ پر عمل کرو تم بھی اسی انعام کے حقدار ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم ہمارے مخالفین کی روش اختیار کرو گے۔ نعمات الٰہی کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے مقام نزول رحمت یعنی خانۂ ظہور نعمات الٰہی کو آگ لگاؤ۔ تلواروں سے نیزوں سے گرزوں سے اس گھر کو گراؤ تو رحمت سے دور ہو جاؤ گے غضب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ ہدایت سے پھر کر گمراہ کہلاؤ گے۔

مکان کی مضبوطی دیواروں کے ساتھ ہے۔ اور دیواروں کا استحکام بنیاد کی خوبی پر۔ اسی طرح معرفت کمال ایمان کے استحکام کا باعث ہوتا ہے اور معرفت کا حصول علم پر منحصر ہے۔ لہذا مومن وہ ہے جو عارف حلم یا امام ہو نہ کہ وہ جو اس سے جاہل ہو۔ اور شریعت وہ علم، قانون یا طریقہ ہے جسپر عارف عمل کرتے ہیں۔

پس بیان مکاشفہ کے مطابق شریعت شہر معرفت الٰہی، محافظان شریعت، عارفان حدود الٰہی معلمان شریعت بنیاد شہر پناہ ثابت ہوئے یعنی اس تحریر و علم یا شریعت کے لئے ایک رسول ۱۲ امام اور ۲ عارف و شاہد تھے۔

وہ بنیادیں جس پر یہ شہر پناہ قائم تھی۔ ۱۲ تھیں۔ انتخاب جواہرات سے تھیں ان جواہرات کی تفسیر

ایک انگریز عالم (پادری سی، ٹی ربل) کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ میں اس طرح پر بیان ہوئی ہے۔

(۱) یشب یا یشم جسکو فارسی میں شب چراغ و انگریزی میں جیسپر (jasper) کہتے ہیں۔ ہیرے (الماس) کی قسم کے جواہرات میں سے ہے۔ بعض کا رنگ سبز کاہی ہوتا ہے۔ قدیم یشب یا یشم روشن ہوتا ہوگا۔ زمانۂ حال میں یہ ایسا روشن نہیں ہوتا۔ بلکہ دھندلا سا ہوتا ہے۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یشم زمانۂ حال کے نہایت ہی کمیاب سبزی مائل ہیرے کا نام ہے۔ اس کے ذرّے مثمن متساوی الاضلاع کی صورت میں منجمد ہوتے ہیں جس کے باعث اس میں چوبیس زاویہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوہرے مینار کی صورت بنجاتی ہے"۔

یہ پہلی بنیاد کا تذکرہ ہے جس کو ہر قسم کے صدمات سے سابقہ پڑتا ہے۔ الماس اپنی سختی اور خوبصورتی میں بے نظیر ہوتا ہے۔ لہذا پہلی بنیاد نہ صرف مضبوطی میں بلکہ نزاکت میں بھی لاجواب ہوئی۔

خاکہ الماس

خاکہ مینار

خاکہ مینار اور خاکۂ الماس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثمن مخروطی دوہرا مربع مینار ہے جس کا ہر ایک نصف دوسرے نصف کے مساوی میناری شکل پیدا کرے گا۔ اور ایک جزو دیدۂ دیگر کا دھوکہ ہوگا۔ یعنی ان میں سے ہر ایک جزو دوسرے جزو کا نفس کہلائے گا۔

یا دوسرے طریقہ سے یوں سمجھنا چاہئے کہ مربع کے قاعدے کے زاویہ مساوی ہوتے ہیں ہر ایک زاویہ ۹۰ درجہ کا۔ اگر اس مربع کو اس کے مرکز پر اس طرح گھما دیں کہ مربع کے زاویے پہلے مقام کے ۴۵ درجہ آگے یا پیچھے ہو جاویں تو مربع کے پہلے اور دوسرے مقام سے شکل مثمن پیدا ہو جائے گی۔ مربع وہی ہے صرف زاویوں کی جگہ بدل گئی یعنی مینار کا مقصد ہدایت ہے۔ رسالت بھی ہدایت ہے۔ اور خلافت بھی۔ رسول بھی امام اور نائب رسول بھی۔ رسول اپنے نائبوں کے لئے اور نائب رسول امت کے لئے۔

مینار کی چوٹی کو مرکز قرار دیکر اس کے قاعدے کو ۴۵ درجہ گھمائیں تو الماس کی صورت ظاہر ہو جائے گی (خاکہ مینار ملاحظہ ہو) یعنی پہلی شکل دوسری شکل کا نفس ہوگی۔ یا دوسرے الفاظ میں نبوت صورت ظاہری ہدایت اور خلافت روح ہدایت جسم پہلے تیار ہوتا ہے۔ روح بعد میں نفخ ہوتی ہے۔ لہذا نفس رسول کے ہوتے ہوئے اگرچہ رسول نہ ہو۔ مدعائے رسالت کی تکمیل نفس رسول سے وابستہ ہوگی۔

الماس علامت مخصوص جناب امیر علیہ السلام ہے جو بحکم آیہ مباہلہ نفس رسول مقبول قرار پائے جو کام رسول اللہ سے رہ گیا وہ نفس رسول اللہ نے انجام دیا۔ مثلاً حکم الٰہی ہے۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار سے جہاد کیا۔ اور ان پر سختی بھی کی۔ لیکن منافقین سے قولی جہاد کے سوا نے اور کچھ نہیں کیا۔ حالانکہ آیہ کے مطابق دونوں سے جہاد کا حکم ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے منافقین سے جہاد کر کے فرض رسالت کو پورا کر دیا اور ثابت کر دیا کہ نفس رسول کا منافقین سے جنگ بعینہ ویسا ہی ہے جیسا کہ خود رسول اللہ کا جنگ کرنا۔

اسی طرح تبلیغ سورہ برات کے وقت آنحضرت قائمقام رسول منقول قرار پائے کیونکہ تبلیغ قرآن رسول کر سکتا ہے یا وہ جس پر رجل منی صادق آئے۔

علاوہ نورانیت کے یشب سخت ترین و قتال ترین معدنیات ہے۔ نہ کبھی اپنی صورت بدلتا ہے اور نہ خاصیت۔ جناب امیر علیہ السلام نہ صرف عالم علم رسول ہی تھے۔ بلکہ ایمان مجسم اور فاتح الکفرۃ والفجرہ اپنے اوصاف کے باعث الماس سب جواہرات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ برتر و اعلیٰ ہی "بلند تر ہوتا ہے۔ اسم مبارک "علیؑ" خود بخود روشن ہے۔

(۲) نیلم کی:- نیلم علامت وفا ہے۔ قدیم نیلم سنگ اسمانجونی زمانہ حال ہے۔ یہ ایک معدنی شئے ہے جو اسمانی رنگ کی شعاعوں کی وجہ سے بڑی قیمتی خیال کیجاتی ہے اس میں خاکستر طلاء کے ذرے چھڑکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیلاہٹ میں سنہرے ذروں کی چمک آسمان کے ستاروں کا سماں یاد دلاتی ہے۔ اس کے ذرے بھی بارہ اضلاع میں منجمد ہوتے ہیں۔ نیلا رنگ علامتِ وفا ہے۔ اور سنہری جھلک علامتِ ہدایت ہے"۔

پادری صاحب موصوف کے بیان سے ثابت ہے کہ نیلم اخلاقِ حسنہ اور ہدایت خلق کی علامت ہے۔ اخلاق حسنہ خلق حسن پر دال ہے۔ جو ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے دوسرے امام ہیں۔

نیلم الماس سے دوسرے درجہ پر سخت ہوتا ہے۔ سختی بردباری و جفاکشی کی علامت ہے۔

گہرا سبز رنگ نیلے رنگ میں زرد رنگ ملانے سے بنتا ہے۔ نیلم میں دونوں رنگ موجود ہیں۔ سبز رنگ آنحضرت علیہ السلام سے منسوب ہے۔

(۳) شب چراغ کی:- شب چراغ یشب کی خاص قسم ہوتی ہے۔ تاریکی میں اس کی شعاعیں روشنی دیتی ہیں۔ یہ علامت اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

شب چراغ وہ خاص قسم کا الماس ہے جو تاریکی میں روشنی دیتا ہے آپ جلوہ نور پر تو فگن ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سراجاً منیراً روشن چراغ تھے۔ ایسے زمانے میں آپ نے تعلیم دینا شروع کیا جبکہ ظلمت کفر و شرک دنیا پر چھائی ہوئی تھی۔ تعلیم پھیلی ظلمت دور ہوئی۔ خدا کی وحدانیت اور رسالت رسول کے زبانی اقرار ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام وعدے کل اقرار بھول بھلیاں ہو گئے۔ لوگ اپنے پچھلے پاؤں پھرنے لگے۔ خلفائے رسول نے حقیقت جتلا کر رسول کے اقوال یاد دلا کر دلائل سے بتلا کر راہ راست پر لانا چاہا لیکن رسول کو رسول برحق سمجھا ہوتا تو شنوا ہوتے وہ تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ یہ سب حصول شاہی کے کھیل تھے کہاں کی رسالت اور کیسی موعودہ نثری جس کی لاٹھی اسکی بھینس۔ علی الاعلان ان خیالات کا اظہار کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانا تھا۔ لہٰذا ایسی ایسی مثالیں پیش کر کے جن سے رسولؐ و آل رسولؐ کی توہین ہو اور ایسی ایسی تجاویز و دستور العمل بنا کر جس سے خاندان رسالت تباہ و برباد ہو جائے۔ ایک تحریک چھوڑ گئے۔ ایک تعلیم دے گئے جس نے مخالفت رسول میں رسول کے دشمن کو قلمدان

وزارت کا مالک بنا دیا۔ ہزاروں نسخہ جات مصحف کو آگ سے جلوا دیا۔ اصحاب رسول کی تنذیر و تکفیر کا حکم جاری کرا دیا بدکار، نابکار، بدشعار، فساق و فجار کو عمال بنوا کر دیا رو امصار میں بھجوا دیا ان کے افعال و اقوال نے عوام کالانعام میں رسول و آل رسول کی کیا وقعت رہنے دینی تھی۔ کچھ لوگ رسول اللہ کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے۔ اس روش سے گھبرا گئے اپنی پہلی غلطی پر پچھتائے جن ہاتھوں خلعت خلافت عطا کی تھی اونھیں سے اوتار لی اور یہی خلعت آل رسول کی خدمت میں پیش کی۔ یہ استقرار حق کے داعی ادھر اہل بیت رسول سے رجوع لائے اور ادھر دشمنان اہل بیت رسول نے علم مخالفت بلند کیا۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے حکومت و کتاب جمہور کا مال ہے رسول کی بادشاہی پہلے ایک پیچ پر تقسیم ہوئی۔ اب ایک فریق نے ہمارے بنائے ہوئے خلیفہ کو معزول کیا ہم ان کے بنائے ہوئے خلیفہ کو معزول کر سکتے ہیں۔ اور موقع پاکر ایسا کر گذرے۔

اس واقعہ نے رہی سہی وقعت آل رسول بھی نظروں میں کم کر دی۔ رسالت کی قدر اور آل رسول کی عزت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو مخالفوں نے تو چھوڑا ہی تھا غیروں سے کیا توقع ہو سکتی تھی جب کہ اپنے فرزند کی کشش سے آنحضرت کا ساتھ چھوڑ کر دشمن سے جا ملے۔

آل رسول کے لیے اس وقت یہی بہتر تھا کہ رہی سہی جمعیت کو تفرقہ سے بچائیں خونریزی و تباہی سے نجات دلائیں اور ثابت کریں کہ یہ حکومت جس کو تم نیابت رسالت سمجھے ہوئے ہو تمہیں مبارک ہم تعلیم رسول کے نشر کرنے والے ہیں شاہی کا حصول ہمارا مدعا نہیں تبلیغ احکام شریعت اور اس پر عمل درآمد چاہتے ہیں شریعت کے احکامات ہیں جو اس معاہدے میں تحریر ہیں تم اس پر عمل کرو عمل کراؤ اور تاج شاہی سنبھالو۔

ابن رسول اللہ نے گوشہ نشینی اختیار کر کے ان کے عقاید کی اصلاح کی کوشش کی معاہدے کی شرائط کی پابندی عائد کر کے ان کو جگانا چاہا لیکن تعلیم مخالف دلوں میں گھر کر چکی تھی جن کی محبت خدا نے فرض قرار دی جن کی تعظیم و تکریم کو باعث فلاح اُخروی گردانا ان پر علی الاعلان مسجدوں میں بازاروں میں۔ گلیوں میں دربار میں مجمع و جماعت میں گوشہ تنہائی میں سب و شتم کرنا علامت تقرب قرار پایا یہاں تک کہ جوان بوڑھے ہو گئے اور بوڑھے اسی سُنت کی تعمیل کرتے عدم آباد جا پہونچے۔ قتل و غارت کے بازار گرم ہو گئے ولائے اہل بیت جرم گردن زدنی تھا۔ مخالفت آل رسول مال دنیا کی ٹکسال تھی جس وقت ظاہر کی گئی سونے کی جھڑی لگ گئی۔

فرزند رسول زہر ہلاہل کا نشانہ بنا۔ اس اندھیر کا کیا کہنا۔ مخالفت کا بیج کشت قلب میں بویا گیا سطح قلب سے زبان پر پھیلا اقوال کی صورت میں نمودار ہوا بڑھا پھولا پھلا اب افعال کے ثمر آ گئے۔

اعلان نبوت سے رسول اللہ کی مخالفت شروع ہوئی یا بنگاٹ ہو اقتل کی کوشش ہوئی دشنام دہی جاری ہوئی آل رسول پر یہی واقعہ گذرنا تھا۔ درجات امتحان و ترقی میں سوائے قتل کے کوئی جگہ باقی نہ تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ حاصل نہ کر سکے۔ اپنی شہادت سے اپنے قول کی تصدیق آنحضرت نے پیش نہیں کی۔

شہادت دو قسم پر ہو سکتی ہے خفی یا پوشیدہ جس کو معدودے چند جانتے ہیں جلی یا ظاہر جس پر تمام عالم کی نظر پڑے یک

رسول اللہ اور دو قسم کی شہادت۔ اور مختلف شکلوں میں اس کا ظہور ممکن۔ گلا گھونٹ کر تلوار چلا کر زہر کھلا کر۔ مجھ کا پیاسا رکھ کر قیدی بنا کر گھر میں زہر کھلا کر۔ دربار میں بلا کر۔ سجدۂ خالق میں۔ میدان دعا میں۔ مجلس وعظ میں۔ محفل اکل و شرب میں۔ بیشمار ذریعوں سے شہادت ہو سکتی تھی۔ ان میں سے رسول اللہ کو ایک ہی ملتی اگر آپ شہید ہو جاتے تو لڈسی کا بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے ہر انچہ پدر نتواند پسر تمام کند۔ باپ کی کمی بیٹا پوری کر سکتا ہے۔

ایک فرزند نے شہادت خفی سے نانا کی حقانیت پر مہر لگائی۔ لیکن ظلمت کی لہریں آسمان سے ٹکرا رہی تھیں ایسا وقت ان میں کب سکون پیدا کرتا۔ زندہ پر تو ظلم و ستم ہوتے ہی رہے مردے پر تیر کی بارش زمانے کے رنگ اور تعلیم کے ڈھنگ کا پتہ دیتی ہے۔

حاشر دنیائے قدیم بھی حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرے میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی امت نے بڑا زبردست فریب پھیلا دیا۔ یعوق و یغوث و نسر کی متابعت اور ود و سواع کے احکام کی تعمیل۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کر لیا کہ نوح جو چاہے تعلیم دے پرواہ نہ کرو تم یعوق و یغوث و نسر کی سنت پر چلتے رہو نوح کو ستاؤ اس کی نسل قطع کرو ممکن ہو تو اسے بھی قتل کر دو ود و سواع کا حکم سنو۔ ان کی اس مکاری سے نوح علیہ السلام کو نجات ملی لیکن نسل نوح علیہ السلام تہ تیغ کی گئی۔

حاشر دنیائے جدید اپنے زمانے کے شیاطین کے منصوبوں سے محفوظ رہا لیکن نسل پر خوب ہاتھ صاف ہوئے سنت سنت کی ہر طرف پکار تھی اور لاشۂ فرزند رسول پر تیر برس رہے تھے۔

اس طغیانی کے وقت یہی مناسب تھا کہ رسول کے روحانی ملک اور دنیاوی بادشاہی میں ایسا فرق قائم کیا جائے کہ ایک طرف صداقت دعوے رسالت پر گواہی ہو جائے اور دوسری طرف اس بڑے مکر کا حال ظاہر ہو جائے جو منافقین نے کھیلنا چاہا۔ قرآنی شہادت موجود ہے۔ انھم یکیدون کیدا و اکید کیدا فمھل الکفرین امھلھم رویدا یہ لوگ بڑا مکر کر رہے ہیں اور ہم بھی ان کے مکر کا جواب دینگے۔ اے ہمارے رسول تجھے ضرورت نہیں کہ ان کا بندوبست کرے ان کو تنبیہ کرے بلکہ تو ان کافروں کو مہلت دے جو چاہیں کریں اور اتنی ڈھیل دے کہ حالت اخفاء سے نکل کر علی الاعلان کفر ظاہر ہو جائے۔

ابتدائے عالم سے نبوت پر یہی تنگ ہوتا چلا آیا کہ حصول شاہی و تفوق کا ڈھکوسلہ ہے اس لئے انبیائے زمانۂ حکومت کے حصول میں کوشش بلیغ کرتے اور غیروں کا خون بہاتے رہے ان کی شہادت ہی صداقت ادعا کا ثبوت بنتی رہی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ بھی آخری نبی تھے آنحضرت پر شک کیوں کر نہ ہوتے نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا شک کرنے والے موجود۔ صداقت نبوت پر گواہی کون دے یہ کون ظاہر کرے کہ وہ عبادت جو رسول نے تعلیم کی افضل عبادت ہے جان کی اس کے سامنے حقیقت نہیں روحانی بہبودی کے حصول کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ اطاعت رسول میں عبادت الٰہی میں جان چلی جائے۔ لیکن قدم پیچھے نہ ہٹے کیفیت تو جب ہے خود رسول اس پر گواہی دے یا وہ جو رسول سے ہو اور اسکی جان کے برابر عزیز ہو جس کی بقا یا حیات قول و فعل۔ رسول کا قول و فعل اور حیات و ممات کہلائے جس پر "جل منی" کا قول صادق آئے جس پر رسول کو بھروسہ ہو۔ ایسے نفوس طیبہ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ بھروسہ کر سکتے تھے جن میں تعلیم رسول کی تصدیق کی اہلیت تھی حیات آنحضرت میں صرف چار صورتوں میں نظر آتے تھے جن کو لفیضہ جمع کلام پاک میں ظاہر کیا

گیا اور انفسنا ابناءنا نسائنا کہکر دنیاوی سٹیج پر کھڑا کر دیا گیا۔ رسول اللہ کے مصائب کی شریک بیٹی باپ
کے اقوال اور امت کے طریق وسلوک کا اعلان کرتی ہوئی صدمہ ستم برداشت کرکے دنیا سے سدھاری۔ امت نے
خیال نہ کیا۔ نفس رسول نے سجدے میں سر دینے کے لئے اپنے قاتل کو خود جگایا شہادت پائی۔ امت کو خبر نہ ہوئی۔ سبط اکبر
رسول اللہ پر زخم کیا ممبر سے کھینچکر نیچے اتارا زہر سے شہید کیا نعش پاک پر تیروں کی بارش برسائی۔ پھر بھی بیداری نہ ہوئی۔ ایک
حسین علیہ السلام ان چار صورتوں میں سے باقی رہ گئے تھے۔ ان کے قتل کی تجویز ہوئی۔ مدینۂ رسول میں فرزند رسول کے
قتل کی کوشش ہوتی ہے یہ وہی شہر ہے جس کا بچہ بڑا ادب کے لئے سر جھکاتا تھا۔ لیکن اب کسی سے حس بھی نہیں ہوتی
رسول کی وصیت یاد ہوتی تو اٹھتے اور یاد کیوں نہ ہوتی وصیت تو جبھی جنگی یاد تھی لیکن تعلیم مخالف تعلیم رسول نے رنگ جمایا ہوا
تھا۔ بادشاہی کے حصول کا ڈھنگ خیال کیا ہوا تھا۔ رسالت پر یقین نہ رہا تھا اس لئے اپنی جان کون دے۔ فرزند رسول نے
اپنی عزلت گزینی سے ہزار یقین دلایا کہ بادشاہی کے حصول کی طرف ہماری توجہ نہیں۔ ہم تو احکام شریعت کے معلم ہیں لیکن
اعتبار کس طرح آئے دلوں پر مخالف کی تدبیریں پتھر کی لکیریں بن چکی تھیں۔ امت کو اپنے رسول کی بیخ کنی گوارا ہو فرزند رسول
مدینۂ رسول میں اپنے قتل سے اپنے نانا کے نام کی تحقیر نہیں کرا سکتا۔ مدینہ میں شہادت ہوتی۔ مخالف بڑے دھڑلے سے کہتے
نانا کے تابعین کے بھروسہ پر حسینؑ نے مقابلہ کیا۔ فساد ہوا قتل ہو گیا۔ رسالت کی صداقت پر شہادت نہ ہوتی۔ فرزند رسول
مدینے سے روانہ ہوتا ہے اپنے طرز عمل سے بزبان حال گویا ہے کہ یہ قوم جس کے کارن مجھے اپنے وطن سے بے وطن ہونا پڑا
حرمت رسول کی وقعت سے ناواقف ہے وہ حقیقت رسالت کی منکر ہے۔ مدینے سے مکہ کی طرف رخ کیا تاکہ یہ شبہ بھی نہ ہو
کہ یہ لوگ موحد ہیں۔ شاید اسی پر امت کو احساس ہو اور ان کی تعلیم کی تقلید چھوڑیں۔ ایام حج میں مکہ داخل ہوئے لیکن
رسالت کے دشمن سایہ کی طرح ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے حج کے دن قتل کا منصوبہ کیا ہوا تھا نہ حرمت بیت اللہ کا خیال
نہ عزت احرام کا نہ وقعت شہر الحرام کا۔ آخر مکہ سے کوچ کا ارادہ کیا خیمہ و خرگاہ شہر سے باہر نصب ہوا پوشیدہ سفر نہیں تھا
علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ بتلا دیا کہ اس تعلیم والے نہ مسلمان ہیں نہ موحد۔ انہیں نہ رسول کا اعتبار ہے نہ خدا کا یقین۔
مجھ جیسے صلح پسند گوشہ نشین سے برسر پرخاش ہونا تمہارے عقاید کے خلاف ہے تم نے ابتک یہی سمجھا کہ رسولؐ نے حکومت
کی بنیاد قائم کرنے کے لئے نبوت کا دعوی کیا اور اپنی متعدد وصیتوں کی بنا پر اس حکومت کو اپنے اقربا میں محدود کرنا چاہا تمہارا
یہ خیال ہے کہ ہماری ابتدائی جد وجہد کا مقصد منافع دنیاوی کا حصول تھا کیا میرے بھائی کا سلطنت سے دستبردار
ہو کر گوشہ نشین ہونا اور میرا صلح و امن کی زندگی بسر کرنا اس امر کی کافی شہادت نہیں ہے کہ ہمیں دنیاوی حکومت سے مطلب
نہیں۔ اب یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت پر مجھکو مجبور کرنا تم کو ثابت نہیں کرتا کہ یہ تحریک ابتدا سے پولیٹیکل اور اسلام کو ہلاک
کرنے کے لئے ظہور میں آئی میرے نانا نے مجھ سے کہا ہے کہ بیت اللہ کی حرمت ایک مینڈھے کے خون سے ضائع کی جائیگی
میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔ میں ایک مقصد کو لئے ہوئے موت کی وادی کی طرف جاتا ہوں اپنے اہل و عیال
اپنے ہمراہ اس لئے لیجاتا ہوں کہ میرے مقصد میں کامیابی ہو۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مشہور ہے الحسین منی وانا من الحسین حسینؑ مجھ سے ہے اور

نہ حسینؑ سے ہوں حسین علیہ السلام فرزند رسول تھے نواسہ رسول تھے آپ کا رسول اللہ سے ہونا ظاہر ہے لیکن "انا من الحسین"
ایک عجیب بات ہے بیٹا باپ سے ہوتا ہے باپ بیٹے سے نہیں ہوتا۔

اس اندھیر نگری چوپٹ راجا کے عہد میں رسول اللہ، رسول اللہ متصور نہیں ہوتے تھے بلکہ قانون اجماع کے مطابق جمہوریت اسلام (بلکہ جمہوریت قریش یا عرب) کے پریذیڈنٹ کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ خود یزید کا شعر اس کے۔ اس کے اسلاف کے۔ اور اسکے ہم عصروں کے خیالات وعقائد کی ترجمانی کرتا ہے۔

لعبت ہاشم بالملک فلا — ملک جاء ولا وحی نزل

اس ہاشمی نے بادشاہی کا کھیل بنایا ہوا تھا نہ فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی آخر اس نے تو زمانہ رسول میں آنکھ کھولی ہی نہیں پھر اسے کیسے یقین آگیا کہ یہ محض ڈھکوسلہ تھا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر زمانے کے حالات اس وقت کے باشندوں کے طرز عمل سے معلوم ہو جاتے ہیں یزید نے بھی واقعات سنے۔ رسولؐ کے دعوے اور وصیت پر غور کی۔ اس زمانے کے لوگوں کے افعال پر تنقیدی نظر ڈالی جو اصحاب رسول کہلاتے تھے ایک طرف مودۃ فی القربیٰ کے احکام اور عزت و حرمت والے کلام نظر آئے اور دوسری جانب انہی اقربائے رسول کے ساتھ اصحاب رسول کا طرز سلوک دکھلائی پڑا۔ آخر نبوتؐ کا منکر نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا اس نے سمجھ لیا اگر نبی سچا ہوتا تو اس کے اصحاب اس کے اقوال کی تصدیق کرتے اور ان کی تعمیل پر فخر کرتے ان کا ارشاد رسول کی تعمیل سے پہلو تہی کرنا اور خانہ دختر رسولؐ میں آگ لگانا اس کی رائے میں تکذیب رسالت تھا۔ اس نے منافقانہ روش اختیار نہیں کی بلکہ علی الاعلان نبوتؐ کا منکر ہوا۔

رسول کی بعثت کا مقصد ہدایت تھا۔ ۲۳ سالہ محنت رائیگاں جاتی اگر رسول کی رسالت پر شہادت نہ گذرتی۔ اور ایسی زبردست شہادت جو اس بڑے گہرے راز کو کھولدے۔ اس تمام تحریک کو طشت ازبام کر دیوے اور اس تحریک کو جو آغاز نبوت سے ظاہر ہوتی رہی تھی ہمیشہ کے لئے اچھی طرح سمجھا دیوے اور نہ صرف اسی وقت بلکہ آئندہ بھی ضرورت کے وقت اپنی قربانی پیش کر کے حقیقت وصداقت رسالت کو قائم رکھے۔

وہ بڑی سی بڑی قربانی جو سبط اصغر امام حسین علیہ السلام کا منصوبہ تھا کہ ایک صحرائے لق ودق میں اپنے عزیز و اقارب یار و انصار بچہ جوان اور بوڑھے کو نہایت غربت کی صورت میں قربان کرے جہاں پر سلطنت جمانے کا خیال کسی کے ذہن میں نہ آئے۔ اس شہادت کے بعد وہ بچے و سب کے نفوس جن کو ہمراہ لیا تھا اسیر ہو کر دربدری کی حالت میں دشمنوں کے منصوبوں کی قلعی کھولنے میں معاون ہوں۔ اور ظلمت کفر کی تحریک مستاصل ہو۔

امام علیہ السلام کا منصوبہ پورا ہوا۔ دشت غربت میں شہید ہو کر چھ مہینہ کا شیر خوار علی اصغر آٹھ نو سال کے عمر والے بھانجے عون و محمد۔ تیرہ چودہ سالہ بھتیجا قاسم بن حسنؑ۔ اٹھارہ برس کا جوان ہم شبیہ پیغمبر علی اکبر۔ عباسؑ سا کڑیل جوان بھائی علمبردار نمادنی ہاشم۔ مسلم بن عوسجہ صحابی رسول سا متبرک نفس ۸۵ سالہ سن ایسی ایسی کل ۷۲ قربانیاں پیش کرنے کے بعد سجدۂ خالق میں تین دن کی بھوک پیاس کے ساتھ شہادت گوارا کر کے ثابت کر دیا کہ کوئی صاحب عقل وتمیز ایسا نہیں کہ ایک دروغ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اس قدر تکالیف برداشت کرنا گوارا کرے اور حق سے گریز کرے یہ فعل

وہی کرسکتا ہے جس کو اپنی صداقت ۔ رسالت کی صداقت اور خدائی وعدوں کی صداقت کا یقین کامل ہو امام حسینؑ علیہ السلام کے اسی مقصد اور غایت شہادت کی نسبت خواجہ اجمیریؒ فرماتے ہیں ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ"

حسینؑ بادشاہ بلکہ شاہنشاہ ہے ۔ دین (اسلام) حسینؑ ہی تو ہے جس نے دین کی دستگیری کی ۔ حسینؑ تاجدار بادشاہ نہیں بلکہ ایسا بادشاہ ہے جس نے سر دیدیا لیکن یزید (خلیفہ اجماعی و نصّی و قہر و غلبہ والے) کی بیعت نہیں کی خدا کی قسم بنائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ ، حسینؑ ہی ہے ۔ یعنی اگر حسینؑ علیہ السلام اسلام کے لئے جان نہ دیتے اور منافقین کی تحریک کی قلعی نہ کھولتے تو اس وقت مسلمانوں کا وجود ہی نہ ہوتا)

امام حسین علیہ السلام کی ذات والا صفات الٰہیہ شب چراغ ہدایت ہے جس نے ظلمت کفر و نفاق کے پرخچے اڑا دیئے اور رسالت کی صداقت پر مہر لگا دی آپ کے ۷۲ رفقا آپ کے دعوے کے شاہد بن کر امامت حقہ آنحضرت کے مصدق ہوئے ۔ لہذا نبوّت و امامت دونو منافقانہ و مشرکانہ حملوں سے محفوظ ہو گئیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ بانئ اسلام تھے امام حسینؑ مجسم اسلام اور ناصران حسینؑ علیہ السلام معاونین اسلام بانی اسلام و دین اسلام کے درمیان کامل الایمان کا سلسلہ موجود ہے ۔

لہذا رسول تک وہی پہونچ سکتا ہے جو اسلام میں آئے اور ایمان حاصل کرے حسینؑ علیہ السلام کا دشمن اسلام کا دشمن اور ایمان کا دشمن ہے رسول تک نہیں پہونچ سکتا ۔ خدا سے ملنا تو اور بھی ٹیڑھی کھیر ہے ۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید (سعدی)

شہادت حسینی نے نہ صرف یزید کی خلافت کو غلط ثابت کیا اور اس کے طریقہ و اطوار کو مردود و مذموم بلکہ اس قاعدے اور قانون کی قلعی کھولدی جس کے باعث یزید کے قدم تخت خلافت تک پہونچے ۔ بقول شاعر

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

اگر معمار پہلی اینٹ عمارت میں ٹیڑھی لگائے تو اس کجی کا سلسلہ ترقی ہی کرتا رہیگا ۔ چاہے دیوار کو ثریا تک لیجاویں اس کی کجی نہیں جاسکتی ۔ بلکہ زیادہ تر روشن نظر آئیگی ۔ اس لئے کہ معیار اس جگہ موجود ہے ۔ ثریا کے آویزے غلطی فاش کئے دیتے ہیں ۔

اسی طرح قانون اجماع جسکے باعث یزید تخت نشین ہوا پہلی غلطی تھی ۔ دیواریں بلند ہوئیں ۔ اساس غلط تھا دیواریں کج اٹھیں یزید کا حسینؑ علیہ السلام سے برسر پرخاش ہونا اور آنحضرتؐ کا شہید ہونا تھا کہ قاعدے کی غلطی ظاہر ہوگئی قاتل اور اس کے اسلاف کی حقیقت روشن ہوگئی کذب و صدق ظاہر ہوگیا ۔ و اذا تولیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا و یھلک الحرث و النسل کی تفسیر معلوم ہوگئی ۔

شہادت حسینؑ علیہ السلام اور شہادت رفقائے آنحضرت رسول اللہ کی نسل اور کھیتی (یا کمائی) کی تباہی پر

یقین شہادت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا وہ مفسد کون تھا جس نے والی رحاکم ہو کر ایسا فساد پھیلایا اس فساد کا آخری نتیجہ تباہی نسل رسول و زراعت رسول کی شکل میں ظاہر ہوا! کلام مجید سے پتہ لگتا ہے کہ وہ الد الخصام " متنازعات کی جڑ یا نزاع مجسم تھا جس نے اس فساد کے دنیا میں رائج کرنے کی کوشش کی۔ یہ شخص زمانہ رسول میں بھی موجود تھا اس کی منافقیت پر تو کلام پاک شاہد ہے۔ "ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام" وافا تو تی القدس کی زبان اس کے قلب کی ترجمان نہ تھی اس صفت کا نام نفاق ہے۔

شہادت قبول کر کے گھر لٹا کے حسین علیہ السلام نے اس آیہ کی صداقت ظاہر کر دی ان رازوں کو کھول دیا جس کا ذکر خداوند عالم نے اپنے رسول سے فرمایا تھا یعنی تدابیر استیصال نسل رسول و تخریب دین رسول، دعوے قرابت رسول پر دوسری آیات سے بیشتر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اے حسین۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو
رند میخانہ تو سامع افسانہ تو

محرم عزمانہ تو شمع حکیمانہ تو
تشنۂ جام ولا بر در کاشانہ تو

ایں حسین تو تنہا نظر کرپانہ تو
از سر لطف نگر قائل مستانہ تو

چوتھی زمرد کی "زمرد حیات ابدی کی علامت ہے۔" یہ نہایت ہی خوبصورت جوہر ہے۔ رنگت صاف۔ گہری بھڑکیلی سبز۔ یہ مسدس شکل میں منجمد ہوتا ہے جب سخت حرارت پہونچے تو رنگت میں فرق آجاتا ہے۔

حیات ابدی ہدایت روحانی ہی ہے جس کو امامت و نبوت و رسالت کہتے ہیں۔

خوبصورتی کمال جوہر کی نشانی ہے اور رنگت کی صفائی قدس یا حسن ظاہری کی ضیا۔
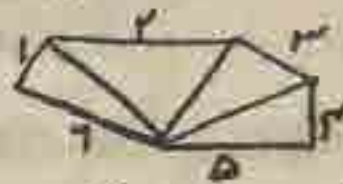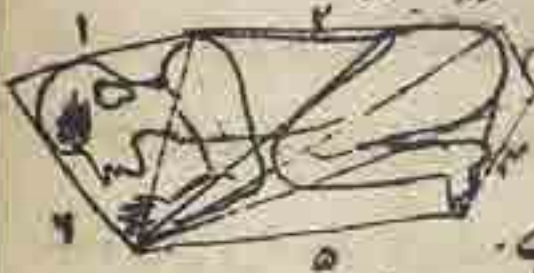
سبز رنگ علامت وفا و ہدایت ہے
شکل مسدسی سجدے کی نشانی ہے
حرارت سے رنگ میں فرق آجانا "تقیہ" کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔

شکل مسدسی سے لقب سجاد برآمد ہوتا ہے (بقیہ دیگر اوصاف زمرد) آنحضرت کے مشہور اوصاف میں "تقیہ" کی علامت آنحضرت کے زمانہ کی مخدوش حالت کا ثبوت ہے جس کے باعث آنحضرت کو تقیہ کی ضرورت پڑی۔

تعلیم دین کا وہ اعلیٰ طریقہ جس سے حقیقی اسلام کو ایسے مخدوش زمانے میں استقامت بخشی مجالس غمی کے نام سے آنحضرت کا رائج فرمایا ہوا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس نے علمائے یورپ کو حیرت میں ڈالدیا ہے اور ایسا نصاب ہے کہ اس سے عبور کرنیوالا کبھی راستہ گم نہیں کر سکتا۔

(۵) عقیق کی "عقیق علامت حلم و عصمت و شہادت ہے"۔ یہ ایک قسم کا زیبائشی پتھر ہوتا ہے جس کو مہر کند بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ متقدمین کا خیال تھا اس کی تین سطحیں ہوتی ہیں (۱) قاعدہ سیاہ رنگ کا (۲) درمیانی حصہ سفید رنگ (۳) سطح بالا سرخ رنگ۔ سیاہی عجز و انکسار و حلم (عبدیت) کی علامت ہے۔ سفید رنگ عفت و عصمت کی نشانی۔ اور سرخ رنگ شہادت پر دال ہے۔

ہے اس شخص نے عقیق کی شرح کی ہے جو اسلام کا مخالف عیسائیت کا واعظ اور بروکلن (امریکہ) کی کلیسا کا پادری تھا۔

پہلی سطح پر غور کرنے سے آیہ قرآنی انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا کا یہ مطلب پیش نظر ہو جاتی ہے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت کو (جو بندگان مخصوص کا حصہ تھا) آسمان اور زمین کے رہنے والوں پر پیش کیا (اور ان کی رائے پوچھی کہ آیا وہ اس امانت کا بوجھ ایسی حالت میں اٹھانا چاہتے ہیں جو ان بندگان خاص پر عارض ہونگی آیا راضی ہوکر انکو خلیفہ یا نائب بنایا جاوے) پس سب نے انکار کر دیا اور اس بار اٹھانے سے عاجزی ظاہر کی درانحالیکہ اسی بار کو انسان نے اٹھا لیا کیوں کہ وہ جفاکش و بردبار تھا۔

لہذا خلافت یا بادشاہی یہ بار نہیں تھا جس سے فرشتوں نے پہلوتہی کی۔ بلکہ یہ خلافت اسی کو مل سکتی تھی جو اس بار کو اٹھائے اور اپنے مالک کی روش پر چلتا رہے۔

نہ یہ خواہش اولاد و بقا ہو سکتی ہے اس لئے کہ پہلی خواہش حیوانات میں موجود ہے اور دوسری ملائکہ کو حاصل تھی۔

پھر یہ کون سی امانت تھی جس کو نہ ملائکہ اٹھا سکے اور نہ دوسری مخلوقات۔ وہ اٹھایا بھی کس نے انسان ضعیف البنیان نے لہذا یہ وصف دوسری مخلوقات کی نسبت اس میں زیادہ تھا۔ اپنی شان عبدیت سے واقف تھا۔ خود اپنی حالت کو جانتا تھا۔ اور شان معبود کا عارف تھا۔ سمجھتا تھا۔ السعی منی والاتمام من اللہ کوشش کرنا میرا کام ہے خداوند عالم جو میرے حال سے واقف ہے۔ وہ خود استکمال کی توفیق دیگا اسی امید پر نظر جمائے ہوئے میدان وفا میں آکھڑا ہوا۔ عبد کی شان یہی ہے جو مالک کہے بجا لائے۔ طاقت ہو یا نہ ہو انکار کی مجال نہیں۔ اس کا فرض ہے تحمل و بردباری کام میں لائے جفاکشی کا عادی ہو۔

یہ معلوم ہو چکا کہ یہ امانت خلافت نہ تھی بادشاہی دنیا نہ تھی خواہشات نفسانی نہ تھی بلکہ خلافت خود اس کا (امانت کے اٹھانیکا) انعام تھی۔ مگر ایک شرط کے ساتھ۔

کلام پاک میں خداوند عالم اس امانت کا ذکر فرماتا ہے واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما ۔ اور جس وقت ابراہیم کی اس کے پروردگار نے کلمات کے ساتھ آزمائش کی اور اس نے ان کو پورا کر دیا تو (خدا نے) کہا البتہ میں تجھکو لوگوں کا امام بنانیوالا ہوں۔

آیہ مجولہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ وہ امانت الٰہی جس کا اٹھانا مخلوقات ارضی و سماوی کو دشوار نظر آیا امامت تھی جس کے لئے ابتلا لازمی تھی جو اس امتحان میں پورا اترا وہ امام ہوا۔ ابتلا ایک ایسی کٹھن منزل تھی جس سے کل مخلوقات گھبرا گئی تھی ورنہ امامت کا درجہ حاصل کرنے کو کس کا دل نہ چاہتا ہوگا جب کہ خلافت پر سب نے دانت تیز کئے ہوئے تھے۔ آدم علیہ السلام کی خلافت کا حکم سنتے ہی اپیل دائر ہوئے لیکن وہ صرف خلافت تھی، نیابت حق اس نور الٰہی

کی ابتداء سے ہدایت خلق کے لئے مقرر ہوا ہدایت کے لئے علم کی ضرورت تھی قدرت نے عطا کیا۔ امتحان میں کامیاب ہوا لیکن امامت بذات خود ایک عہدہ تھا جس کا تعلق اعمال سے تھا جب تک عملاً قابلیت ثابت نہ ہو پیشوائی ملنی مشکل ہے۔ اعمال کے لئے ابتلا لازمی ہے۔

آدم علیہ السلام نے اس مرتبے کے حصول کی خواہش کی۔ امتحان میں پڑے۔ کہاں وہ نعمات بہشت اور کہاں یہ دنیا کی مصیبت۔ رو دیئے۔ اور آخر یہی کہتے نظر آئے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔ خدایا ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ پس اگر تو معاف نہ کرے۔ اور ہم پر رحم نہ لائے۔ تو البتہ ہم خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔ (یعنی امامت کے حصول کے لئے آزمائش میں پڑے جسکو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تیرا رحم شامل حال نہ ہو۔ اور تو ہمیں معاف نہ کرے۔ تو خلافت بھی ہاتھ سے جاتی ہے۔ دعا قبول ہوئی۔ ابتلا برطرف ہوئی۔ خلیفہ تھے خلیفہ ہی رہے۔ اور اُنکے ساتھ نبوت کا کام بھی کرنا پڑا کیسی آیندہ زمانہ میں پیدا ہونے والے آئمہ کی خبر دینے والے تھے۔ جان بچی لاکھوں پائے۔)

نوح علیہ السلام کی ابتلا ہوئی بیٹا جاتا رہا۔ بارگاہ الٰہی میں استغاثہ بلند کیا۔ رب ان ابنی من اھلی نتیجہ یہ نکلا کہ امامت نہ ملی۔ نبی رہے۔ رسول رہے۔ اولوالعزم پیغمبر ہوئے لیکن امامت نہیں۔

آدم علیہ السلام فراق جنت میں بیقرار ہوئے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی تنہائی اور مصیبت پر صبر کیا لیکن بیٹے کا صدمہ ایسا تھا جس نے بے صبر کر دیا حالانکہ راضی برضائے الٰہی رہنا اولیٰ تھا۔ اگر خداوند عالم دوزخ میں اپنے خاص بندے کو رکھنا چاہے تو اس کی جنت وہی دوزخ ہے جس میں خدا اس کو رکھنے سے خوش ہے۔

تیسرا دور ابتلا کا ابراہیم علیہ السلام پر وارد ہوا۔ آگ میں جلنے کا حکم ہوا۔ اسی میں خوش و خرم نظر آئے مخلوقات الٰہی سے مدد کی تمنا نہ کی۔ دنیا کی راحت کے مقابلہ میں آگ زیادہ اچھی معلوم ہوئی۔ پیری میں بیٹا ملا۔ اور وہ بھی ایک۔ اسی کی قربانی طلب ہوتی ہے۔ رضائے الٰہی پر راضی۔ اپنے ہاتھ سے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر کر اپنی لاولدی میں رضائے الٰہی پائی۔ فوراً لاولد بننے کے لئے تیار ہو گئے لیکن آنکھوں پر پٹی باندھنی پڑی۔

ایسا عزم راسخ رکھنے والا البتہ اسی قابل تھا کہ امام خلق مقرر کیا جاوے۔ ایسا شخص البتہ اس قابل ہے کہ ظلم و ستم دیکھے پھر بھی انتقام کے لئے ہاتھ نہ اٹھائے۔ بددعا نہ کرے بلکہ ہر وقت یہی کوشش کرے کہ دوسرے اس کے طرز عمل کو دیکھ کر سبق حاصل کریں۔ اور ہدایت پائیں۔

آدم علیہ السلام سے لیکر ابراہیم علیہ السلام تک نبی و رسول تو بہت ہوئے لیکن امامت کی قابلیت اگر ظاہر ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام سے۔

ان تمام واقعات کا کلام پاک میں تذکرہ کرنا عبث نہیں تھا۔ بلکہ یہ دکھلانا مقصود تھا کہ امامت کی قابلیت ہر ایک میں نہیں ہوتی۔ یہ امامت انبیوں کی امانت ہے جو رضائے الٰہی پر ہر وقت راضی رہیں۔ انی اعلم مالا تعلمون جن لوگوں کو ہم نے امام بنایا ہے وہ ان اوصاف کے جامع ہیں۔ جو ہمارے بندے ابراہیم نے دکھلائے۔ اس نے

آپنے ابتلا میں پڑ کر اس راحت کو حاصل کیا جنکو یہ نعمت عطا کی گئی ہے۔ وہ اپنے افعال سے اس کا استحقاق ثابت کر دکھلاتے تھے۔ وہ اس امانت کے اٹھانے والے ہیں۔

کربلا کے منظر نے امین کو امت کے سامنے پیش کر دکھلایا بتلا دیا۔ امام کس طرح امت کے ظلم پر صبر کرتے ہیں وہ ستم ڈھاتے ہیں یہ ان کو نصیحت دیتا ہے وہ اس کا گھر تباہ کرتے ہیں یہ ان کو دعا دیتا ہے۔ وہ گلے پر خنجر پھیرتے ہیں یہ امت کی مغفرت چاہتا ہے۔

ان واقعات کو امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہوا تھا۔ اسیری شام کے مصائب جھیلے ہوئے تھے ہدایت کے نشان بلند کر چکے تھے آئندہ جو کچھ آنحضرت نے ہدایت فرمائی وہ اسی ہدایت کا نقش تھی۔ جو مدت العمر ظاہر ہوتی رہی جیسا کہ عقیق پر کھدے ہوئے حروف ہمیشہ اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

واقعات تاریخی بتلا رہے ہیں کہ جو امور آپ کے پدر بزرگوار پر لاحق ہوتے رہے وہی آنحضرت پر بھی آئے۔ قید شام بار دیگر طلبی بعہد عبدالملک امام زین العابدین علیہ السلام پر واقع ہو چکی تھی یہی مدینہ سے طلبی کے احکامات سلاطین جور نے آنحضرت پر جاری کئے۔ آخر شہید کر کے رہے۔

(۶) لعل کی۔ سرخ رنگ کا پتھر ہے جس کو متقدمین جواہر کی جگہ استعمال کرتے تھے زمانۂ قدیم میں ہر ایک مہر کنندہ اس مشہور پتھر کو استعمال کرتا تھا۔

لعل اور عقیق ایک ہی مطلب کے لئے ہیں عقیق کا قایم مقام لعل ہے یعنی معرفت کا معلّم ہے حضرت باقر العلوم عقیق ہوئے اور حضرت صادق علیہ السلام لعل۔

آئمہ اہلبیت علیہم السلام میں نشر علوم کا موقعہ کسیقدر ریا تو جناب امیر علیہ السلام کو حاصل ہوا یا حضرت صادق علیہ السلام کو سلطنت بین خانہ جنگیوں سے ضعف پیدا ہو گیا تھا اس لئے آپ سے پرخاش کرنے والا کوئی نہ تھا چنانچہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر آنحضرت نے تعلیم رسول کے پھیلانے میں جد و جہد فرمائی۔ دین حقہ کی تدوین و ترویج میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا حتیٰ کی آنحضرت کے متبعین کا نام شیعہ کے بجائے جعفری ہی ہو گیا۔

عوام الناس کے ائمہ بھی اپنا سلسلۂ تلمذ آنحضرت علیہ السلام تک پہونچاتے ہیں۔

(۷) سنہرے پتھر کی۔ سنہرہ پتھر (سنگ ستارہ۔ مولف) علامت حجت الٰہی ہے۔

یہ سنہرے رنگ کا پتھر ہے جس پر سبز خط یا نشان ہوں اور بہت ہی شفاف ہوتا ہے۔ سنہرہ رنگ کامل معرفت الٰہی کی علامت ہے سبزی حیات ابدی پر دال ہے۔ شفافیت کمال تقوی و پرہیزگاری پر شہادت دیتی ہے۔

متقی و پرہیزگار کامل، صالح یا عبد صالح کہلائیگا۔ حیات ابدی کا وارث امام ہی ہوگا۔

کیوں کہ شریعت (قرآن) ترکہ رسول ہے جو قانون ہدایت ہے اس کی وارث آل رسول یعنی امام ہیں یا عارف حقیقت۔

عبد صالح لقب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے۔ ہارون رشید عباسی نے مدت العمر قید رکھا۔ اور آخر زہر سے شہید کرادیا۔

حالتِ اسیری میں بھی آنحضرت کارِ ہدایت انجام دیتے رہے۔

(۸) فیروزہ کی "فیروزہ علامت محبت ہے"

یہ ایک نیلے سبز رنگ کا تاریک جوہر ہے جو متقدمین کے نزدیک عزیز تھا۔ مسدس شکل میں ہوتا ہے جسکے چھوٹے بڑے ۶ ضلعے ہوتے ہیں۔ اصلی ضلعوں پر جو چھ ہوتے ہیں۔ ہیرے کے سے نشان پائے جاتے ہیں۔ ترتیبانی ضلع پانچ یا آٹھ۔

ہیرے کی علامات سے بجینیٔ امام ہشتم مراد ہے۔ پانچ و آٹھ یعنی تیرہ کا وکیل (۲ ۹) یعنی امام ہادی بھی اور وکیل بھی۔ جیسا کہ زیارت آنحضرت میں اسکا ذکر موجود ہے۔ السلام علیک یا معیث الشیعۃ والزوار فی یوم الجزاء۔ غیث فریادرس کو کہتے ہیں۔ اور وکیل وہ ہے جو دوسرے کی جگہ حاضر ہو یا اس کے معاملہ کا کارمختار ہو یا کسی خاص معاملہ میں اس کی امداد کرے پس وکیل و مغیث ہم مطلب الفاظ ہیں۔

کلام پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ دربار الٰہی میں کچھ عہدے ہیں جو مقربین کو تفویض کئے گئے ہیں۔ ہر ایک عہدہ دار اپنے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی پر کمربستہ ہے۔ مثلاً ایک درجہ مقام محمود ہے۔ جو انتہائے قرب عبد و معبود ہے (دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی) یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا جیسا کہ آیہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا سے ظاہر ہے۔

مقرب بارگاہ وسیلہ دربار ہوا کرتا ہے۔ اور جس قدر مقرب تر ہوگا۔ اسی قدر اس کی وساطت زیادہ قبول ہوگی۔ شفیع وہی ہوتا ہے جو مزاج میں دخیل ہو۔ جسپر بھروسہ ہو۔ اعتبار ہو۔ ہر ایک درباری اگرچہ مقرب ہے۔ لیکن شفیع نہیں جب تک اجازت نہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ مقرب شفیع سے سفارش کرے۔ اور اس کی وکالت پر شفیع بارگاہ سلسلہ جنبانی کرے۔ آیات ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) شفاعت ہر ایک نہیں کر سکتا۔ من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ اس کے حضور کس کی مجال ہے کہ شفاعت کرے۔ مگر اس کے حکم سے۔ لہٰذا شفیع وہی ہوگا جسکو حکم ہو۔

(۲) رسول اللہ شفیع ہیں۔ وکیل نہیں۔ وما انت علیھم بوکیل۔ لہٰذا شفاعت وکیل کی سلسلہ جنبانی پر منحصر ہے

(۳) گواہوں پر گواہ ہیں۔ وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ لہٰذا شفیع ان گواہوں کی شہادت پر شفاعت کرے گا جنپر اس کو بھروسہ ہے۔

جیسے شفاعت انتہائی حد ہے ایسے ہی اعانت یا نصرت اس حد کی ابتدا ہے۔ اعانت اور شفاعت کے درمیان شہادت و وکالت کا سلسلہ ہوتا ہے جس کی بنیاد صداقت ہوتی ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے صادقین کی رفاقت کا حکم دیا ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصّٰدقین۔

صادق وہ ہے جس پر جھوٹ کا شبہ بھی نہ ہو سکے۔ دوست دشمن سب ہی اس کو صادق سمجھیں۔ اس امت میں ایسا نفس طیب جسکو دوست، دشمن حتیٰ کہ قاتل بھی صادق سمجھے۔ امام بحق ناطق حضرت جعفرؑ صادق علیہ السلام ہیں آنحضرت کا لقب مشہور صادق ہے۔ آنحضرت سے پہلے ایک رسول اور پانچ امام ہوئے یعنی چھ ہدایت کرنیوالے۔ اور آپ کے بعد بھی چھ ہدایت کرنے والے ہوئے۔ اس بیرہ کے سلسلہ میں اول امین آخر عادل اور وسط صادق وسط نے اپنے اول و آخر کا پتہ دیتی ہے۔ پس صداقت کی ابتدا بھی صداقت ہے اور انتہا بھی۔ کیونکہ امین وہ کہلاتا ہے جس کی صدق نیت اور خوش معاملگی پر بھروسہ ہو۔ وہ صادق ہوا۔ اسی طرح عادل وہ کہلائیگا جو سچا سچ فیصلہ کرے۔ اور حق سے بال برابر تجاوز نہ ہو۔ لہٰذا وہ بھی صادق ہے۔ شہید بحق وہ ہے جو سچائی کے لئے قتل ہو، وہ بھی صادق ہے۔

جس سلسلہ کی ابتدا صداقت، وسط صداقت، آخر صداقت اور درمیانی تسلسل صداقت ہو، وہی سلسلۂ صادقین کہلائے گا۔ اور شفاعت شہادت وکالت یا عدالت اسی سلسلہ میں ہوگی۔ اس کے باہر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا کل معروضات آپ کی وکالت کے بغیر ولیٔ نعمت کی بارگاہ تک نہیں پہونچ سکتیں۔

(۹) زبرجد کی: "زبرجد علامت سخاوت ہے"

"یہ ہلکا سبز رنگ کا جواہر ہے۔ اس کی عجیب خاصیت یہ ہے اگر سانپ کی نظر اس پر پڑ جائے تو اندھا ہو جاتا ہے"۔ سخاوت سخی کی صفت ہوتی ہے جسکو جواد کہتے ہیں۔ یہ لقب مشہور امام محمد تقی علیہ السلام ہے۔ رنگت کے مطابق زمرد سے ملتا جلتا ہے لہٰذا وہ کل اوصاف یہاں بھی پائے جاتے ہیں جو امام زین العابدین علیہ السلام سے متعلق ہیں

(۱۰) یمنی کی: "مراد عقیق یمنی ہے جو علامت بردباری و جفاکشی ہے"

"عقیق یمنی زردی یا سبزی مائل ہوتا ہے۔ زردی علامت عرفان و سبزی حیات ابدی کی علامت ہے۔ یہ سخت ترین اقسام جواہرات سے ہے۔ ہیرے اور یاقوت کے سوا اور کوئی اس سے سخت تر نہیں ہوتا"۔

عقیق کے متعلق پیشتر تذکرہ ہو چکا۔ یمنی اسی کی ایک خاص قسم ہے جو اپنے مخصوص علامات سے عرفان، امانت اور بردباری و جفاکشی کا خیال دلا کر اپنے ممدوح کا پتہ بتلاتی ہے۔

یمنی سے مراد امام علی النقی علیہ السلام ہیں۔ آنحضرت اپنی مدت العمر سُرَّ مَن رَاٰی (سامرہ) میں بحکم خلیفۂ عباسی نظربند رہے سخت سے سخت اذیتوں میں مبتلا رہے اور اسی نظربندی کی حالت میں شہادت پائی۔

(۱۱) سنگ سنبلی کی: "اسکو زمانۂ حال میں نیلم کہتے ہیں۔ رنگ شفاف ہلکا کبود (نیلا) ہوتا ہے۔ سختی میں ہیرے کے دوم درجہ پر ہے۔ یہ علامت استقلال و جفاکشی و بردباری ہے۔ نیلا رنگ علامت وفا ہے۔ شفافیت کمال تقویٰ کو ظاہر کرتی ہے۔

نیلم پیشتر علامت حسن مجتبیٰ علیہ السلام معلوم ہوا۔ سنبلی نیلم ثانی ہے یعنی امام حسن عسکری علیہ السلام آنحضرت بھی اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ سامرہ میں نظربند رہے۔ اٹھائیس سال کی عمر میں شہادت پائی۔

(۱۰) یاقوت کی۔ یاقوت زردی مائل سوسنی رنگ کا قیمتی پتھر ہوتا ہے جس میں نیز نیلا اور گہرا سرخ رنگ ملا ہوا ہو۔ متقدمین کا یہ خیال تھا کہ اگر یاقوتی پیالے میں شراب پی جاوے تو نشہ نہیں ہوتا جو اس امر کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ باطل کا اثر حق کی موجودگی میں زائل ہو جاتا ہے۔"

یہی صفت امام صاحب العصر علیہ السلام ہو آپ کے ظہور سے دنیا عدل و انصاف سے پُر ہو جاوے گی اور اور باطل کا نشان مٹ جائے گا۔ قل جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔"

پس یاقوت علامت حق ہو۔

یہ بیان بنیادی خصوصیات سے تھا جس دین کے علم اس درجہ کے ہوں اسکے سچے پیرو البتہ نمایاں مخصوص ہی ہوں گے۔

اب شہر کی خصوصیات سے دیکھئے۔ تو اس شہر علم کے بارہ دروازے تھے۔ جن کے ذریعہ اس شہر میں پہونچ سکتے تھے۔ راستہ یا سڑک یعنی شریعت کامل واعلی تھی۔

اس شہر میں مقدس کا نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ شہر خود ہی مقدس ہو۔ جو معرفت الٰہی سے بھرا ہوا ہے۔ جو برۂ مذبوح (حسین علیہ السلام) نے اپنا سر دیکر دنیا کو کھلائی۔ پس جو کوئی بھی کلام خدا میں غور کرے۔ وہ خدا کی الوہیت و ربانیت پر ایمان لے آئیگا۔ اور شہادت حسین علیہ السلام پر غور کرے تو سچے اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہتا یعنی تعلیم قولی و فعلی ہر دو کامل ترین تعلیم ہیں۔ ان ہی سچے دل سے انصاف کیا تھ سوچیں تو رسالت کی تصدیق اور رسول بھیجنے والے کے اقوال کی صداقت صاف دکھلائی پڑیگی۔ نہ کسی ملاں سے پوچھنے کی ضرورت نہ مولوی سے۔ نہ پیر سے نہ فقیر سے۔ آیات قرآنی پڑھتے رہو۔ واقعات کربلا پر غور کر کے مطالعہ کرو تو ایک شاہراہ حقیقت ظاہر ہوگی۔ جو سچائی تک پہونچائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن و اہلبیت کو امت میں اپنے بعد چھوڑا۔ ان کو اس طرح پیوست چھوڑا کہ۔ قیامت تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ لیکن قرآن قولی تعلیم ہو۔ اس تعلیم کو عملاً سکھلانے والے وہی اہلبیت رسول ہیں جن میں سے ایک شاہ کربلا ہے۔

اس شہر کی مخصوص علامت یہ ہو کہ بلور کیطرح چمکتا ہوا آبحیات کا دریا جو خدا اور برے کے تخت سے نکلتا ہے۔ اس شہر کی سڑک کے بیچ میں بہتا تھا۔ اور دریا کے وار پار زندگی کا درخت تھا۔

بلور اپنی شفافیت اور چمک یا صفا میں صداقت کی مانند ہے۔

آبحیات یا ابدی زندگی کا ذریعہ امام ہوتا ہے جس کی معرفت نجات کا باعث ہو۔ دریا کو جعفر کہتے ہیں خدائے خداوند فیض یا رسول موعود (محمد مصطفی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہو۔

برہ یعنی برۂ مذبوح جو بنائے عالم سے مذبوح قرار پایا یا حسین علیہ السلام

تخت سے نسل مراد ہے۔ جس کو آرام و راحت ملتے ہیں۔

زندگی کا درخت۔ ہادی۔ نجات۔ دہندہ۔ امام۔

اس شریعت نو کے ایک معلم۔ امام جعفر صادق (علیہ السلام) تھے۔ جو رسول بتول کے فرزند حسین علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور آنحضرت تیرہ ہادیوں کے وسط میں تھے۔ چھ ہادی آپ سے پیشتر ہوئے۔ اور چھ آپ کے بعد۔ آپ کے دونوں طرف نور ہدایت تھا

لہذا بیان مکاشفہ سے معلوم ہوا کہ اس چوده (چہاردہ معصومین) کے سلسلے میں ایک نبی اور بارہ امام ایک نسل سے ہوئے۔

دوم یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سلسلۂ نورانی ہی کی اطاعت فرض ہے۔

سوم یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس نورانی سلسلہ کا دشمن اور مخالف دوسرا سلسلہ ہے جس میں سترہ کس سربرآوردہ ہیں۔ انھوں نے اس پہلے سلسلے کے چار افراد کو شہید کیا۔ ان کی نسل اور ان کی تعلیم کو مٹانا چاہا۔ ان میں (سترہ میں) سے آٹھواں یا وسطی شخص عبدالملک بن مروان بن حکم ہے۔

چہارم یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سترہ کے سلسلہ کی متابعت کفر ہے۔ اور بہت مخلوقات اس کی مطیع ہے۔

پنجم یہ بھی ثابت ہوا کہ چودہ کے سلسلے کے ۲۰ شہیدوں کے ۴۴ ہاتھ ان کی تعلیم کے محافظ ہیں۔ ان کی شاہراہ شاہراہ ہدایت ہے۔

اس کا لُبِ لباب یہ ہے کہ ایمان و کفر کے اماموں کو خداوند عالم نے ان کے وجود میں آنے سے پیشتر ہی بیان فرما دیا۔ اب ہماری مرضی۔ ہم ایمان اختیار کریں یا کفر۔ اسی لئے خداوند عالم نے سورۂ دہر میں ارشاد فرمایا۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔ ہم نے تو انسان کو دونوں راستے واضح کر دئے ہیں اس کی مرضی ہے شکر کرنیوالوں میں شامل ہو یا کفر کرنیوالوں میں لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ۔ دین میں زبردستی نہیں۔ گمراہی سے ہدایت کو متمیز کر دیا گیا ہے پس جو شخص طاغوت سے کافر ہو کر خدا پر ایمان لاوے پس البتہ اس نے مضبوط رسی (لنگر) سے تمسک اختیار کیا۔ آیہ مذکورہ کے مطابق طاغوت سے کفر اختیار کرنے اور خدا پر ایمان لانیوالا اس امر پر مجبور ہے کہ اسکو ایک وسیلہ یا ذریعہ بھی ملے جس کے سہارے سے منزل مقصود پر پہنچے یہ وسیلہ وہی صادقین ہیں جن کی رفاقت کا حکم ہے یہی حکم رسول ہے۔

مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکب فیھا نجی ومن تخلف عنھا غرق وھوی میری اہلبیت کشتی نوح کی مانند ہیں کہ جو اس میں سوار ہوا وہ بچا۔ اور جو اس سے پھرا وہ غرق و ہلاک ہوا۔ وما علینا الا البلاغ

اسلامی دنیا میں سنہ ۱۱ھ بھی یادگار زمانہ ہے جس کے واقعات نے ایک طرف حقیقت نجات اور دوسری طرف مصائب کا آغاز کر دیا۔ باپ کی رحلت بیٹی کے لئے کوئی کم صدمہ نہ تھا۔ اسپر اصحاب رسول کے عجیب و غریب طریقے، نئی وضع کی ہمدردی نے حضرت سیدہ کو خون کے آنسو رلائے تباہی اولاد کے اخبارات

جو بزرگوار سے سن رکھے تھے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اپنے گھر کے دروازے میں آگ لگاتے ہوئے دیکھکر اپنی اولاد کے خیام کا جلنا سیدہ مظلومہ کو یاد آگیا ہوگا۔ حضرت ام المصائب جناب زینب علیہا السلام کی اسوقت کی پریشانی کا خیال سوہان روح بن گیا ہوگا۔ ان سب امور پر غور کرنے کے بعد جب ہم جناب سیدہ کی گریہ وزاری پر نظر کرتے ہیں تو کوئی تعجب نہیں معلوم ہوتا۔ باپ کی رحلت ہوتے ہی اصحاب رسول کا دشمن بنجانا اپنے مصیبت اور شفقت کے پالے ہوؤں کی شہادت کا پیش خیمہ تھا۔ چنانچہ آنجنابہ ممدوحہ کے ایک شعر میں ان خیالات کی جھلک نظر آتی ہے فرماتی ہیں صُبّت علیّ مصائبٌ لو انّہا صُبّت علی الایام صرن لیالیا۔ اے بابا آپ کے انتقال کے بعد مجھ پر ایسی ایسی مصیبتیں آنی شروع ہوگئیں کہ اگر وہ روز روشن پر پڑتیں تو دنوں کی رات بنجاتی۔

دنیا کا دستور ابتدا سے یہی چلا آتا ہے اولاد باقی رہتی ہے۔ ماں باپ مرجاتے ہیں کیا جناب سیدہ اس دستور سے ناواقف تھیں؟ لا واللہ ہرگز نہیں۔ والدہ ماجدہ کا انتقال دیکھ چکی تھیں۔ روزانہ مشاہدات میں خلق اللہ کا انتقال آتا ہی تھا۔ پھر اس طرح رونے کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کی مروت جا چکی تھی۔ کوئی پرسا دینے کیلئے بھی نہ آتا تھا۔ دعوت قولی ضروری تھی۔ وہ آنجنابہ نے پوری کی۔ لیکن واہ ری امت۔ آواز آئی تو یہ حضرت سیدہ کو منع کرو ہمارے آرام میں خلل آتا ہے۔ آہ۔

ہیچ کافر نکند آنچہ مسلماں کردند

تاریخ عجیب عجیب منظر پیش کرکے ہماری رہبری کرتی ہے یہی تاریخ بتلاتی ہے۔ وہ پہلا شخص جس نے صداقت کے لئے آگ میں جلنا قبول کیا۔ باطل کے سامنے گردن نہ جھکائی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جلانے والا نمرود تھا۔ پھر یہی تاریخ بتلاتی ہے کہ جس گھرانے نے آگ میں جلنا منظور کیا۔ تلواروں سے تیروں کو نیزوں سے برچھیوں سے کٹنا منظور کیا مگر باطل کی اطاعت سے متنفر رہے۔ یہی رسول عربی کا گھرانہ تھا جس کی آنکھ بند ہوتے ہی زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ تیسرے ہی دن اس گھر میں آگ لگائی جس میں رسول اللہ کی دختر اور آنحضرت کے نواسے موجود تھے۔ پچاس سال بعد یعنی ۶۱ھ میں یہی فرزند رسول تھا جو تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح ہوا۔ آخر یہ معاملات کیوں ہوئے۔ اسلئے کہ ابتداً انہوں نے اجماع سے مخالفت کی۔ اور انتہا میں اس اجماعی تخت کے وارث کے طریقے سے تخالف کیا۔ جلنے والے یا قتل ہونیوالے آل رسول۔ جلانیوالے یا قتل کرنیوالے اصحاب رسول یا ان کی اولاد۔

اوّل الذکر ملّۃ ابیکم ابراہیم کے مصداق اور دوسرے سنت نمرودی کے تابع۔

واللہ اے امت رسول سے جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

یہی صدمہ جانکاہ آخر وفات سیدہ معصومہ کا باعث ہوکر رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگرچہ حقیقت کا علم خداوند عالم ہی کو ہے۔ انسان صرف اپنے ظن کے مطابق بیان کرتا ہے۔ بعض ظن

گناہ ہوتے ہیں اور بعضے دیگر ایک خیالی خاکہ ہوتے ہیں صداقت سے معرا لیکن زمانہ کی رفتار یہی ہے کہ راز قدرت کی تلاش کرے۔ عالم ہوں یا جاہل سب ہی اس زمانہ رجعت کے منتظر ہیں۔ زمانہ و وقت کا تعین بھی کیا جاتا ہے جو محض عقلی ڈھکوسلہ ہے۔ آئمہ برحق علیہم السلام نے اس راز کو سربمہر بند رکھا۔ اگر کہیں اس کا تذکرہ ہوا بھی تو وہ بھی ایسا ہے کہ جس کا سمجھنا مشکل۔ ہندی منجم نے البتہ اس زمانہ کی میعاد ۵۰۰۰ سال مقرر کی ہے جسکا ذکر رامائن تلسی داس کے حوالے سے بشارت احمدی صفحہ ۱۸ میں موجود ہے۔

نجومی ۵۰۰۰ سال شمسی قمری ۵۱۴۵ سال کے برابر ہوں گے۔ اور زمانۂ رجعت اس قول کے مطابق بعثت سے ۵۱۴۵ سال بعد ہوگا یعنی سنہ ۱۵۳۲ھ میں۔

اسی طرح اگر نبوت دانیال علیہ السلام میں مدت ۱۳۳۵ سال شہادت امام رضا علیہ السلام سے شمار کریں تو بھی سنہ ۱۵۳۲ھ یا سنہ ۱۵۳۶ھ سال رجعت یا سال فرج وکشایش نکلتا ہے

چونکہ ہجرت کے وقت سن ۱۰۰۷۴ آدمی تھا۔ اس لئے سنہ ۱۵۳۴ھ میں ۳۳۲۴ آدمی ہوگا

میناری پیمائش بھی ضیافت طبع کے لئے پیش کیجاتی ہے۔

دنیائے قدیم

(۱) اہرِ عمارت نے دنیائے قدیم کی کل مدت کو ایک ایسے مینار سے ظاہر کیا ہے جسکے قاعدے کا طول تقریباً ۹۰۱۲۰۰ انچ اور عرض ۸۰۴۶۱۰۶۵۷ انچ عمودی بلندی ۵۴۴۱۴۱۳۴ انچ ہے۔ قاعدہ مینار کا رقبہ نکالکر عمودی بلندی میں ضرب دیا۔

میناری انچوں میں یہ طول و عرض و بلندی ۹۰۰۲۴۸۸۰۷ ۱۱۱۰۶۵۷ ۵۱۹۴۴۲۲۵ ہوئی۔ اور حجم مینار ۹۰۰۲۴۸۸۰۷ × ۱۱۱۰۶۵۷ × ۵۱۹۴۴۲۲۵ = ۳۵۱۶۲۱۴۱۳۲۱۴۱۰۱۰۴۸ ہوا۔

توریت کے مطابق دنیائے قدیم کی مدت ۴۸۰۱۶۰۰۰۰ سال ہوئے۔

اگر پیمائشوں کے درجات اعشاریہ کامل لئے جادیں تو ہر دو اعداد برابر ہوجائینگے

(۳) عمر آدم ثانی (حضرت نوح علیہ السلام) ۹۵۰ سال کی ہیر عمارت نے دنیائے قدیم کے اختتام کی حدود اس مدت کو شروع کیا۔ اور زینۂ اول کے سنگ سیاہ کے آغاز تک اسکو پورا کر دکھایا۔ نقشہ میں راہ تنزلی کا طول مقام تقاطع تک ۹۸۶۲۵ انچ ہے۔ اس قطر سے قاعدہ ۸۸۰۴ انچ اور عمود

(۳) حضرت نوح و صالح علیہما السلام کے درمیان تقریباً ۵۵۰ سال کا فاصلہ ہے۔

مینار میں سنگ سیاہ کے آغاز سے پہلی محراب (ایج آہنی)، زینۂ اول تک (۱۷۸ + ۴۶۳٫۰۳ - ۳۲) ۶۰۹٫۰۳ انچ فاصلہ ہے۔ اس قطر سے ۵۳۵٫۶۹۰ انچ قاعدہ بنا۔ جس کے ۵۳۵۱۴۵ میناری انچ ہوئے۔ پیمائش گذشتہ میں جمع کیا ۹۳۹٫۵ + ۵۳۵٫۱۴۵ = ۱۴۷۴٫۶۴۵ میناری انچ یا ۱۴۷۴ھ

(۴) اگر پیمائش ۳ میں نصف محراب شامل کر دیں تو یہ فاصلہ (۶۲۵٫۰۳ × ۱۸۹۹) = ۵۶۰٫۰۲۶ انچ ہوگا۔ اور اس کے ۵۵۹٫۴۶۶ میناری انچ بنیں گے۔ ۲ کے اعداد میں اضافہ کرنے سے ۱۵۰۸٫۹۶۶ یا ۱۵۰۸ھ برآمد ہوگا

نوٹ ۳: ۱۵۰۰ سال سے ۶ سال کم اور ۴ سے ۹ سال زیادہ ہے۔ آئندہ حسابات سے معلوم ہوگا کہ ۴ زیادہ قرین قیاس ہے۔)

(۵) محراب اول کے وسط سے محراب دوم کے آخر تک ۲۴۲٫۰۶۴ انچ فاصلہ ہے اس فاصلہ کو قاعدہ سمجھ کر قطر دریافت کیا۔ (۲۴۲٫۰۶۴ / ۱۸۹۹) ۲۲۸٫۶۲ انچ نکلا یعنی ۲۲۸٫۳۷۲ میناری انچ۔ تاریخ عرب سے حضرت صالح علیہ السلام سے تقریباً ۲۰۵ سال بعد حضرت ہود علیہ السلام کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ جو قریب قریب میناری پیمائش سے ملتا ہے۔ سن بعثت کے لئے ۴ کی پیمائش کیساتھ (۲۲۸٫۳۷۲ + ۱۵۰۸٫۹۶۶ = ۱۷۳۷٫۳۳۸) یہ اعداد جمع کر کے ۱۷۳۷٫۳۳۸ معلوم کئے جس سے ۱۷۳۷ھ نکلا

(۶) محراب دوم کے آخر سے محراب سوم کے آخر تک ۱۲۰٫۹۱۷۳ انچ ہے۔ محراب سوم کا عرض (۳۲ انچ) کم کر کے باقی کو قاعدہ تصور کیا۔ اور قطر دریافت کر کے بعد از تحویل ۵ میں جمع کیا۔ (۱۲۰٫۹۱۷۳ - ۳۲ / ۱۸۹۹) = ۱۹۴٫۳۸ انچ۔ ۱۹۴٫۱۸۶ میناری انچ (۱۷۳۷٫۳۳۸ + ۱۹۴٫۱۸۶ = ۱۹۳۱٫۵۲۴) یا ۱۹۳۱ھ ہوا۔

تورات کے مطابق سن ولادت ابراہیم علیہ السلام ۱۹۴۹ق م ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تاریخ عرب تقریباً ۲۰۰ سال کا فاصلہ دکھلاتی ہے۔ یعنی تاریخ عرب کے مطابق پیدائش آنحضرت تقریباً ۱۹۵۰ق م کا واقع ہوا جو قریب قریب درست ہے۔

بعثت آنحضرت ؐ کے لئے عرض محراب کو قاعدہ مانکر قطر دریافت کیا۔ ۳۵٫۷ انچ نکلا اور حسب قاعدہ ۱۹۸۰ھ

برآمد ہوا۔ (۱۹۸۷٫۱۸۹)

(۷) شریعت ابراہیمی کے بعد شریعت موسوی کا دور دورہ ہوا۔ محراب سوم سے مقام تقاطع سقف زینۂ دوم تک ۳۴۸٫۷۱۴ انچ فاصلہ ہے اسکو قطر بنا کر حسب قاعدہ "عمود د قاعدہ" معلوم کیا (۳۱۷٫۸۳ × ۳۴۳۱۲ = ۱۸۵٫۲۸) (۳۱۷٫۸۳ × ۹۶۷ = ۳۳۳٫۶۷۴ قاعدہ) مقام تقاطع کے بعد ۲۵ انچ کا فاصلہ ہے جو فرش شکستہ پر منتہی ہوتا ہے۔ اسکو قاعدہ سمجھکر قطر (۲۵/۱٫۸۹ = ۲۶٫۸۹) اور عمود (۲۶٫۸۹ × ۳۴۳۱۲ = ۱۲٫۳۵۸) معلوم کر کو قطر ہجوم کر بقیہ اعداد جمع کئے۔ ۱۸۵٫۲۸ + ۳۳۳٫۶۷۴ + ۱۲٫۳۵۸ = ۵۷۱٫۸۱۹ انچ ہوئے۔ جناری انچوں میں تحویل کر کے ... کی آخری رقم میں جمع کیا۔ ۵۷۱٫۲۴۷ + ۱۹۸۷٫۱۸۹ = ۲۵۵۸٫۴۳۶ یا ۲۵۵۹ سنہ نکلا۔ توریت سے یہی سال ولادت حضرت ہارون علیہ السلام (خلیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام) ہے۔

(٨) نقشہ سے معلوم ہوگا کہ زینۂ اول سے کمرۂ خورد کو جانے کے لئے چاہ کے گرد گھوم کر جانا پڑتا ہے۔ اس کے لئے (ملاحظہ ہو نقشہ وخاکہ) ٦٥٫٢١ + ٥٧٫٢٩ ٢٥١ ٢٥١١٣٫ = ٩٫٤٧ انچ فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے۔ جس کے ٨٠٣٫٩٥ میناری انچہ بنتے ہیں۔ گذشتہ پیمائش میں جمع کیا تو نزول توراہ کا سن نکلا۔

٣٦٤٨٫٢٥٥ + ٤٧٫٨٩ = ٢٦٣٧٫٨٠٦ یا ٢٦٣٨ قبل مسیح ٣٧٫٨٩ ٣٦٨٤ ٢٥٥٨٫٠٢ ٢٦٤٧٫٨٠

(٩) راہ فرش کمرۂ خورد تک پہنچنے کے لئے شکستہ پشتہ نصف عرض راہ زینۂ اول اور نصف عرض چاہ عبور کرنا پڑتا ہے جسکا مجموعی فاصلہ ٢٠٫٢٥ + ٢١ + ١٣ = ٥٤٫٢٥ انچہ ہے۔ میناری انچوں میں ١٩٦٫٥٤ ہے۔ میں جمع کرنے ٢٦٤٧٫٨٠٦ + ١٩٦٫٥٤ = ٢٦٤٧٫١٩٦٫٥٤ = ٢٤٠٢٫٠٠٢ یا ٢٤٠٣ ق م ہوا۔ وفات یوشع بموجب توریت ١٤٠٢ میں ہوئی۔

(١٠) نقشہ پر غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ ابتدا سے کمرۂ خورد کے محاذ تک سطحی فاصلہ ٨٨٤ + ١٣٥٥ + ١٥٢١٫٦٥ = ٣٧٦٠٫٦٥ انچ ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگا کہ کمرۂ خورد سے تقریباً ٢١١٫٩ انچ کے فاصلے سے راستہ بقیہ راہ سے تقریباً ١٤٫٨٤ انچ نیچا ہے۔ لہٰذا مسافت راہ میں اسی قدر اضافہ ہوگیا۔ اور کل فاصلہ تقریباً ٣٧٧٥٫٥٩ انچ ہوا۔ ایس سے ٢١١٫٩ انچ کم ہوا۔ ٣٥٦٣٫٦٩ انچ باقی رہا۔ میناری انچوں میں تحویل کیا۔ ٣٥٦٠٫١٢٧ یا ٣٥٦١ پر آمد ہوا۔ اسیری بابل کا واقعہ ہے جبکہ بخت نصر نے یروشلم کو مسمار کیا اور تمام بنی اسرائیل کو قید کر کے بابل لے گیا۔ اسکو دائمی قربانی کا بند ہونا بھی کہتے ہیں۔ حضرت انیال علیہ السلام کی پیشگوئیوں میں اسی تاریخ سے مدت شمار ہوئی۔

(١١) کمرۂ خورد کی دیواروں کے پتھر تقریباً ٢٠١ انچہ چوڑے ہیں۔ بقیہ طول راہ ٢١١٫٩ میں سے یہ کم کئے تو ١٥٠٫٩ انچ باقی رہا اور میناری انچوں میں ١٥٠٫٧٥ انچ ہوا۔ میں جمع کیا ٣٥٦٠٫١٢٧ + ١٥٠٫٧٥ = ٣٧١٠٫٨٧٧ یا ٣٧١١ پہلا یہ تاریخ ختم تعمیر ہیکل حزقی علیہ السلام کی۔

(١٢) نقشہ کے مطابق محراب سوم کی سطح سے کمرۂ خورد کا قلعہ تقریباً ٤٣٧ انچ کی بلندی پر ہے۔ اور قلعہ کمرہ

خوردتک کل فاصلہ (۴۸۸۴ + ۱۳۵۵ + ۱۵۲۱٫۶۵ + ۲۳۶ =) ۲۱۹٫۶۵ انچ ہے بعد از تحویل ۱۹۳٫۵۵۳ ام میناری انچ ہوئے۔ تاریخ سے غیبت مسیح علیہ السلام ۱۹۳ھ کا واقعہ ہے۔

(۱۳) فرش کرۂ خورد سے کرۂ کلاں کے زینہ کے قریب مقام تقاطع تک ۸۳۴٫۵۰۵۷ انچ فاصلہ ہے فرش کرۂ کلاں دیواروں کی بنیاد سے نیچے ۱۵ انچ کی موٹائی میں ہے۔ لہٰذا فرش کرۂ خورد سے فرش کی تہہ تک ۸۱۹٫۵۰۵۷ انچ فاصلہ ہوا اس میں سے کرۂ خورد کے قلّہ تک کل بلندی منہا کرنے سے دونوں کے درمیانی فاصلہ کو معلوم کیا ۸۱۹٫۵۰۵۷ ـ ۲۴۴٫۹۵۵ = ۵۷۴٫۵۵۰۷ ہوئے۔ اس سے بعد از تحویل ۳٫۵۷۹۶۶۲ میناری انچ ہوئے۔ ۱۲ کے نتیجہ میں جمع کیا۔ ۱۹۳٫۵۵۳ + ۳٫۵۷۹۶۶۲ = ۱۹۷٫۱۳۲۶۶۲ یا سنہ ۱۹۷ھ نکلا۔ ولادت جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سردار موعود اول از سرداران اثنا عشر ۱۹۷ھ میں دکھلائی جاتی ہے۔

(۱۴) سطح فرش کمرۂ خورد و فرش کمرۂ کلاں میں ۵۰۵۷،۴۳۴ انچ فاصلہ گذشتہ بیان سے معلوم ہوا۔ اگر بنیاد فرش سے دیواروں کی بنیاد کا طول صرف اس پیمائش سے کم کیا جائے۔ تو دیواروں کی بنیاد تک یہ فاصلہ ۵۰۵۷،۸۲۹ انچ رہجائیگا۔ اور نقطہ کمرۂ خورد سے یہ فاصلہ ۵۵۰۷،۵۸۴ انچ ہوجائے گا۔ جس کے (۵۵۰۷،۵۸۴ - ۵۵۰۷،۵۸۴۵،۵۸۶=) ۵۸۳،۹۶۶ میناری انچ ہوئے ۱۲۰ کے اعداد اس میں شامل کئے (۵۸۳،۹۶۶ + ۱۹۳،۵۵۳ =) ۷۷۷،۵۱۹ یا ۷۷۷

یہ سن بعثت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اسی سال آنحضرت نے فانذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل کرتے ہوئے (حسب تواریخ اہل اسلام) جناب امیر علیہ السلام (حضرت علی) کو اپنا بھائی، وزیر، اور خلیفہ مقرر فرمایا۔ ھذا اخی و وزیری و خلیفتی فی الدنیا والاخرۃ فاسمعوا لہ کے الفاظ تواریخ میں اب تک موجود ہیں (یہ میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے۔ دنیا و آخرت میں۔ پس اس کی بات سنو۔

اس موقعہ پر ہمیں کتاب خروج کی مذکورہ ذیل آیت یاد آتی ہے۔ (جو بنی اسرائیل کے لئے حکم تھا)۔ کتاب خروج ب۲۳ آیۃ ۲۰-۲۲ "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں۔ کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے۔ لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اسے مت چڑھا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا۔ کہ میرا نام اس میں ہے"۔

اس امت کے لئے فاستمعوا لہ اور بنی اسرائیل کے لئے "اس کا کہا مان" بالکل ایک ہی مضمون ہے۔ اور ایک ہی طرز تقریر۔ کتاب خروج کی آیۃ کے متعلق پیشتر مذکور ہوچکا کہ یہ حکم اطاعت جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہے۔ اور قول بالا میں کسی تاویل کے بغیر یہ قول آنحضرت کے متعلق بیان فرمایا۔

(۱۵) کمرۂ کلاں کی دیواروں کی بلندی بشمول بنیاد ۲۳۵،۳۸۰ انچ ہے۔ اور چھت کے پتھر کی موٹائی ۴۷ انچ تقریباً (۴۷،۷۷) لہذا کل بلندی ۲۸۲،۴۰۵ انچ ہوئی۔ یا میناری انچوں میں ۲۸۲،۱۸۲۵ انچ ۱۲۰ میں جمع (۴۷۷،۵۱۹ + ۲۸۲،۱۸۲) ۷۵۹،۷۵۱ ، ۵۰ یا ۲۶۰ھ ہوا۔ تاریخ سے سن غیبت کبرےٰ امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام خاتم دوازدہ سرداران موعود از اولاد اسمعیل علیہ السلام ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۴ء ہے۔ (آغاز سن ہجری ۶۲۲ء میں ہوا۔ بعثت ۶۱۰ء میں تقریباً ۱۲ سال پہلے۔ لہذا بعثت سے غیبت کبریٰ تک تقریباً ۲۸۳ سال ہوئے میناری حساب سے ۲۸۲،۱۸۲ سال نکلتے ہیں سن بعثت ۲۸۳ کہلائے گا۔

کرۂ کلاں
راہ تنگ بر سقف
محراب
راہ تنگ
راہ تنگ
۶۱

تکملہ

یہ امر ابتدا ہی میں فیصلہ ہو چکا کہ علامات مینار مذکور کا تعلق بنین بعثت انبیا سے ہے۔ نیز یہ بھی مطالعہ توریت سے ثابت ہے کہ دنیا کبھی وقت ہادی برحق سے خالی نہیں رہی۔ ایک نبی کے بعد دوسرا فوراً ہی اس منصب ہدایت پر مامور ہوتا رہا۔ نہ صرف توریت بلکہ خود کلام پاک (قرآن مجید) کا دعویٰ بھی یہی ہے جیسا کہ آیہ وانی ہادٍ یہ ولقد وصلنا لھم القول لعلھم یتذکرون سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس فنی دنیا میں جبکہ طوفان کے بعد از طوفان ہوا کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا جس میں دنیا نبی یا وصی نبی (ہادیان برحق) کے وجود سے خالی رہی ہو۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ امّت (مخلوق) موجود ہے۔ امام الفساد (گمراہ کنندہ۔ شیطان) موجود ہے لہٰذا اثر ضلالت کے مٹانے کے لئے امام الرحمہ بھی موجود رہنا ضروری ہے تاکہ مخلوق الٰہی سے جو کوئی بھی طالب ہدایت ہو محروم نہ رہ جائے اور حجت الٰہی غالب رہے (وحجۃ اللہ ھی البالغۃ) مخلوقات الٰہی کو عذر کا موقع نہ ملے۔ ورنہ بصورت دیگر سزائے اعمال عدل الٰہی کے منافی ہے۔ کیونکہ گمراہ کنندہ تا قیام قیامت موجود ہے اور اس کے ہتھکنڈوں کی قلعی کھولنے والا موجود نہیں رکھا۔ اب اگر یہ مخلوق فریب کھا جائے۔ گمراہ کنندہ کے دلائل و براہین سے اس کے ادّعا کو سچ مان لے۔ تو معذور قرار پائیگی۔ عدل کے یہ معنی نہیں کہ ایک مجبور و بے بس کو دشمن دین و غارتگر ایمان کے حوالے کر دیا جائے اور پھر اس سے اس کے اعمال زشت کی بازپرس کی جائے۔

یہی وجہ تھی کہ مخلوقات الٰہی کسی وقت بھی حجۃ اللہ سے خالی نہ رہی۔ ہر ایک بڑھتی ہوئی طغیانی کا انسداد ہوتا رہا۔ مثلاً انتہائے دنیائے قدیم کی طغیانی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ ان سے کسی عمل خیر کی توقع باقی نہ رہی۔ اسکا علاج حکیم مطلق نے قطع حیات تجویز کیا تاکہ وہ نفوس جو اس وقت تک فساد سے محفوظ تھے محفوظ رہ سکیں۔ یہی حالت قوم عاد و ثمود و فرعون کی ہوئی۔ قوم لوط و شعیب بھی اس قسم کی بازپرس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ خود بنی اسرائیل کا یہ عالم ہا کہ اگر دو روز آزاد رہے تو چار دن غلام۔ تا زیادہ عقوبت پڑا ہوش آ گئی۔ ہادی حق کی آواز کے شنوا ہوئے۔ آزادی ملی اور پھر وہی تمرد و سرکشی۔ یہ آذکار قصّے اور کہانیاں ہی نہیں بلکہ نصیحت کے خزانے ہیں۔ انسان دیگر مخلوقات عالم سے عقل کے باعث ممتاز ہے۔ اس عقل کا تقاضا ہے کہ ہم گذشتہ امتوں کے تذکروں سے نصیحت حاصل کریں۔ ان کے تجربوں سے سبق لیں اور ترقی کے زینے طے کرتے جائیں۔ خداوند عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ جو درجہ قرآن کا اہل اسلام کیلئے ہے وہی درجہ صحف سابق کا اگلی امتوں کے لئے عیسائیوں کی نظروں میں اناجیل کی۔ یہود کیلئے توریت کی۔ اہل ہنود کے دل میں ویدوں کی وہی قدر و منزلت ہے جو مسلمانوں کے قلوب میں قرآن پاک کی۔ لہٰذا ان امتوں کے لئے وہی قرآن ہے۔ لفظ قرآن اگرچہ نوشتہ پاک اہل اسلام سے مخصوص ہو گیا ہے لیکن لغوی حیثیت سے اسکا مفہوم عام ہے۔ الدین صرف آیۂ سابق کا مفہوم اہل اسلام سے مخصوص نہیں رہا۔ بلکہ تمام مذاہب عالم کے لئے عام ہو گیا۔ انکی غفلت اور عدم توجہی پر تازیانہ تنبیہ۔ فی الحقیقت امر واقعی بھی یہی ہے۔ ہندو ہوں یا مسلمان۔ مجوسی ہوں یا صابی۔ یہودی ہوں یا عیسائی۔ اپنے اپنے مذہبی نوشتوں سے قطعاً غافل ہیں۔ وہ اپنے نوشتوں میں تدبر نہیں کرتے اور نہ غور و خوض سے کام لیتے ہیں۔ خداوند عالم نے اس انسان کو خاطی و گنہگار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ایسی حالت میں خلق کیا کہ متبرک پیشانیاں انکی عظمت و شان۔ انکے علو مراتب۔ اور انکے کمالات ظاہری و باطنی کی معترف ہوئیں۔ کامل کسی ناقص کی فضیلت کا ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک نہ کبھی معترف ہوا۔ نہ ہو سکتا ہے۔ نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ لہٰذا یہ کیونکر تسلیم ہو سکتا ہے کہ صانع مطلق نے اپنی اس مخلوق کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا اور راز نجات سے بے بہرہ رکھا۔ اس راز نجات کا تذکرہ اس سے پوشیدہ رکھا۔

یوں تو در بحر الٰہی تعلیم سے قطع نظر کر کے ان معلمین کے اقوال پر غور کیجئے جو فی زمانہ تمام دیار و امصار میں کلیسا کی سعی سے رائج ہیں۔ اگرچہ ان اقوال میں بھی تقریباً ۱۶۰۰ سال کے عرصے میں ہزاروں تبدیلیاں وقوع میں آئیں۔ لاکھوں تحریفیں کی گئیں۔ کروڑوں ترمیمیں ظہور پذیر ہوئیں۔ لیکن لب لباب ہدایت یعنی راز نجات کا تذکرہ قادر مطلق نے اپنے حفظ و امان میں رکھا۔ یہ راز نجات کیا تھا؟ کتاب خروج سے پیشتر مذکور ہوا۔ اسکے بموجب بنی اسرائیل پر فرض ہوا کہ وہ اس فرشتے کی اطاعت کریں جسکو خداوند عالم نے انکی حفاظت کے لئے تعین فرمایا۔ اور تاکید کر دی کہ اسکی نافرمانی کی معافی ممکن نہیں۔ یہ فرشتہ جسکا نام خدا تھا عبرانی میں خدا کو ایل کہتے ہیں۔ لہٰذا راز نجات بنی اسرائیل "ایل" نامی فرشتہ کی اطاعت تھی۔ "ہوئیل" یا "ایل" وہ متبرک ہستی ہے جسکو راز نجات بنی اسرائیل خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔ یہ متبرک وجود تمیع رجس وغیرہ سے پاک و پاکیزہ تھی کیونکہ "فرشتہ" کی تعریف یہی ہے کہ ایک طرفۃ العین بھی معصیت الٰہی اس سے سرزد نہ ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں معصوم ہو۔

(۲) کتاب سموئیل (تذکرۂ داؤد علیہ السلام و تابوت سکینہ یا عہد کا صندوق) سے پیشتر مذکور ہوا۔ کہ عہد کے صندوق کے اندر پتھر کی دو لوحیں تھیں جنکے ایک طرف دس احکام درج تھے۔ اور دوسری طرف دو کروبیوں کی تصویریں بنی تھیں۔ جن کے توسل سے دعا کرنے کا حکم تھا۔ اسی حوالے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خداوند بلا فوج کا نام انکے درمیان ہے۔ یہ دو کروبی۔ مربی بنی اسرائیل یا وسیلہ بارگاہ ایزدی تھے۔ انکے اسمائے میں اسم اعظم الٰہی "رب" پوشیدہ تھا۔ کتاب خروج سے ایک مربی بنی اسرائیل کا نام "ایل" یا "ہوئیل" ثابت ہوا صحیفہ ارماطش علیہ السلام سے دوسرا نام "سماطیل" ظاہر ہوتا ہے۔ "سماطیل و ہوئیل یا ایلیا" کے اعداد "رب" کے اعداد کے برابر ہیں۔ ایلیا۔ ہوئیل۔ ملک صدق۔ (سید الصادقین) اسمائے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں جو اناجیل و توریت مروجہ زمانہ حال میں اسوقت تک موجود ہیں۔ سماطیل "(رسول موعود) عہد کا رسول" "شیل موئی" "بادشاہ" اسمائے پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں جو صحیفۂ ارماطش و صحیفۂ ملاکی۔ کتاب استثنا (ناموس)، اور زبور میں موجود ہیں۔ خود اعداد اسمائے پاک "محمد" و "علی" بھی اعداد "رب" کے برابر ہیں۔ لہٰذا وہ دو کروبی جو وسیلہ بارگاہ الٰہی قرار دیئے گئے جنکی نافرمانی کی معافی ناممکن ہے یا بالفاظ دیگر جو راز نجات عالم قرار پائے وہ محمد و علی تھے (جو ابتدائے آفرینش سے منصب ہدایت پر فائز تھے) اور علی مرتضیٰ (امام ازلی و ابدی حسب ہدایت اناجیل) ہیں۔ تعجب بر تعجب یہ ہے کہ قول پولوس کے مطابق علمائے نصاریٰ جس بزرگ ہستی کو مقتدائے مسیح تسلیم کریں یا نگے جا اعلان فرمائیں کہ مسیح کو یہ رتبۂ عالی محض متابعت ملک صدق سے حاصل ہوا اسی ملک صدق سے روگردان ہوں۔ انکو وسیلۂ نجات تسلیم کرنے سے احتراز کریں اور مسیح کو راز نجات عالم مشہور کر کے خلق خدا کو گمراہ کرنا کہاں تک دعوت الی الحق کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ غلط تعلیم کی پیروی کے

انسان نجات اُخروی کا حقدار بن جائے یا ببول کے پیڑ سے آم کے پھل حاصل کرے؟

مینارِ اعظم کے بنانیوالے نے علامات مینار میں حضرت نوح علیہ السلام کو دُنیائے قدیم کی آخری یادگار شمار کیا۔ آپکی حیات دنیاوی کی مدت ۹۵۰ سال کو راہ داخلہ مینار کے زینہ اول تک ملنے کے مقام کے طول سے ظاہر کیا۔ نقشہ میں مقام تقاطع کا فاصلہ ۹۸۶ ¼ انچ دکھلایا گیا ہے جو زینہ اول اور راہ مینار کے تقاطع کی انتہائی حد ہے۔ سقف راہ مینار اور سقف زینہ اول کے ملنے کے مقام تک راہ مینار کا کل فاصلہ تقریباً ۳۶ ½ (۳۶٫۵۸) انچ کم ہے پس ۹۸۶ ¼ میں سے ۳۶ ½ تفریق کرنے سے راہ مینار کا وہ کل فاصلہ معلوم ہوتا ہے جو زینہ اول تک ہے اور اس فاصلہ کا میناری انچوں میں تحویل کرنے سے عمر نوح علیہ السلام برآمد ہوتی ہے۔ یعنی ۹۸۶٫۲۵ - ۳۶٫۵۸ = ۹۴۹٫۶۷ انچ انگریزی۔ انکو میناری انچوں میں تحویل کیا ۹۴۹٫۶۷ ÷ ۱٫۰۰۱ = ۹۴۸٫۷۲ میناری انچ یا سنہ ۹۴۸ برآمد ہوا۔ جسمیں صرف ایک سال کا فرق ہے۔ ممکن ہے یہ فرق پیمائش میں ہو۔ بہرحال تقریباً ۹۵۰ سال میں ایک سال کا فرق کچھ زیادہ توجہ کے قابل نہیں۔

تاریخ سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دسویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے جو بعد از زمانہ حضرت ہود علیہ السلام منصب ہدایت پر مامور کئے گئے۔ پیدائش نوح علیہ السلام سے بعثت ابراہیم علیہ السلام تک تقریباً ۲۰۰۶ سال کی مدت ہوتی ہے جو روایت کے مطابق ہے۔ یہ مدت دو چار سال کم و بیش بھی ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۴۹ سال کچھ مہینے کی تھی جبکہ آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال اور حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت کے درمیان ۵۵۰ سال کے قریب عرصہ تھا۔ اس کل زمانے کا مجموعہ پورے ۱۵۰۰ سال نہیں ہو سکتے۔ تقریباً ۱۵۰۰ سال ہونگے۔ اسی طرح حضرت صالح و ہود علیہما السلام کے درمیان بھی تقریباً ایک سال کی کمی ہو جائیگی علی ہذ ہود و ابراہیم علیہما السلام تک۔ اس طرح ۲۰۰۶ سال کی مدت میں تین چار سال کی کمی ہو جانا ممکن ہے۔ مینار کے مطابق یہ مدت ۲۰۰۳ برآمد ہوتی ہے جو قریب قریب درست ہے۔

تفصیل پیمائش اس طرح پر ہے۔ گذشتہ پیمائش (۹۴۹٫۶۷) میں زینہ اول کی تیسری تاریخ سنگ (محراب) تک کی پیمائش (۱۰۵۲٫۹۸ = ...) جمع کئے تو کل فاصلہ ۲۰۰۲٫۶۵ انچ نکلا۔ اسکو میناری انچوں میں تحویل کیا تو ۲۰۰۰٫۶۴ میناری انچ یعنی سنہ ۲۰۰۰ برآمد ہوا۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اصلی زمانہ ۲۰۰۶ سال ہی تھا تب بھی اس دو ہزار سال کے طویل عرصہ میں کل فرق پانچ سال سے زیادہ نہیں یا یوں کہئے کہ سو سال میں تین ماہ کا فرق ہوا اور فی سال ایک یوم سے کچھ کم فرق ہوا۔ یہ فرق کچھ اس قدر زیادہ نہیں جبکہ پیمائشیں بھی کم و بیش ہو سکتی ہیں۔

وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بعثت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً ۵۲۴ سال کی مدت ہے۔ تاریخ توریت کے مطابق یہ کل مدت ولادت حضرت نوح علیہ السلام سے خروج بنی اسرائیل یا بعثت حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ۲۶۶۸ سال ہے۔ میناری مدت اس کے مقابلہ میں ۲۶۶۴ سال نکلتی ہے جسمیں صرف چار سال فرق ہے۔ اسقدر مدت کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ میناری پیمائش اس طرح پر ہے۔ پیمائش گذشتہ میں قد یعنی زینہ اول زینہ دوم کے محاذ تک کل فاصلہ (۶۰۶٫۴۳ + ۲۵ + ... = ۲۰۰۲٫۶۵) جمع کیا تو ۲۶۶۷٫۳۹ انچ انگریزی فاصلہ ہوا۔ جب میناری انچوں میں تحویل کیا تو (۲۶۶۷٫۳۹ ÷ ۱٫۰۰۱ = ۲۶۶۴٫۷۲) میناری انچ نکلا یعنی ولادت حضرت نوح علیہ السلام سے بعثت موسوی تک سنہ ۲۶۶۴ ہوا۔

وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام پھر بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ قرآن پاک کے مطابق آنحضرت علیہ السلام نے اپنے ولادت کے دن ہی اعلان نبوت کیا جیسا کہ آیہ ذیل سے ہویدا ہے فاشارت الیہ قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا۔ قال انی عبد اللہ۔ اٰتٰنی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا این ما کنت واوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا۔ سے ظاہر ہے۔ آیات مبارکہ سے ظاہر ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت مریم پر بعد از ولادت حضرت عیسیٰ زبان طعن دراز کی تو آنجنابہ نے محض اس ننھی سی جان کی طرف اشارہ کردیا۔ کہ اس سے پوچھو۔ یہود کو یہ کہنا پڑا ہم اس سے کس طرح کلام کریں جو ابھی شیر خوار بچہ ہے۔ وہ تو ابھی گفتگو نہیں کرسکتا۔ اسوقت اس شیر خوار نے زبان کھولی اور ارشاد کیا میں بندۂ خدا ہوں۔ مجھے کتاب ملی ہے اور نبی مقرر ہوکر آیا ہوں جس جگہ پر میرا قیام ہو برکت کا باعث ہوگا۔ خداوند عالم نے مجھے تا مدت حیات نماز و زکوٰۃ اور ماں کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے (کتاب شریعت عیسوی کے اصول) اور خدا نے مجھکو ظالم و بدبخت نہیں بنایا۔ اس طویل آیہ کے تذکرے سے ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوم پیدائش سے ہی ہدایت خلق پر مامور ہوئے اور یہی تاریخ بعثت مینار سے نکلتی ہے اس قاعدے کے مطابق جس سے پیشتر تین بعثت معلوم ہوئے ہیں۔ حساب توریت سے یہی ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سنہ ۴۱۶۳ ہے یہی مدت پادری صاحب (ایڈگر مارٹن) نے اپنی تصنیف میں تسلیم کی ہے۔ میناری پیمائش سے بھی ٹھیک یہی مدت ولادت حضرت نوح علیہ السلام سے قرار پاتی ہے جو اس طرح پر ہے۔ پیمائش گذشتہ (۲۶۶۷٫۳۹) میں کمرۂ خورد تک باقی فاصلہ (۱۴۹۹٫۳۴) بشمول طول کمرۂ خورد (...) جمع کیا تو ۴۱۶۷٫۱۵۶ انچ انگریزی ہوئے اور ان کے بعد از تحویل (۴۱۶۷٫۱۵۶ ÷ ۱٫۰۰۱ = ۴۱۶۳٫۱۹۹) میناری انچ یا سنہ ۴۱۶۳ کی نکلا۔ ایک سال کا فرق چار ہزار سال میں قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

بموجب انجیل مروجہ سلسلۂ نبوت بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ اسی طرح راہ کمرۂ خورد بھی اس کمرہ تک پہنچکر بند ہوتی ہے۔ اس کمرہ کی انتہائی بلندی ۲۳۴٫۹۵ انچ ہے۔ اور فرش کمرۂ خورد کی سطح سے فرش کمرۂ کلاں کے آغاز تک ۸۳۴٫۹۵ انچ کا فاصلہ لہذا کمرۂ خورد کی انتہائی بلندی بحیثیت سمیع اور آغاز فرش کمرۂ کلاں (بعثت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک ۵۸۹٫۵ انچ یعنی ۵۸۹٫۵۵ ÷ ۱٫۰۰۱ = ۵۸۸ میناری انچ ہوئے یعنی نسبت عیسوی سے ۵۸۹ سال بعد بعثت مصطفوی عمل میں آئی۔ متواریخ سے ملاحظہ ہو تاریخ گبن۔ تاریخ محمدی وغیرہ) ۵۸۹ و ۶۱۰ بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو شمسی و قمری حساب درست نکلتا ہے۔ بعثت مصطفوی ۶۱۰ کو ہی ہے ولادت عیسوی ۲۱ اسلئے ۵۸۹ سال بعثت ہے لیکن سنین شمسی تاریخ ہوسے جسکے باعث آئندہ ۶۰۰ سال میں ۱۰ سال کم ہوگئے اور ۶۱۰ میں بعثت قائم ہوا۔

بیان گذشتہ سے ثابت ہے کہ راہ نجات عالم محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ہی ہے۔ اور کمرۂ کلاں مینار اعظم سے شریعت مصطفوی مراد ہے

شجرۂ مبارکۂ زیتونہ

- آدم
  - قابیل
  - ہابیل
  - شیث
- انوش
- قینان
- مہلائیل
- یارد
- اخنوخ
- متوشلخ
- لامک
- نوح
  - حام
  - یافث
  - سام
- ارفخشد
- شالخ
- عابر
- فالغ
- ارغو
- شاروغ
- ناحور
- تارخ
- ابراہیم

اسمٰعیل

- قیدار
- حمل
- نبات
- سلامان
- الہمیسع
- الیسع
- اود
- اد
- عدنان
- معد
- نزار
- مضر
- الیاس
- مدرکہ
- خزیمہ
- کنانہ
- نضر
- مالک
- فہر
- غالب
- لوی
- کعب
- مرہ
- کلاب
- قصی
- عبد مناف ـ یا مغیرہ
- ہاشم
- عبد المطلب
- عبد اللہ ـ عمران
- محمدؐ ـ علی
- فاطمہ زوجہ علی
- حسن ـ حسین
- علی
- محمد
- جعفر
- موسیٰ
- علی
- محمد
- علی
- حسن
- محمد المہدی

اسحٰق

- یعقوب
  - لاوی
  - قہات
  - عمران
  - موسیٰ ـ ہارون
  - یوسف
  - افرائیم
  - نون
  - یوشع
- یہودا
- فارص
- حصرون
- رام
- عمیناداب
- نحشون
- سلمون
- بوعز
- عوبید
- یسّی
- داؤد
- سلیمان
- رحبعام
- ابیاہ
- آسا
- یہوشافاط
- یورام
- عزیاہ
- یوتام
- آحاز
- حزقیاہ
- منسّی
- آمون
- یوشیاہ
- یہویاقیم
- یکنیاہ
- سلتئیل
- زربابل
- ابیہود
- الیاقیم
- عازور
- صادوق
- اخیم
- الیہود
- الیعازر
- متان ـ متان
- عمران ـ یعقوب
- مریم ـ یوسف
- عیسیٰ

شکریہ

ہزار ہزار شکر قادرِ ذوالجلال جس نے مجھ سی ناچیز ہستی کو ایسے غوامضِ علمیہ و اسرارِ قدیمہ پر دسترس عطا فرمائی فللہ الحمد حمداً کثیراً دائماً ابداً،

اس کے بعد میں اُن جمیع حضرات کا تہِ دل سے مشکور ہوں جن کی حوصلہ افزائی، مشوروں اور اصلاحوں کی بدولت اِن اوراق کو پبلک کے روبرو پیش کرنے کی جرأت ہوئی، خصوصاً مکرم جناب خان صاحب افتخار احمد خاں صاحب سابق اسسٹنٹ پولیٹکل افسر متعینہ کاشغر جنہوں نے ہمت افزائی میں از حد سعی فرمائی،

نیز مکرم و معظم جناب مولوی صاحب ابوالصفا احمد علی صاحب کربلائی کا رہینِ منت ہوں، حضرت ممدوح نے اِن اوراق کی تصحیح میں کامل جد و جہد فرمائی،

آخراً کرم فرمائے سید عاشق علی صاحب منیجر "الامان" پریس کا بھی دل سے مشکور ہوں، یہ صاحب موصوف نے ان اوراق کی کتابت، طباعت اور صحت میں سعی بلیغ فرمائی خداوند عالم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے ؞

مصنف